مسائل و معاملات میں حکیمانہ رہنمائی

(الافاضات الیومیہ کی تلخیص)

علمائے کرام، سالکین راہ محبت، سماجی اور دینی
جماعتوں سے وابستہ کارکنوں اور ہر سطح کے
دینی و مذہبی افراد کے لئے بہترین راہ عمل

حکیم الامت
مولانا اشرف علی تھانویؒ

حصہ اول

تلخیص و تسہیل
محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰-بی لطیف آباد حیدر آباد

مسائل و معاملات میں حکیمانہ رہنمائی

اور

مکاشفات، تصرفات اور خیالی کرشمے (حقیقت، راہِ اعتدال)

جلد۔ا

(الافاضات الیومیہ کی تلخیص)

ملفوظات: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مقدمہ، تلخیص، تسہیل و تشریح: حافظ موسیٰ بھٹو صاحب

مدیر: ماہنامہ بیداری اردو، سندھی۔ حیدر آباد

مسائل ومعاملات میں حکیمانہ رہنمائی

(الافاضات الیومیہ کی تلخیص)

علمائے کرام، سالکین راہ محبت، سماجی اور دینی
جماعتوں سے وابستہ کارکنوں اور ہر سطح کے دینی و مذہبی
افراد کے لئے بہترین راہ عمل

حکیم الامت: مولانا اشرف علی تھانویؒ
تلخیص تسہیل: محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰ بی۔ لطیف آباد حیدرآباد

کتاب کا نام: مسائل ومعاملات میں حکیمانہ رہنمائی

(الافاضاۃ الیومیہ کی تلخیص)

مصنف: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

تلخیص تسہیل: محمد موسیٰ بھٹو

ہدیہ: ۱۵۰ روپے

کمپوزنگ: اسلامک کمپیوٹر کمپوزنگ سینٹر

لطیف آباد ۴ حیدرآباد

پریس: یادگار پرنٹنگ پریس حیدرآباد

تعارف

حضرت مولانا احسان الحق الحسینی صاحب

(خلیفہ مجاز: حضرت مولانا عبدالحی صاحب مدظلہ)

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب ۱۹۷۰ سے ۱۹۸۳ء تک روز نامہ ''جسارت'' کراچی کے وقائع نگار خاص کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۸۳ء کے وسط میں انہوں نے ''جسارت'' سے علیحدگی اختیار کرکے، ایک تو سندھی زبان میں اسلام کے نظریاتی اور فکری محاذ کو سنبھالا اور جدید نظریات کے سامنے بند باندھنے کے لئے بڑے پیمانہ پر علمی کام شروع کیا، دوم یہ کہ انہوں نے جدید اسلامی فکر میں روحانیت، باطنی اصلاح سے صرف نظری، تزکیہ کی کمی اور اللہ کی محبت کے نصب العین کے فقدان جیسی چیزوں کی نشاندہی کرکے، جدید علمی حلقوں کے سامنے صحبت اہل اللہ، ذکر وفکر اور عشق الٰہی کے ہدف کو اجاگر کرنے اور خارجی باطل کے خلاف معرکہ آرائی سے پہلے اندر کے باطل کو مطیع کرنے پر زور دیا اور اس موضوع پر جدید نوعیت کا لٹریچر تیار کرنا شروع کیا۔

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب ۱۹۸۴ء میں تصوف سے وابستہ ہوئے، وہ چار سال تک ایک نقشبندی بزرگ سے وابستہ رہے، بعد ازاں انہیں ممتاز محقق اور عارف حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ کی صحبت حاصل رہی۔ ۱۷ سال تک انہیں حضرت ڈاکٹر صاحب کی صحبت حاصل رہی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے انہیں نقشبندی مجددی سلسلہ کے سارے اسباق طے کرائے۔

بھٹو صاحب کا یہ تجربہ شاید دوسرے اہل علم کے لئے سبق آموز ثابت ہو کہ ۲۱ سال تک راہ سلوک میں چلنے کے دوران انہیں جہاں نفسی قوتوں کا وسیع مشاہدہ ہوا، وہاں ان کا بیشتر علمی، فکری، نظریاتی اور تصوف کے حوالے سے ہونے والا تصنیفی

کام بھی اسی دوران ہوا۔ سندھی زبان میں ان کی طرف سے ڈیڑھ سو کے لگ بھگ کتابیں شائع ہوئیں، اردو میں بھی ان کی کئی درجن کتابیں چھپیں اور سندھی واردو ''بیداری'' کا کام بھی اسی دوران چلتا رہا۔

بھٹو صاحب اپنے اس کام کو اللہ کی محبت، اس کے ذکر وفکر اور صحبت اہل اللہ کا فیض وبرکت اور اس کا ثمر سمجھتے ہیں۔

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کا سلوک تو حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ نے طے کرایا تھا، لیکن حضرت موصوف آخری دو سال تک بستر علالت پر رہے، ان کے وصال کے بعد حافظ صاحب کو حضرت ڈاکٹر صاحب کے دو خلفاء حضرت سلیم صاحب اور حضرت حکیم محمد رفیق صاحب کی طرف سے دوسروں کی تربیت کی اجازت دی گئی، ہمارے حضرت پیر مولانا عبدالحی صاحب مدظلہ کی طرف سے بھی حافظ صاحب کو خلافت دی گئی۔ موصوف کے ہاں حیدرآباد میں ہفتہ میں دوبار ذکر ومراقبہ کا حلقہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ملفوظات کی زیر نظر تلخیص میں راہ سلوک کے طالبوں، علمائے کرام، دینی ومذہبی جماعتوں سے متعلق افراد اور ہر دردمند مسلمان کے لئے علمی وعملی رہنمائی کا بہت سا سامان موجود ہے، حافظ صاحب نے ہزاروں ملفوظات کو ہضم کرکے، ان سے دوچار سو ملفوظات منتخب کرکے دس جلدوں پر مشتمل اس کتاب کی روح ہمارے سامنے لاکر رکھدی ہے، جس سے زندگی بھر کے معاملات میں ہم بہتر اور متوازن اسلامی فکر سے بہرہ یاب ہوسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کتاب سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور حافظ بھٹو صاحب کو اس بات کی مزید استعداد عطا فرمائے کہ وہ ہمیں اس طرح کی دیگر اہم کتابوں کی جدید آسان زبان میں تلخیص سے بہرہ ور فرمائیں۔ (آمین)

مقدمہ

زیر نظر کتاب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ملفوظات کی دس جلدوں کی کتاب ''الافاضاۃ الیومیہ'' کی نئی تلخیص پر مشتمل ہے اس سے پہلے ۱۹۹۲ء میں اس کی ایک مختصر تلخیص ''ہمارے نفسی واجتماعی مسائل حکیم الامت کی نظر میں'' کے عنوان سے چھپ چکی ہے، لیکن یہ تلخیص جامع نوعیت کی ہے، ہم نے جدید ذہن کے حامل قارئین کی سہولت کے پیش نظر مولانا کی زبان کو آسان سے آسان تر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، تاکہ جدید فرد، زبان کی دشواری کی وجہ سے مولانا کے علوم اور ان کی حکیمانہ رہنمائی سے محروم نہ رہ سکے۔

حکیم الامت کی ملفوظات کی مذکورہ کتاب کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے روحانی، اخلاقی، معاشرتی اور سماجی زندگی سے متعلق مسائل اور ان میں رہنمائی کے سلسلہ میں ایسے بصیرت افروز نکات شامل ہیں کہ زندہ دل فرد ان نکات کو پڑھکر عش عش کر اٹھتا ہے اور دل ازخود گواہی دینے لگتا ہے کہ جدید انسان کو اسلامی نقطہ نگاہ سے جس بہتر اور مؤثر رہنمائی کی ضرورت تھی، اللہ نے مجدد امت کے ذریعہ جدید انسان کی اس ضرورت کو باحسن طریق پورا کر دیا ہے۔ مولانا تھانویؒ کی تعلیمات میں اصلاح نفس اور راہ سلوک کے مسائل سے لے کر انفرادی واجتماعی زندگی کے مسائل اور معاشی ومعاشرتی اور خاندانی امور اور آپس کے تعلقات کی گتھیاں سلجھانے جیسے سارے معاملات میں جو متوازن رہنمائی موجود ہے، وہ جدید انسان کو متوازن فکر ومتوازن کردار کا حامل بنانے میں مؤثر ترین رہنمائی ہے۔

ہماری مذہبی زندگی کا صحیح نقشہ کیا ہو؟ ہمارے روحانی سلسلوں سے وابستہ بزرگوں کا طریقہ کار کیا ہو؟ راہ سلوک کے طالبوں کو دوران سلوک درپیش مسائل میں ان کا زاویہ نگاہ کیا ہو؟ دینی مدارس کے اصول وضوابط اور مدارس کی تعمیرات، چندے اور طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لئے نظام کیا ہو؟ ایک مسلمان کی حیثیت سے

روزمرہ زندگی کے معاملات سے عہدہ برآ ہونے کا سلیقہ کیا ہو؟ سماجی اور دینی کارکنوں کی سوچ اور ان کا کردار کیا ہو؟ دین کا دعوتی کام کرنے والوں کا طریقہ دعوت وحکمت عملی کیا ہو؟ دینی مذہبی اور روحانی افراد کی، مالداروں سے تعلقات کی نوعیت کیا ہو؟ دنیا سے استفادہ، کے سلسلہ میں بندہ مومن کا راہ عمل کیا ہو؟ بزرگی کے نام پر ہونے والی خرابیوں کی موجودگی میں صحیح بزرگوں کی پہچان کی علامتیں کیا ہیں؟ سیاسی ومعاشی اعتبار سے مسلمانوں کی پستی سے بلندی کی صورت کیا ہے؟ غرض کہ اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں، جن میں حکیم الامت نے اپنی تجدیدی صلاحیتوں کی بنا پر ہمارے لئے بہترین رہنمائی فرمائی ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں جو تبحر اور مجتہدانہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھی، اس دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ قرآن وحدیث، تصوف وفقہ، علم کلام، اور انسانی نفسیات کے حوالے سے ان کی کتابوں کا سلف کے بزرگوں سے موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خود ملت کی تاریخ میں ان سارے علوم پر اتنے تبحر علمی کی حامل شخصیتیں بہت کم پیدا ہوئی ہیں۔ ان علوم پر مولانا تھانویؒ کا علمی کام امام غزالی کے کام سے بھی کچھ بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ افسوس ہے کہ ملت کی اتنی عظیم شخصیت کی تحقیق، ان کے معارف اور ان کی علمی رہنمائی سے مختلف جماعتی وگروہی حجابات اور فروعی اختلافات یا غلط فہمی کی وجہ سے ہم استفادہ کرنے میں ناکام ہیں۔

مروجہ تصوف میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھی، مولانا تھانویؒ نے تصوف کو ان خرابیوں سے پاک صاف کرکے صحیح تصوف کے بنیادی خطوط اور اہداف متعین کئے، زائد اور غیرضروری چیزوں کو تصوف سے نکال کر، اس کی حقیقت کو سمجھنے والوں اور اس راہ پر چلنے والوں کے لئے راستہ بہت آسان کر دیا ہے۔

اس سلسلہ میں زیر نظر تلخیص میں تصوف کے نام پر ہونے والے کاروبار اور توجہ، تصرف اور اوراد کے ذریعہ تسخیر کی صلاحیت پیدا کرنے جیسی چیزوں پر مولانا کی سخت تنقید بھی شامل ہے۔ اصل میں جدید دور کے افراد کے لئے تصوف کے قابل

قبول نہ ہونے کا ایک اہم سبب تصوف کی یہ چیزیں بھی ہیں، جس کا بزرگی کے نام پر معاشرہ میں چلن ہے اور اچھے خاصے مشہور بزرگوں کے ہاں یہ چیزیں تصوف کے لوازمات میں شامل ہوگئی ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا کی تنقید تو آپ کتاب میں دیکھیں گے، تاہم ہم یہاں اس ضمن میں اپنی طرف سے کچھ توضیح یا اپنے تجربات ومشاہدات کے حوالے سے مختصرا کچھ گفتگو کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ہماری نظر میں تصوف میں بزرگوں میں توجہ دینے کے کچھ طریقے رائج رہے ہیں، جس سے طالب کے دل میں ذکر وفکر کے لئے ذوق وشوق کی فضا پیدا کی جاتی رہی ہے، لیکن توجہ وتصرف کے وہ طریقے، جس سے فرد وافراد کے جذبات وکیفیات کو اپنی طرف مائل کرکے، ان سے مال بٹورا جائے اور وقتی طور پر انہیں ہپنا ٹائیز کیا جائے، یہ خالص نفسیاتی نوعیت کے طریقے ہیں۔ ان کا حقیقی بزرگی سے کوئی تعلق نہیں۔ نظروں کو ایک خاص نکتہ پر مرکوز کرتے رہنے کے نتیجہ میں بھی نظروں میں چمک پیدا ہوجاتی ہے، نظروں کی اس چمک سے دوسروں کو اپنی طرف کھینچنے اور اپنا تابع بنانے کی کاوش ہوتی ہے۔ بعض وظیفوں میں یہ خاصیت موجود ہے کہ ان کا مسلسل عامل رہنے یا سال بھر میں ان وظیفوں کا چلہ کاٹنے سے یہ صلاحیت پیدا ہونے لگتی ہے کہ لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ اور لطیفہ نفس پر محنت کرنے سے دوسروں کے لطیفہ نفس میں تہلکہ اور ہیجان برپا کرنے کا طریقہ بھی مروج رہا ہے، لیکن حقیقی بزرگوں کے ہاں توجہ کے ان طریقوں کو سخت معیوب سمجھا جاتا رہا ہے، جب کہ دولت، جاہ اور شہرت رکھنے والے نام نہاد درویش ان طریقوں کو اختیار کرکے، اپنے مریدوں میں اضافہ کرنے اور ان سے مال بٹورنے کی روش پر گامزن رہے ہیں۔ یہ روش اس دور میں بہت زیادہ ہوگئی ہے، جو تصوف کے نام پر کاروبار کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

بزرگوں کے ہاں توجہ کا عام طریقہ صحبت کا رہا ہے، ان کی صحبت میں آنے یا ان سے رابطہ رکھنے کے نتیجہ میں طالبوں کی ایمانی وروحانی کیفیات میں اضافہ کے

ساتھ ساتھ جذبات عشق میں تیزی ہوتی رہتی ہے یا بزرگوں کے ہاں زیادہ سے زیادہ طالبوں کی موجودگی یا عدم موجودگی میں ان کی حالت پر توجہ کرکے، دل کی گہرائیوں سے دعا کی جاتی ہے اور اس چاہت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ راہ محبت میں استقامت اور ذوق شوق سے چلتے رہیں، اسے فیض نظر بھی جاتا ہے، جس سے طالبوں کی راہ عشق کا سفر آسان ہوجاتا ہے۔

جب کہ مروجہ بزرگی میں نظروں کو خیرہ کرنے، دوسروں کے دلوں کو قابو کرنے، طالبوں کے دل پر انگلی رکھ کر انہیں گرانے یا مدہوش کرنے کے جو طریقے رائج ہیں، وہ سب خالص نفسانی نوعیت کے حربے ہیں، جس کے نتیجہ کے طور پر محبوب ایسے افراد کو حب جاہ وحب مال یا دعوئی کی پر گامزن کرنے کی سزا دیتا ہے۔

مغرب میں پچھلے دوسوسال سے انسان کی لاشعوری قوتوں کو بیدار کرکے، ان میں تہلکہ برپا کرنے کے لئے مادی نوعیت کی مشقوں پر کام ہورہا ہے۔ اس سے ہپناٹزم، مسمیریزم، اور فرائڈ کے تحلیل نفسی کے علوم نے کافی شہرت حاصل کی ہے۔

اہل تصوف کی طرف سے پیری مریدی کے کاروبار کو بڑھانے اور مالدار سے مالدار تر بننے کے لئے اس طرح کے حربوں کو اختیار کرنا اور نفسانی نوعیت کی مشقوں میں توانائی صرف کرنا یا اس مقصد کے لئے بعض وظائف کو اختیار کرنا، یہ بزرگی ہرگز نہیں، بلکہ یہ خالص دنیا داری ہے۔ پھر یہ عبدیت کی راہ بھی نہیں، بلکہ مخلوق کو اپنے سامنے جھکانے اور خالق کے اختیارات میں دخل دینے کی راہ ہے، جو محبوب حقیقی کو سخت ناپسندیدہ ہے۔ مولانا تھانویؒ کی ملفوظات کی زیر نظر کتاب میں توجہ وتصرف کی ان خرابیوں کی پوری طرح نشاندہی کی گئی ہے۔

اسلامی علوم اور جدید علوم سے بہرہ ور ایک فاضل شخصیت نے آج سے تیس سال پہلے کہا تھا کہ جدید تعلیم یافتہ افراد کو اسلام پر مطمئن کرنے، اسلام کے اخلاقی وروحانی نظام کے بارے میں ان کے لاحق شکوک وشبہات دور کرنے اور نئے دور کے علوم کی اسلامی علوم سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے سلسلہ میں اس دور میں مولانا تھانویؒ کی کتابیں فیصلہ کن کردار ادا کریں گی اور جدید علوم وفنون کے زیر اثر پروان چڑھنے والی نسلوں کی متوازن اسلامی رہنمائی اور اسلامی روحانیت کی طرف واپسی

مولانا تھانوی کی تحریروں کے ذریعہ ہی ہوگی۔ لیکن ان کی تحریروں کو نئے اسلوب اور جدید علمی زبان میں مدون کرنا پڑے گا۔ اگر یہ کام بڑے پیانہ پر ہوا اور بعض باصلاحیت اسلامی دانشور اس مقصد کے لئے وقف ہوئے تو ہم مولانا تھانوی کی فکر کے ذریعہ نئی نسلوں میں اسلامی تحرک برپا کرنے اور انہیں متوازن ذہن وفکر کا حامل بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ضرورت تھی کہ مولانا تھانویؒ کے حلقہ سے وابستہ علمی شخصیتیں اس طرف توجہ دیتی۔ اگرچہ اس سلسلہ میں کام ہوا ہے، تاہم وہ کام تسلی بخش نہیں، زیر نظر کتاب اس سلسلہ کی کڑی ہے۔ اس سے پہلے ہم مولانا تھانوی کی ملفوظات کی متعدد کتابوں کی تلخیص ''خزینہ شریعت ومعرفت'' کے نام سے کر چکے ہیں، جو چار سوصفحات سے زائد ہے۔

کتاب کے حوالے سے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ہماری خواہش تھی کہ مولانا کی ملفوظات سے ایسی کتاب تیار ہو، جو ایک تو زیادہ ضخیم نہ ہو، تاکہ موجودہ مصروفیت کے دور میں مطالعہ کا معمولی ذوق رکھنے والے فرد کے ہاتھوں تک کتاب پہنچائی جاسکے، دوم یہ کہ کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہو، سوم یہ کہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی رہنمائی کے لئے کتاب میں نکات موجود ہوں، زیر نظر تلخیص میں کوشش کرکے ان بیشتر نکات کو سمیٹا گیا ہے، اس کوشش میں ہمیں اگر کسی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے تو وہ محض اللہ کا فضل اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

مولانا کی ''الافاضاۃ الیومیہ'' کتاب کے بارے میں راقم الحروف اپنے مشاہدہ کی بنا پر یہ بات کہتا ہے کہ میں نے اس کتاب کا کئی بار مطالعہ کیا ہے، اس بار بار کے مطالعہ سے میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ گویا میرے دل ودماغ روشن ہونے لگے ہیں اور اپنی باطنی بیماریوں کا شعور و ادراک تیز تر ہوگیا ہے، ایمان ویقین کی کیفیت بہتر سے بہتر تر ہونے لگی ہے۔ دنیا سے بے نیازی اور آخرت کے استحضار کی کیفیت مستحکم ہونے لگی ہے۔ معاملات کو سلجھانے کے گر ہاتھ لگے ہیں اور فراست کے اجزاء حاصل ہونے لگے ہیں۔

زیر نظر کتاب کو جو فرد بھی دل کی گہرائیوں اور پورے استحضار سے متعدد بار

پڑھے گا، ان شاء اللہ اس پر اس عاجز کے بیان کردہ یہ نکات کسی نہ کسی حد تک ضرور مشاہد ہوں گے۔ کتاب کی اس اہمیت کے پیش نظر قارئین سے استدعا ہے کہ وہ کتاب کو دعوتی نقطہ نگاہ سے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچانے اور پھیلانے میں تعاون فرمائیں، تاکہ فساد زدہ ماحول میں اصلاح کی طلب اور تڑپ پیدا ہونے کی صورت پیدا ہوسکے، بالخصوص دینی مدارس کے ذمہ دار صاحبان اگر اپنے مدارس کے آخری سالوں کے طلبہ تک اس کتاب کو پہنچانے میں کردار ادا فرمائیں تو ہم ان کے ممنوں ہوں گے۔

ہم نے ''الافاضاۃ الیومیہ'' کی جس اشاعت سے زیر نظر تلخیص کی ہے، وہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی طرف سے ۱۹۸۸ء کا شائع شدہ نسخہ ہے۔

اس تلخیص میں بعض مقامات پر ہم نے ملفوظ کی توضیح کی ضرورت محسوس کی ہے، جو ہم نے بریکٹ میں کردی ہے۔

کتاب کی تلخیص کا کام شروع کرتے ہوئے ہمارا اندازہ تھا کہ دو سو صفحات کے اندر اندر ہر اہم موضوع پر اہم ملفوظات شامل ہوجائیں گے، لیکن جب کمپوزنگ کا مرحلہ شروع ہوا تو معلوم ہوا کہ کتاب کی مکمل تلخیص کے لئے کم از کم چار سو صفحات مطلوب ہیں۔ چنانچہ اس ضخامت کی وجہ سے ہمیں ابتدائی دو جلدوں کی مکمل تلخیص کے بعد باقی جلدوں سے چند اہم ملفوظات لینے پر اکتفا کرنا پڑی، اللہ نے چاہا تو باقی مواد، ان شاء اللہ دوسری جلد کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔

مولانا تھانویؒ جیسی ہمہ جہتی علمی شخصیت کی کتاب کی تلخیص و تسہیل کا کام یقیناً از حد ذمہ داری کا متقاضی ہے، چونکہ جدید دور کے افراد کے لئے اس کی غیر معمولی ضرورت تھی، اس لئے ہم نے اپنی عدم استعداد کے باوجود اللہ کی توکل پر کام ہاتھ میں لیا ہے، الحمدللہ، دل مطمئن ہے کہ اللہ نے کام کی بہتر سبیل پیدا کردی اور مولانا کے ملفوظات کے مفہوم اور ان کی روح کو بڑی حد تک جدید اسلوب میں پیش کرنے کی اللہ نے توفیق عطا فرما دی۔

۱۵ اپریل ۲۰۱۴ء

محمد موسیٰ بھٹو

مسائل ومعاملات میں حکیمانہ رہنمائی

طالب کا کام دوڑتے رہنا ہے

فرمایا، اگرچہ دنیا میں راہ حق پر چلنے کے راستے بند معلوم ہوتے ہوں، لیکن طالب کو یوسف علیہ السلام کی طرح بغیر ظاہری اسباب پر نظر کئے دوڑنا چاہئے اس کے لئے ضرورت ہے، ایسے رہبر کی، جسکے محقق اور شفیق ہونے پر اعتماد ہو، آجکل میں کھانسی کی دوا کھارہا ہوں، یہ اجزاء کتابوں میں موجود ہیں، مگر بغیر اہل فن کے بتائے ہوئے اور تجویز کئے ہوئے اطمینان نہیں ہوتا۔ اب جو اہل فن سے تجویز کراکر استعمال کررہا ہوں، اطمینان ہے، اسلئے کہ اسکے نقصان اور مضرت کا وہ ذمہ دار ہے اور محقق ہونے کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ اسکی بات سے اطمینان اور قلب کو قرار حاصل ہوجائے اور جو شخص غیر محقق اور غیر مبصر ہوتا ہے، اسکی بات سے اطمینان نہیں ہوتا، اگرچہ وہ بڑی بڑی باتیں ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ (صفحہ ۳۶ جلد اول)

غم سے سلوک کا جلد طے ہونا

ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ میرے تکدر کی عمر بہت کم ہوتی ہے، تھوڑی دیر میں کمزور ہوجاتا ہے اور تھوڑی سی معذرت کے بعد بالکل ہی فنا ہوجاتا ہے۔ فرمایا کہ اسی خط میں طالب نے لکھا ہے کہ مجھے بڑا رنج ہے، بڑا حزن ہے۔ میں نے جواب میں لکھا ہے کہ حزن ہی تو کام چلتا ہے، حزن سے سلوک کے مراتب جس قدر جلد طے ہوتے ہیں، مجاہدہ سے اسقدر جلد طے نہیں ہوتے، یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ (صفحہ ۳۷ جلد اول)

ادب اور اس کی نوعیت وحقیقت

ایک خط کے سلسلہ میں فرمایا کہ بعض افراد میں فہم کا قحط ہوتا ہے، ان کی تقریر اور تحریر سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے، اگرچہ ان کی نیت ادب ہی کی ہو، بات یہ ہے کہ آجکل ادب نام رہ گیا ہے، تعظیم کا، حالانکہ اصل ادب نام ہے، راحت کے اہتمام کا اور دوسرے کو تکلیف سے بچانے کا، یہ سب رسموں کی خرابیاں ہیں، ہمارے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنی تعظیم کیلئے اٹھنے سے سختی سے منع فرماتے تھے، اس حالت میں یہ ہی ادب تھا کہ نہ اٹھا جائے۔ (صفحہ ۳۸)

صحابہ کرام کی اجتہادی خطا

(۱۷) فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر یاد آیا کہ ایک شخص نے ایک کم علم مگر ذہین مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جو جنگ ہوئی، اسمیں حضرت معاویہؓ کے اس عمل کا درجہ کیا ہے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھائی، حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطاء ہے، اسلئے وہ خفیف بات ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہی ہمارے بزرگوں کا عقیدہ ہے۔ یہ سنکر وہ شخص کہتا ہے کہ جو شخصیت بڑی ہوتی ہے، اس کی خطا بھی بڑی ہوتی ہے، اسلئے اس خطاء پر بھی شدید سزا ہونی چاہیے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ ارے، یہ کیا تھوڑی سزا ہے کہ ایک صحابی پر ہم نالائق یہ حکم کریں کہ انہوں نے خطاء کی، ورنہ ہمارا کیا منہ تھا، ہم گندے، ناپاک اور وہ صحابی، فرمایا، واقعی عجیب وغریب جواب ہے۔ (صفحہ ۳۹ جلد اول)

ان ہی مولوی صاحب کا دوسرا واقعہ جس سے انکی حالت حُبِ رسول کا پتہ چلتا ہے، جیسا پہلا واقعہ حب صحابہ پر دلیل ہے، یہ ہے کہ حضور ﷺ کی کوشش کے باوجود ابو طالب ایمان نہیں لائے، اگر حق تعالیٰ ابو طالب کے بجائے مجھے دوزخ میں بھیجدیں اور ابوطالب کو جنت میں تو میں راضی ہوں، کیونکہ میرے نبی کی تو آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی، یہ ان کی حالت ہے، جنکا شمار بڑے لوگوں میں نہیں، مگر بزرگوں کی صحبت ومحبت کا اثر ہے، یہ لوگ خشک ہیں، انہیں کو وہابی کہتے ہیں۔ (صفحہ ۳۹)

غیر مسلموں کو قبولیت اسلام سے پہلے ذکر کی تلقین کرنا مضر ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک ہندو میرے پاس آتا ہے، اسکو تصوف کی باتوں سے بیحد دلچسپی ہے، اس سے اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں، وہ سنکر بیحد خوش ہوتا ہے، اب یہانتک نوبت آگئی ہے کہ اس نے مجھے کہا ہے کہ کچھ پڑھنے کو بتاؤ، میں نے اس خیال سے کہ اچھا ہے اسکو اسلام سے اور قرب ومحبت ہوگی، ذکر کی تعلیم کی، اب وہ بیحد معتقد ہوگیا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے آپ نے جو ذکر بتایا ہے، اس سے دل بہت مطمئن ہوتا ہے، آج تک اپنی کسی مذہبی چیز کے پڑھنے سے یہ بات پیدا نہیں ہوئی تھی، اب وہ اسلام کی بہت تعریف کرتا ہے، حضرت والا نے ان کی یہ

ساری گفتگو سنکر فرمایا، یہ طریقہ مضر ہے، صوفی ہونے کی اول اور اعظم شرط اسلام ہے، جب تک یہ نہ ہو، بیکار ہے اس صورت میں اسے ذکر بتانے سے اسلام سے قرب پیدا نہ ہوگا، بلکہ بُعد ہوگا اور یہ باریک بات ہے، جسے سمجھنے کی ضرورت ہے، لو سنو، ایک شخص ہندو جو ایک بزرگ سے بیعت تھا، انکی وفات کے بعد وہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت مولانا کے ایک معتقد مولوی صاحب کا سفارشی پرچہ لیکر بغرض تجدید بیعت حاضر ہوا اور حضرت مولانا سے درخواست کی کہ مجھے بیعت فرمالیں، مولانا نے جواب میں صاف فرمادیا کہ پہلے اسلام قبول کرو، اس کے بعد بیعت کروں گا، وہ مسلمان نہیں ہوا اور واپس چلا گیا۔

اسپر بعض حاضرین نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ اگر حضرت بیعت فرمالیتے تو اسلام سے اس شخص کو کچھ قرب ہی ہوجاتا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ نہیں، تم اسکو نہیں سمجھ سکتے، اس سے اس کو اسلام سے زیادہ بُعد ہوجاتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ذکر وشغل سے قلب میں جو یکسوئی پیدا ہوتی ہے، اس سے بعض اوقات کشف وغیرہ ہونے لگتا ہے، جو کوئی کمال مقصود نہیں، مگر اس سے وہ ذاکر غلطی سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وصول الی اللہ کے لئے اسلام بھی شرط نہیں، حالانکہ اللہ سے نسبت کے لئے ان چیزوں کو کوئی تعلق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے دوسرے لوگوں کے عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہے، بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تصوف کے لئے اسلام شرط نہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ ان بزرگ نے اس ہندو کو کیوں مرید کیا تھا، بات یہ ہے کہ جن بزرگ سے وہ مرید ہوا تھا، وہ مجذوب تھے، ان لوگوں کی حالت ایسی ہوتی ہے، اگر نظر ہوگئی تو چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی چیزوں پر ہوجاتی ہے۔ اور نہ ہو تو بڑی سے بڑی بات پر نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ جذب کی وجہ سے ان حضرات پر استغراقی کیفیت غالب رہتی ہے، اسلئے انکا فعل حجت نہیں۔ فرمایا کہ حضرت مولانا نے کیسی عجیب وغریب تحقیق بیان فرمائی، واقعی یہ حضرات حکیم ہوتے ہیں، یہ ہے محققانہ شان، انکی نظر حقیقت پر پہونچتی ہے۔ (صفحہ ۴۲۔۴۳)

وزیر ریاست کی دینی حمیت
ان کے کچھ ایمان افروز واقعات

فرمایا، جمال الدین پر یاد آیا، ریاست بھوپال میں منشی جمال الدین صاحب

وزیر ریاست تھے، اِسوقت تو وزارت کا منصب برائے نام ہی رہ گیا ہے، اس زمانہ میں وزیر ہی سلطنت کا مالک ہوتا تھا اور ان سے رئیسہ نے نکاح بھی کرلیا تھا، اسکی وجہ سے ان کا اعزاز اور بڑھ گیا تھا، وہ منشی جمال الدین کے نام سے مشہور تھے، مگر عالم تھے اور یہ منشی کا لقب بھی اسوقت معمولی نہ تھا، غرضکہ انکا بہت بڑا اثر اور اعزاز تھا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ مسجد میں لوگوں نے انکو نماز پڑھانے کیلئے مصلے پر کھڑا کردیا، دنیا کی ممتاز حیثیت کے باوجود ان میں حق پرستی غالب تھی اور جن رئیسہ سے نکاح ہوا تھا، ریاست کے انتظام کی وجہ سے وہ پردہ نہ کرتی تھیں، یہ جس وقت مصلے پر پہونچ چکے، اتفاق سے ایک مسافر ولایتی مولوی صاحب بھی وہاں پر موجود تھے، انہوں نے انکا ہاتھ پکڑ کر، ان کو مصلے پر سے کھینچ لیا کہ تمہاری بی بی پردہ نہیں کرتی، تمہیں نماز پڑھانے کا حق نہیں، کوئی اور نماز پڑھائیگا، اب وزیر صاحب کی وجہ سے کسی کو مصلے پر آنے کی ہمت نہیں تھی، بالخصوص ایسے گڑبڑ کے وقت، جبکہ وزیر صاحب کی ناگواری کا اندیشہ تھا، جب کوئی آگے نہ بڑھا تو وہ مولوی صاحب ولایتی خود مصلے پر پہونچے اور اللہ اکبر کہکر نماز کی نیت باندھ لی۔ وزیر صاحب بیچارے خاموش رہے اور باجماعت نماز پڑھ کر سیدھے مسجد سے اس رئیسہ کے پاس پہونچے، اسوقت وہ رئیسہ اجلاس میں تھی، برسراجلاس سب کے سامنے اس رئیسہ کو مخاطب کرکے، وزیر صاحب نے کہا کہ تمہارے پردہ نہ کرنیکی وجہ سے یہ واقعہ ہوا ہے یا تو تم اسوقت وعدہ کرو کہ میں پردہ کروں گی، اگر وعدہ نہیں کرتی، تو تمہیں تین طلاق ہیں، حق پرستی کا کیا ٹھکانہ تھا، اللہ اکبر کہ برسراجلاس صاف بات کہدی، اور ذرا جھجک نہ ہوئی، اس رئیسہ نے اسی وقت سے پردہ شروع کردیا بات یہ ہے کہ گو وہ رئیسہ تھی، مگر تھی قدردان اور پھر آخر بیوی ہی تھی۔

انہیں وزیر صاحب کا ایک دوسرا واقعہ ہے تعظیم دین کا، ایک مرتبہ انکے یہاں کوئی تقریب تھی، اسمیں بڑے بڑے لوگ مدعو تھے، اہل محفل کے لئے کھانا رکھا جارہا تھا کہ ایک بھنگی آیا، آکر عرض کیا کہ میاں، مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ وزیر صاحب نے سب کام چھوڑ چھاڑ کر اسے مسلمان کیا۔ اور خدمتگار کو حکم دیا کہ اسکو حمام میں لیجاکر غسل کراؤ اور ہمارے جوڑوں میں سے ایک جوڑہ پہنا کرلاؤ، سارے حاضرین حیرت زدہ ہوئے، خدمتگار نے غسل دلاکر جوڑہ پہنا کر حاضر کردیا۔ حکم دیا کہ انہیں

دسترخوان پر بٹھاؤ۔ دسترخوان پر بڑے بڑے لوگ موجود تھے، یہ دیکھکر لوگوں کے تیور بدل گئے، منشی صاحب نے فرمایا کہ آپ صاحبان پریشان نہ ہوں، آپکے ساتھ اسکو نہ کھلاؤنگا، اسکے ساتھ میں کھاؤنگا، یہ اسقدر پاک صاف ہے کہ اسوقت ساری مجلس میں کوئی ایسا پاک صاف نہیں، یہ ابھی مسلمان ہوا ہے، اسکے سارے گناہ معاف ہوچکے ہیں۔ اسکے ساتھ کھانیکی سعادت میں نے اپنے لئے تجویز کی ہے، آپ حضرات کی قسمت ایسی کہاں کہ ایسے شخص کے ساتھ کھاکر برکت اور شرف حاصل ہو، تم گھبراؤ مت، میں اسکے ساتھ کھاؤنگا، غرضکہ اس نومسلم کے ساتھ اسی وقت بیٹھکر کھانا کھالیا، کسقدر بے نفسی اور حق پرستی کی بات ہے۔ (صفحہ ۴۴۔۴۵)

پیر کے نام کا وظیفہ

فرمایا، بعض مرید ایک پیر صاحب کے نام کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کا نام ہے یا وارث، میں نے کہا، ہاں خدا کا ایک ہی تو نام ہے اور تم اس نیت سے ہی پڑھتے ہو۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حیدرآباد سے ایک پیر آئے تھے، فلاں مقام پر، جب حلقہ کرتے تھے تو اسمیں یا بھیک یا بھیک کے نعرے لگاتے تھے، تبسم فرماکر بطور مزاح حضرت والا نے فرمایا کہ لابھیک لابھیک ہی کا نعرہ کیوں نہ لگایا، مقصود بھی حاصل ہوتا اور جائز بھی ہوجاتا، یعنی کچھ مل بھی جاتا، فرمایا، لوگ شرکیات میں مبتلا ہیں، اسکا سبب جہل ہے۔ (صفحہ ۴۸)

مسلمانوں کے زوال میں نظم اور اصولوں کے فقدان کا کردار

فرمایا، ہمارے بھائیوں میں اتباع کا مادہ نہیں، اگر دین کامل بھی نہ ہو تو یہ مادہ تو ہو کہ کسی کا اتباع کریں، یہی وجہ ہے کہ یہ برباد ہیں اور ایک سبب یہ ہے کہ ان میں نظم اور اصول کی پابندی نہیں ہے، اگر یہ کام کریں اور ان میں انتظامی مادہ بھی موجود ہو تو ادھر تو انتظام ادھر دین، پھر تو اللہ کی کھلی نصرت ہے۔ صحابہ کے زمانہ میں قیصر اور کسریٰ کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کیا جمعیت تھی، مگر وہ اہل دین تھے اور منظم تھے، اگر دین کے ساتھ انتظام صحیح ہو تو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ باقی غیر منظم صورت میں اپنے کو پھنسانا ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ (صفحہ ۵۰)

حوصلہ اور ہمت کا، کامل کی صحبت سے پیدا ہونا

فرمایا، فرد اگر ہمت سے کام لے تو کوئی کام بھی مشکل نہیں اور یہ ہمت پیدا ہوتی ہے، کسی کامل کی صحبت میں رہنے سے اور رہنے سے یہ مراد نہیں کہ بال بچوں کو چھوڑ کر ملازمت سے دستبردار ہوکر، زراعت بند کرکے اسکے پاس رہے بلکہ اگر وقت ملے تو اسکے پاس کبھی کبھار جاتا بھی رہے اور خط وکتابت سے ہمیشہ اپنے حالات کی اطلاع کرتا رہے اور وہ جو کچھ تعلیم کرے، اسپر کاربند رہے، پھر انشاء اللہ تعالیٰ ہمت پیدا ہوجائیگی، بغیر صحبت کامل اور بغیر اس سے تعلق پیدا کئے کام بننا مشکل ہے اگرچہ غیر ممکن نہیں، مگر شاذ ونادر ضرور ہے مولانا فرماتے ہیں۔

قال رابگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

(قال سے آگے بڑھکر مرد حال بن جاؤ کامل مرد کے سامنے پامال ہوجاؤ)۔

بغیر جوتیاں سیدھی کئے ہوئے کامیابی آسان نہیں، آخر لوگ طبیب کے پاس جاکر علاج کیوں کراتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ مرض سے نجات اور تندرستی بغیر طبیب کے پاس جائے، حاصل نہیں ہوسکتی تو وہ امراض جسمانی کا معالج ہے اور یہ امراض روحانی کا معالج، مگر ایک کی ضرورت میں تو کسی کو کلام نہیں اور دوسرے کی ضرورت میں تامل ہے۔ (صفحہ ۵۳)

نفس کے ساتھ آخر وقت تک حالت جنگ کا جاری رہنا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نفس کو بھی لطائف میں سے شمار کیا گیا ہے، اگرچہ نفس شر کا داعی ہے اور اس کا داعیہ ریاضت ومجاہدہ سے دبا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض سالکین کو دھوکا ہوجاتا ہے کہ مجاہدہ کے بعد اگر وہ اپنے اندر طبعی کمزوریوں کا اثر پاتے ہیں تو اس سے وہ ذکر وفکر کے اپنے مجاہدوں کے بیکار ہونیکا گمان کر بیٹھتے ہیں اور اسکا اکثر نتیجہ مایوسی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور مایوسی سے تعطل پیدا ہوجاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اخلاق ذمیمہ زائل ہوجائیں یا بالکل ہی فنا ہوجائیں تو پھر آخر درجات اور ثواب کس چیز پر مرتب ہو۔ ہاں اگر نفس اسقدر مغلوب ہوجائے کہ اس کے تقاضے کی مخالفت کی قوت راسخ ہوجائے تو گویا مقصود حاصل ہے، اگر کبھی کبھار نفس شرارت بھی کرے تو اسپر غلبہ کی سعی میں لگا رہنا چاہئے، پس طالب کی تو یہ حالت ہونی چاہئے۔

اندریں رہ می تراش می خراش، تادم آخر دمے فارغ مباش،

(یعنی راہ سلوک میں تراش وخراش بہت ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک ایک منٹ کے لئے بھی بے فکر مت ہو۔) (صفحہ ۵۴)

گناہوں کا ظلمت کا پیدا ہونا

فرمایا، لوگ گناہوں پر بہت دلیر ہوتے جاتے ہیں، اسکی نحوست سے سارے روحانی امراض پیدا ہوتے ہیں، قلب سے نورانیت جاتی رہتی ہے اور ظلمت بڑھ جاتی ہے تو گناہوں میں بڑی ہی ظلمت اور تاریکی ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اور آثار کے اعتبار سے بھی، حدیثوں میں اسکی تائید موجود ہے، جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص گناہ کرتا ہے، اسکے قلب پر ایک سیاہ دھبہ پیدا ہوجاتا ہے، اگر بندہ خلوص سے توبہ کرلیتا ہے تو حق تعالیٰ قلب سے اس دھبہ کو صاف فرمادیتے ہیں۔ اگر توبہ نہیں کرتا اور اُس گناہ کو پھر کرتا ہے اور اسپر اصرار کرتا ہے تو وہ دھبہ پھیلنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ سارے قلب پر چھاجاتا ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ. (صفحہ ۵۴)

اعمال کو غیر اہم سمجھنے کی بیماری

فرمایا، کسی فن کا مدون کرنا مقصود نہیں، مقصود تو اسکے اصولوں پر کام کرنا ہے، وہ فن کام ہی کیلئے مدون کیا جاتا ہے، مگر آجکل تحقیقات کو خود مقصود بالذات بنا رکھا ہے، ان ہی تحقیقات کی تکمیل کیلئے احکام کی حکمتیں تلاش کی جاتی ہیں، بعض افراد کی تو ساری عمر ان چیزوں میں صرف ہوجاتی ہے اور شریعت کے ایک حکم پر بھی عمل کرنے کی نوبت نہیں آتی، حالانکہ اصل مقصود کام ہے، یعنی نفس کی اصلاح اور اعمال کی خبرگیری، مگر مقصود کو چھوڑ کر غیر مقصود کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ محققین کا مذہب تو یہ ہے کہ غرض آم کھانے سے ہے، نہ کہ پیڑ گننے سے، اسکی ایسی مثال ہے دیکھئے سکہ ہمارے کام کا ہے، مگر یہ بات کہ اسکا مادہ کیا ہے اور کس کارخانہ میں بنتا ہے، اگر یہ نہ بھی معلوم ہو، تب بھی اس سے وہی کام نکلیں گے، جو معلوم ہونے پر نکل سکتے تھے، پس عمل کا اہتمام نہ کرنا، بڑی کوتاہی ہے اور عمل کو مہتم بالشان سمجھنے کے بعد ایک کوتاہی اور ہے، جسمیں عوام تو کیا، خواص بھی مبتلا ہیں کہ دلوں میں واجب

اعمال کی وہ عظمت اور وقعت موجود نہیں، جو غیر واجب کی ہے مثلاً (حقوق العباد وغیرہ کی فکر نہیں اور) نوافل وظائف وغیرہ کی کثرت کو اللہ کے قرب کا زیادہ ذریعہ سمجھتے ہیں اور جو اصل مقصود تھا، اس کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ کتنا بڑا ظلم ہے اور واجب اعمال کے حقیر سمجھنے کا سبب ان اعمال کا عام ہونا ہے کہ وہ تو سب کرتے ہیں۔ اسمیں خصوصیت ہی کیا ہوئی، لیکن اگر یہی سبب حقارت ہے تو روپیہ بھی تو سب کے پاس ہے تو عام ہونے کی وجہ سے ان کو بھی حقیر سمجھنا چاہئے۔ اور جیب سے نکال کر پھینکدینا چاہئے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ اس عام ہونے کے سبب دوسروں سے زیادہ اس کی طلب ہوتی ہے اور ہوا سب سے زیادہ ہے، عام اور ستا ہونا اگر اسکی دلیل ہے کہ وہ حقیر اور ذلیل ہوتی ہے تو اسکو بھی حقیر اور ذلیل سمجھئے، ناک اور منہ بند کرلیجئے، حقیقت معلوم ہوجائیگی اور کیا نعوذباللہ انبیاء علیہم السلام ایسے کاموں کے اہتمام کے لئے مبعوث فرما تھے، جنکو تم حقیر اور فضول سمجھتے ہو، ان فاسد عقائد سے توبہ کرنا چاہئے، پس اصل چیز اور اصل مقصود واجب اعمال ہیں اور عام ہونا ہی ان کی افضلیت کی دلیل ہے۔ (صفحہ ۵۵ جلد اول)

مروجہ درویشی کی علامتیں اور اس کی خرابیاں

فرمایا، آجکل بزرگ اسکو سمجھتے ہیں کہ اسکے کپڑے گیرو ہوں۔ ناف تک ہوں۔ چوغہ گٹھوں تک ہو، بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں ہو، بس درویش ہیں، شاہ صاحب ہیں، ولی کامل ہیں، کیا خرافات ہے، غالباً ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل درویشی دو پیسہ میں ملتی ہے، ایک پیسہ کا گیرو خرید لیا، کپڑے رنگ لئے، ایک پیسہ کی تسبیح خرید لی، درویش ہوگئے، ہمارے بزرگوں کے طریق کو تو ظاہر بین افراد مولویت سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ انہیں درویشی سے کیا تعلق، ایسے لوگوں میں جسقدر بھی خلاف شریعت باتیں ہوں، انہیں زیادہ کامل سمجھا جاتا ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

کار شیطان میکنی نامت ولی گر ولی این ست لعنت بر ولی

(شیطانی کام کرتے ہو اور تمہارا نام ولی ہے۔ اگر ولی یہی ہے تو ولی پر لعنت۔)

(صفحہ ۵۶)

تصوف کی حقیقت

فرمایا، اس راستہ میں دشواری اس وقت تک ہے، جب تک اسکی حقیقت سے بے خبری ہے، حقیقت معلوم ہوجانے کے بعد پھر اس سے زیادہ سہل اور آسان کوئی چیز نظر نہیں آتی، لوگوں نے فن معلوم نہ ہونیکی وجہ سے اسکو ہوا بنا رکھا ہے اور تصوف کو اس بری طرح پیش کیا ہے کہ لوگوں کو اس سے رغبت کے بجائے وحشت ہوگئی ہے، حالانکہ تصوف صرف ایک مسئلہ پر ختم ہے، ایک عمل اختیاری ہے، دوسرا غیر اختیاری، اختیاری عمل کو لے لو، غیر اختیاری عمل کے درپے نہ ہو۔ بس یہ ایک چھوٹی اور مختصر سی بات ہے۔ چھوٹے اور مختصر ہونے پر ایک لطیفہ یاد آیا، ایک پیر صاحب تھے، انکا مقولہ ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا، انہوں نے میرا نام لیکر کہا کہ فی الحقیقت انہوں نے تصوف کو جسقدر سہل کرکے پیش کیا ہے، آج تک اسکی نظیر نہیں، مگر بات یہ ہے کہ تعبیر کرنا بھی سہل، حقیقت سمجھنا بھی سہل، مگر عمل مشکل ہے۔ میں جواب میں کہا کرتا ہوں کہ تم حق تعالیٰ کے احکام میں جو عذر پیش کرتے ہو، اگر یہی عذر نوکر یا غلام تمہارے کاموں میں کرے تو بتاؤ، کیا تم اسکو معذور سمجھوگے، اگر یہی مواخذہ، حق تعالیٰ نے فرمایا اور باز پرس کی تو جواب کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ (صفحہ ۵۶)

بازارِ آخرت میں کیفیات کی کوئی اہمیت نہیں

فرمایا، آجکل لوگ کیفیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، جو غیر مقصود ہیں، اگرچہ یہ کیفیاتِ غیر مقصودہ لذیذ ہوتی ہیں، جیسے مرچ ہے کہ غذا میں غیر مقصود ہے، مگر لذیذ ہے اور اب تو لوگ ان کیفیات کو مقصود سمجھکر، گویا نری مرچوں ہی کا سالن کھاتے ہیں، کیا حاصل ہوتا ہوگا، نری آگ ہی آگ ہے۔ ایسے ہی علوم غیر مقصودہ میں، جیسے چکنے چپڑے مضامین ہوتے ہیں، وہ علوم مقصودہ میں نہیں ہوتے، اسکی بالکل ایسی مثال ہے، دیکھئے اگر روپیہ کا سکہ خوبصورت نہ ہو تو پھر بھی چونسٹھ پیسے ہی ملیں گے اور یہ شیشہ کا ٹکڑا گو بہت چمکدار اور خوبصورت معلوم ہوتا ہے، مگر بازار میں نہ چلیگا، اسی طرح بازارِ آخرت میں کیفیات یا لذات جو حقیقت کے اعتبار سے گویا شیشہ یا رانگہ کا ٹکڑا ہے، نہیں چلیں گے اور اعمال جن کی حقیقت سکہ ہے، یہ چلیں گے، ایک اور مثال سے سمجھ لیجئے، ایک شخص ہے، اُس نے چمن لگایا، اسمیں قسم قسم کے پھول لگائے، انہیں سینچا، ایک بڑا خوبصورت اور گلزار چمن بن گیا اور ایک

شخص ہے، اس نے دو بیگہ زمین لیکر اسمیں گیہوں بوئے، اب دیکھنے میں چمن بہت خوشنما ہے، گلزار ہے اور گیہوں کا کھیت اسکے سامنے خوشنمائی کے اعتبار سے کوئی حقیقت نہیں رکھتا، مگر جس وقت ثمرہ کا وقت آئیگا یا کاٹنے کا تو اس چمن کی حقیقت گیہوں کے سامنے اس سے زیادہ نہ ہوگی، جیسے ایک شخص چوڑیوں کی گٹھری لگائے جارہا تھا، ایک گنوار نے اسمیں لاٹھی کا سرا مارکر پوچھا کہ ابے، اسمیں کیا ہے، اس بیچارے نے کہا کہ چودہری! ایک دفعہ اور مار دو پھر کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح اس گیہوں کے کھیت کے سامنے یہ چمن کچھ بھی نہ ہوگا، اسوقت معلوم ہوگا کہ اسکے سامنے یہ پھول خار ہیں اور یہ چمن اُجاڑ ہے غرضکہ اس چمن کی کچھ بھی حقیقت نہ ہوگی، سب وہی ہے جو میں نے عرض کیا مقصود اور غیر مقصود ہونے کا تفاوت، تو انسان کو مقصود کے کاموں میں لگنا چاہئے اور غیر مقصود کے درپے نہ ہونا چاہئے اسی طرح اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو سمجھ لیا جائے کہ اختیاری کاموں کو کیا جائے اور غیر اختیاری چیزوں کے درپے نہ ہوا جائے پھر دیکھنا اس طریق میں کیسی سہولت معلوم ہونے لگتی ہے، کام کی باتوں میں عمر کا حصہ صرف کرو، فضول اور بیکار باتوں میں کیوں اپنی عمر کو برباد کرتے ہو۔ (صفحہ ۶۱)

فرمایا، عارفین نے تو عبادت کی لذت کے قصد سے بھی پناہ مانگی ہے۔ اگر ساری عمر گذر جائے، انہیں کوئی لذت حاصل نہ ہو، وہ اسپر بھی راضی ہوتے ہیں، ایک بزرگ پہاڑ میں رہتے تھے، ایک اور بزرگ ان سے ملنے گئے، دیکھا کہ دعا میں مشغول ہیں، یہ اسوقت نہیں ملے، اس خیال سے کہ مشغول مع اللہ تھے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مشغول مع اللہ کو بلاضرورت اپنی طرف مشغول کرنے سے حق تعالیٰ کی ناخوشی کا اندیشہ ہے، بلاضرورت کی قید میں نے اس میں توسیع کردی ہے، اگر ضرورت ہو تو وہ مستثنیٰ ہے، خیر، وہ بزرگ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ الٰہی تفویض کی لذت سے بھی پناہ مانگتا ہوں، بعض لوگ تفویض اسلئے اختیار کرتے ہیں کہ اسمیں راحت ہے، جو ایسا کرتے ہیں، انہوں نے تفویض کا حق ادا نہیں کیا۔ تفویض اس نیت سے ہونا چاہئے کہ یہ حق تعالیٰ کا حق ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر تفویض شکر کی نیت سے کیجائے، فرمایا کہ یہ باتیں (ان پر عمل) کرنے سے سمجھ میں آتی ہیں، بتانے سے سمجھ میں نہیں آتیں۔ (صفحہ ۶۲)

موت کے وقت لاحق ہونے والے خطرات

فرمایا، موت کے وقت تو قلب میں خطرات آسکتے ہیں، مگر مضر صرف وہی خطرات ہیں، جو اپنے ارادہ واختیار سے کئے ہوں اور جو بلاقصد اور بلااختیار ہوں، وہ نقصاندہ نہیں، یہ خطرات کی تفصیل ہے، باقی اس وقت جو چیز زیادہ خطرناک ہے، وہ حب دنیا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جب انہماک ہوتا ہے اور اسکی محبت ہوتی ہے تو اسکے چھوٹنے کے وقت جو موت کا ہوتا ہے، اس بات کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے کہ دنیا چھڑوانے والے سے عداوت نہ پیدا ہوجائے، جو کفر ہے، اس سے بچنے کا بہترین علاج یہ ہے کہ فرد نفس کو مغلوب کرتا رہے اور دل سے دنیا کی محبت کو نکالنے کی کوشش کرتا رہے، پھر انشاء اللہ تعالیٰ کوئی مضرت کا اندیشہ نہ ہوگا، ویسے مسلمان اعتقادی طور پر تو آخرت ہی کو اہم سمجھتا ہے، مگر اس اعتقاد کو غالب اور مستحکم کرنا چاہئے اور یہ بہت کم ہوتا ہے کہ موت کے وقت ایمان سلب ہوتا ہو، جنکا سلب ہوتا ہے، وہ پہلے ہی سے ہو چکتا ہے، اسوقت اس کا ظہور ہوجاتا ہے، ہر مسلمان کو اسوقت کی فکر ہونی چاہئے، بالخصوص اپنے قلب کو دنیا کی محبت سے بالکل خالی رکھنا چاہئے۔ (صفحہ ۷۱)

نفس کے مکر وفریب سے بچنے کی صورت

فرمایا، نفس بھی عجیب چیز ہے، وہ خواہشات کو کبھی کبھار اتباع سنت کے رنگ میں دکھاتا ہے، اسکا یہ ایسا لطیف مکر ہوتا ہے کہ خواہشات کو سمجھتا ہے کہ میں اتباع سنت میں مشغول ہوں، صاحبو، یہ بات تو آسان ہے کہ فرد کہے کہ میں مومن ہوں، مگر سنت کا دعویٰ بڑا مشکل ہے، اس وقت ان دونوں میں فرق کرنا محقق اور عارف ہی کا کام ہے، اس کے لئے ضرورت ہے، اپنے مربی کو اپنے حالات کی اطلاع دیتے رہنے کی، وہ اپنے تجربات وبصیرت کی بناء پر طالب کی رہبری کریگا اور اسے سخت سے سخت گھاٹیوں سے لیکر گذر جائیگا۔ (صفحہ ۷۲)

اپنے اعمال اور دعا کی قبولیت کے انتظار میں رہنے کا مزاج

فرمایا، آجکل لوگوں کی عجیب حالت ہے، ذرا کوئی نیک کام کیا، الہام اور وحی کے منتظر ہوجاتے ہیں کہ شاید کوئی آواز آسمان سے آئے گی یا اپنی کسی حاجت

دنیاوی کے واسطے دعا کرتے ہیں، اب منتظر ہیں کہ قبولیت کی کوئی بشارت آئیگی، کیا خبط ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کیلئے بددعا کی تھی اور اسپر اجبت دعوتکما بھی فرمادیا گیا تھا، مگر موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی اس قبولیت کا ظہور چالیس برس بعد ہوا تھا۔ بڑی دلیری کی بات ہے کہ ادھر دعا کی اور ادھر جلدی قبولیت کا انتظار۔ یہ بات تو انبیاء علیہم السلام کیلئے بھی نہیں ہوئی، جنکی شان یہ تھی کہ مستجاب الدعوات تھے، اس دلیری پر یاد آیا ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آئے اور عرض کیا کہ ایسا وظیفہ بتادیجئے کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوجائے، حضرت نے فرمایا کہ آپ کا بڑا حوصلہ ہے، ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضہ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہوجائے، اللہ اکبر، کسقدر شکستگی وتواضع کا غلبہ تھا۔ (صفحہ۷۳)

طالبوں کی ظلمت سے گھبرانے کی بات

فرمایا، آجکل بعض شیوخ، طالبوں سے اسلئے گھبراتے ہیں کہ انکی ظلمت سے انکا نور مکدر ہوجاتا ہے۔ الحمدللہ، ہمارے حضرات ایک ایسی آگ لئے پھرتے ہیں کہ اسکے سامنے کتنے ہی بڑے لکڑ آجائیں، وہ نہیں بجھتی، بلکہ وہی سب اس سے جلجاتے ہیں، الحمدللہ، ہمارے حضرات کسی سے متاثر نہیں ہوتے اور حضرت، وہ نور ہی کیا، جو ظلمتوں سے مغلوب ہوجائے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں، نور تو وہ چیز ہے کہ ظلمت کو صرف مغلوب ہی نہیں، بلکہ مسلوب کردیتا ہے۔ (صفحہ۷۶)

اپنی تعریف سن کر خوش ہونے کے وقت کی تدبیر

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، اگر کوئی شخص منہ پر تعریف کرتا ہے تو نفس اسقدر خوش ہوتا ہے کہ پھولا نہیں سماتا، اسکا کیا علاج ہے۔ فرمایا کہ اسوقت اپنے عیبوں کو یاد کرکے اس خوشی کو دبا دیا جائے، یہ ایک قسم کا مجاہدہ ہے، چند روز مشکل ہوگا، مگر پھر انشاء اللہ تعالیٰ سہل ہوجائیگا، نفس کی ان خرابیوں کے بارے میں بہت سخت علاج ہیں اور بڑے بڑے مجاہدے ہیں، اب تو اللہ کا شکر ہے کہ آسان نسخوں سے علاج ہوجاتا ہے۔ تھوڑی سی ہمت ضرور کرنا پڑتی ہے، باقی اگر کوئی کچھ کرنا ہی نہ چاہے، تو اسکا کوئی علاج نہیں۔ (صفحہ۷۵)

نفسانی اور روحانی کیفیات میں فرق

فرمایا، ایک صاحب مجھے کہنے لگے کہ ذکر میں مزا نہیں آتا، میں نے کہا کہ مزا تو مذی میں ہے، یہاں کہاں مزا ڈھونڈتے پھرتے ہو، فرمایا کہ کوئی مزے کا طالب ہے تو کوئی کیفیات کا طالب، اگر اللہ کے ساتھ تعلق ہو تو اس بے مزگی میں بھی ایک خوش مزگی ہوتی ہے۔ لوگ جن کیفیتوں کے طالب ہیں، وہ نفسانی کیفیات ہیں، جب کہ اصل اور مطلوب روحانی کیفیات ہیں، ان روحانی اور نفسانی کیفیات میں فرق کرنا بڑا ہی مشکل ہے، نفسانیت کے درپے ہونیکی ضرورت نہیں، ان کیفیات اور جوش وخروش کی کچھ عمر نہیں، ان کے فرو ہونے کے بعد پھر روحانی کیفیت بڑھتی ہے، جو دائمی ہوتی ہے، ان میں ضعف نہیں ہوتا، وہ بالکل ایسی ہوتی ہے، جیسے مولانا فرماتے ہیں۔

خود قوی تر می شود خمر کہن — خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

(پرانی شراب (نشہ لانے میں) زیادہ قوی ہوتی ہے۔ خاص کر وہ شراب جو (معرفت) حق کی شراب ہو۔)

دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔

ہر چند پیر وخستہ وبس ناتواں شدم — ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

(اگرچہ میں بوڑھا خستہ وناتوان ہوگیا ہوں (مگر اے محبوب حقیقی) جب تیرے چہرہ کو دیکھتا ہوں (یعنی آپکی طرف توجہ خاص ہوتی ہے) تو جوان ہوجاتا ہوں۔) کام میں لگنا چاہئے (یعنی ذکر وفکر کرتے رہنا چاہئے۔ مرتب) یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ کیفیات بھی ہیں یا نہیں، حظوظ اور لذائذ بھی ہیں یا نہیں اور نہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کچھ ہوا یا نہیں، اسکو ایک مثال سے سمجھ لیجئے گا۔ جیسے رات کو آٹا پیسنے والی آٹا پیستی ہے، مگر اس پیسنے والی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آٹا چکی سے گر رہا ہے یا نہیں اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ آٹا کسقدر جمع ہوگیا ہے، وہ آٹا پیسنے میں ہی لگی رہتی ہے، صبح کو جب دیکھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام چکی کے گرد آٹا جمع ہے، اگر وہ رات بھر یہ کرتی کہ چکی کا ایک چکر گھمالیا اور ٹٹولکر دیکھ لیا تو بس پس چکا آٹا، اس طرح تو پاؤ بھر بھی آٹا نہیں پیس سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے اپنے آپ کو جس مربی کے سپرد کیا ہے، اسپر اعتماد اور واعتقاد کئے بغیر کام نہیں چل سکتا، جب

جاننے والا یہ کہہ رہا ہے کہ کام ہورہا ہے بس اطمینان کرنا چاہئے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید　　خیرہ یوسف وارے باید دوید

(اگر بظاہر دنیا میں کوئی راستہ ظاہر نہیں ہے۔ مگر بہ حالت حیرانی یوسف علیہ السلام کی طرح بھاگنا چاہئے (تو راستہ خود بخود کھلتا اور ملتا چلا جائے گا) (صفحہ ۷۹)

بلاوجہ دل دکھانے کے اثرات

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی روک ٹوک کی برکت سے طالب کو بیحد نفع ہوتا ہے، یہاں سے جو لوگ ناکارہ اور نااہل سمجھکر عدم مناسبت کی بنا پر نکال دیئے جاتے ہیں، وہ دوسری جگہ کے اچھوں سے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ آپ نے تو اس روک ٹوک اور محاسبہ کی قدر فرمائی اور ایک شخص نے اس روک ٹوک ہی کی بناء پر وطن پہنچ کر لکھا تھا کہ تم نے میری بڑی اہانت کی، میں نے علم کا ادب کیا، ورنہ انتقام لیتا، پھر کچھ دنوں کے بعد اس شخص کا خط آیا کہ مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی، میں نے اس قسم کا مضمون لکھا تھا، جس وقت سے حضرت والا کو وہ مضمون لکھا ہے، اسوقت سے برابر میری بینائی میں کمی ہوتی جارہی ہے اور اب قریب ختم ہونے کے ہے اور میں اس کو اسی تحریر کا وبال سمجھتا ہوں، میں نے جواب میں لکھا ہے کہ یہ تمکو وہم ہوگیا ہے، مگر تمہارے خیال کی بنا، پر میں دل سے معاف کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمائیں۔ حضرت، کسی کو بلاوجہ ستانا یا دل دکھانا، نہایت خطرناک بات ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے راخدا رسوانکرد　　تادل صاحب دلے نامد بدرد،

چوں خداخواہد کہ پردہ کس درد　　ملیش اندر طعنۂ، پاکاں برد

(کسی قوم کو خدا نے اسوقت تک رسوا نہیں کیا، جب تک صاحب دل کا دل نہیں دکھا، جب حق تعالیٰ کسی کی پردہ دری فرماتے ہیں تو اسکا میلان پاک لوگوں کو طعن وتشنیع کرنے کی طرف ہوجاتا ہے۔) (صفحہ ۷۹۔۸۰)

اصلاح تو اصلاح کے طریقہ سے ہی ہوگی

فرمایا، جس طریقے سے میں اصلاح کرنا چاہتا ہوں، وہی طریقہ نافع ہے، شرعا بھی، عقلا بھی، لوگ اس سے گھبراتے ہیں، اسکی بالکل ایسی مثال ہے کہ ناسور ہو

اور اس پر اوپر سے ٹانکے لگا کر مرہم لگادیا جائے تو کیا ناسور کا مادہ رک جائیگا، ہرگز نہیں، بلکہ وہ کسی اور طرف کو نکلنا شروع ہوجائیگا، اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقے سے ہوتی ہے، مگر لوگ اب چاہتے ہیں کہ جو ہم چاہیں، وہ ہو، دوسرے کا چاہانہ ہو اور یہ خودرائی اور خودبینی ہے، اب بتائیے، ایسے لوگوں کی اصلاح کس طرح ہوسکتی ہے، ہر کام اصول سے ہوسکتا ہے، بے اصول طریقے سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ (صفحہ ۸۰)

کافر، کافر کی رٹ لگانے کی روش

فرمایا، ایک بار حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں اہل باطل کی تکفیر کا ذکر تھا، اس روز نہایت جوش میں شان رحیمی کا ظہور ہورہا تھا، یہاں تک فرمایا، کیا کافر کافر لئے پھرتے ہو، قیامت میں دیکھوگے کہ ایسوں کی مغفرت ہوگی، جنہیں تم دنیا میں کافر قطعی کہتے ہو اور واقع میں وہ کافر نہ ہونگے، مگر نہایت ہی ضعیف الایمان ہونگے۔ پھر فرمایا، لیکن اگر ڈرانے دھمکانے کیلئے شرعی انتظام کے لئے کسی وقت کافر کہدیا جائے، اسکا مضائقہ نہیں، اسمیں انتظامی شان کا ظہور ہوگیا۔ (صفحہ ۸۱)

بزرگوں کی باتوں کی تاویل کی تفصیل

فرمایا، راہ سلوک میں سب سے زیادہ جو چیز مضر ہے، وہ معلم پر اعتراض ہے، اسکا ہمیشہ خیال رکھنا ضروری ہے، میں اس وجہ سے متنبہ کررہا ہوں کہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ غیر معلم کی سمجھ میں نہیں آتی اور طالب اس پر اعتراض کر بیٹھتا ہے، سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بزرگوں سے ظاہرا کوئی امر شریعت کے خلاف صادر ہوجائے تو ایک آدھ بات میں تو مناسب تاویل کی جائے گی، اگر تاویل سمجھ میں نہ آئے تو یہ سمجھ لیا جائے کہ ممکن ہے کہ اسکی حقیقت ہماری سمجھ میں نہ آئی ہو اور اگر اس سے کثرت کیساتھ ایسی باتیں صادر ہونے لگیں تو پھر یہ نہیں کہ ہر بات میں تاویل کی جائیگی۔ یہ ایسا ہے، جیسے حسین آدمی کے چہرہ پر ایک تل ہو، جسکو خال سے تعبیر کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ دو ہوں تو عیب نہیں، مگر یہ بھی نہیں کہ تمام چہرہ تلوں ہی سے بھر جائے، اگر ایسا ہے تو پھر تو سارا حسن خاک میں ملجائیگا۔ (صفحہ ۸۲)

شاہ اسماعیل شہید اور حضرت سید صاحب کی گفتگو

فرمایا، ایک مرتبہ مولانا شاہ اسماعیل شہید صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ میں

ایک مسئلہ پر طویل گفتگو ہوئی، بالآخر مولانا شاہ اسماعیل شہید صاحبؒ نے معافی چاہی اور عرض کیا کہ مجھے آپ کی بات بلاچوں وچرامان لینا چاہئے تھی، اسپر سید صاحب نے فرمایا کہ توبہ کرو، یہ تو نبی کا مرتبہ ہے کہ اسکی بات کو بلاچوں چرا مانا جائے اور یہ بھی شرک فی النبوت ہے، مولانا شہید فرماتے ہیں کہ آپ کے اس ارشاد سے شرک فی النبوۃ کے متعلق علم کا ایک عظیم باب کھلا۔ (صفحہ۸۲)

طبعی کمزوری کے بعض عجیب واقعات

فرمایا، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک صاحب کے مشورہ لینے پر زمین وقف کرنے سے منع فرمایا تھا، بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیک کام سے روک دیا، مگر آپ نے بڑی ہی حکیمانہ بات فرمائی کہ وقف کرکے کورے رہجاؤ گے اور اس کے بعد جو پریشانی ہوگی، نہ معلوم، اسکو برداشت کرسکوگے یانہیں۔ واقعی ہم کمزور ہیں، بظاہر ہمیں اسباب کی بھی ضرورت ہے کہ کچھ ہمارے پاس ہو، ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ، نفس پریشان رکھتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھائیگا، اسلئے اگر سارا رزق اکٹھا ملجائے تو کوٹھڑی میں بند کرکے رکھدوں اور جب نفس کہے کہ کہاں سے کھائیگا تو اس سے کہدوں کہ کوٹھڑی میں ہے، یہ خاص قسم کا ضعف قوت کمال کے خلاف نہیں، یہ طبعی ضعف ہے، فرمایا، اس طبعی ضعف پر یاد آیا، ایک بادشاہ اور ایک بزرگ میں کسی مسئلہ پر گفتگو ہوئی، دوران گفتگو میں تیزی آگئی، بادشاہ برہم ہوا اور آواز دی کہ کوئی ہے، ادھر ان بزرگ نے آواز دی کہ کوئی ہے تو مکان کے ایک گوشہ سے نہایت زبردست شیر ببر برآمد ہوا اور لپکا، چونکہ بادشاہ اور بزرگ دونوں ایک ہی سمت میں بیٹھے تھے، بادشاہ سے پہلے یہ بزرگ بھاگے، حالانکہ وہ ان ہی کی کرامت کا ظہور تھا تو یہ باتیں طبعی ہوتی ہیں، یہ کمال کے خلاف نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کیسے قوی القلب تھے، مگر قرآن پاک میں قصہ موجود ہے یعنی جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے عصاء زمین پر ڈالا اور وہ اژدہا بن گیا، خود موسیٰ علیہ السلام اس سے ڈر کر بھاگے۔ یہ طبعی خوف تھا۔ (صفحہ۸۳)

کرامت اور تصرف کا درجہ ذکر سے بھی کم ہونا

کرامت کا درجہ اس ذکر لسانی سے بھی جو بلاحضور قلب ہو، کم ہے اور پھر اس سے بھی کم درجہ تصرف کا ہے، حضرت، اصل چیز تو اطاعت ہے، تصرف میں کیا رکھا

ہے اور اس زمانہ میں تو لوگوں نے خلط کر رکھا ہے، تصرف کو بھی کرامت سمجھتے ہیں۔ ان چیزوں کے پیچھے پڑنا وقت کو بیکار کھونا ہے، فرد کو اپنا وقت ضروری کاموں میں صرف کرنا چاہئے، حضرات انبیاء علیہم السلام کا اتباع ہونا چاہئے، اس کا مدار اتباع نبویؐ ہے، جسکو حق تعالیٰ اسکی توفیق عطا فرمائیں، بڑی نعمت ہے، آجکل تصرف کو قبولیت کی علامت قرار دیا گیا ہے، جو سخت غلطی ہے، غیر مقصود چیزوں کو مقصود بنا رکھا ہے، بالکل دھوکہ ہے، صحیح راستہ تو یہ ہے کہ حضورﷺ کی ہر سنت پر چلنا نصیب ہوجائے، یہی بڑی دولت ہے اور یہی سب کچھ ہے، اسکے سامنے اور چیزوں کی تمنا کرنے کی ضرورت نہیں اور چیزوں میں رکھا ہی کیا ہے۔ خود حضورﷺ بھی تصرف نہ فرماتے تھے، صرف اتنا ثابت ہے کہ کبھی ایک شخص کے سینہ پر ہاتھ مار دیا، کبھی بدن پر ہاتھ پھیر دیا، بس ایسے واقعات گاہ گاہ ثابت ہیں، جو کسی خاص حالت کی وجہ سے ہوتا تھا، حضورﷺ کا غالب معمول نہ تھا، سو اول تو اسکا تصرف ہونا ثابت نہیں، اسی لئے محدثین ان واقعات کو معجزات میں لاتے ہیں، دوسرے حضورﷺ، صاحب وحی تھے، اگر تصرف ہی ہو تو اذن سے ہوتا تھا، دوسروں کو یہ بات نصیب نہیں۔ (صفحہ۸۴)

عاشق کی، محبوب کے لئے تشنگی جنت میں ہی دور ہوگی

فرمایا، عاشق ہمیشہ نامراد ہی رہتا ہے، کیونکہ وہ قرب کے جس درجہ تک پہونچتا ہے، اس سے آگے کا طالب ہوتا ہے، جو اسے اسوقت حاصل نہیں، وھکذا، غرض عاشق جنت سے ادھر نامراد ہی رہتا ہے، مگر وہ نامرادی ہی اسکی کامیابی ہے۔

گرمرادت راندا ق شکرست　　　　بیمرادی نے مراد دلبرست

(اگرچہ تیری خواہش کیسی ہی شیریں اور عمدہ ہے۔ مگر ہر وقت اپنے آپ کو بے مراد سمجھ کر ترقی کا طالب رہنا کیا یہ بے مرادی محبوب کی خواہش نہیں ہے۔)

اور بعض افراد نے تو یہاں تک غلو کیا ہے کہ انہوں نے یہ حکم لگا دیا ہے کہ جنت میں بھی یہی نامرادی اور بے چینی ہوگی، مگر یہ محض غلط ہے، وہاں بندہ مومن کو بالکل سکوں حاصل ہوگا، اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ تجلیات نہ ختم ہونے والی ہیں وراء الوراء ثم وراء الوراء تو ہر تجلی پر اسکی طلب بڑھتی رہے گی اور چونکہ وہ لامتناہی ہیں تو اس آگے کے انتظار میں بے چینی ہوگی، لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے، اسلئے کہ جتنی طلب ہوگی، چونکہ وہاں اسکی استعداد بھی ہوگی، اسلئے وہ پہلی بار ہی عطا فرمادی جائیگی

اور اس سے آگے جو عطا ہوگی، وہ بلا طلب عطا ہوگی، اس لئے اسکا انتظار ہی نہ ہوگا، خلاصہ یہ کہ یہاں طلب زیادہ ہے، استعداد کم، اسلئے عطا میں دیر ہوتی ہے، وہاں استعداد سے زیادہ طلب ہی نہ ہوگی، اسلئے نہ انتظار ہوگا، نہ بے چینی۔ غرض کہ جنت میں بے چینی نہ ہوگی۔ (صفحہ ۸۵ جلد اول)

دارالعلوم دیوبند ۔ حالات کا موازنہ

فرمایا، جس زمانہ میں میں مدرسہ دیوبند میں پڑھا کرتا تھا، اسوقت کے حالات وواقعات یاد آتے ہیں تو قلب کی عجیب کیفیت ہوتی ہے، اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہمیشہ ایسا ہی زمانہ رہیگا، اسوقت وہاں بڑے بڑے اہل کمال کا اجتماع تھا اور قریب قریب سب کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو مٹائے ہوئے اور فنا کئے ہوئے تھے، جب کبھی اتفاق سے ان حضرات کا اجتماع ہوجاتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ہر بزرگ دوسرے کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے، بڑا ہی خیر کا مجمع تھا، یہی حالت آپسمیں طلباء کی بھی اور اساتذہ کے سامنے تو بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور ایک یہ زمانہ ہے کہ اُسوقت سے کوئی مناسبت ہی نہیں، چہ نسبت خاک رابعالم پاک اسوقت کھلم کھلا نظر آتا تھا کہ مدرسہ پر انوار کی بارش ہورہی ہے اور یہ سب ان حضرات کی مقبولیت کی علامت تھی اور ان حضرات کے تقویٰ وطہارت کے ثمرات تھے، اس وقت مدرسہ کی مقبولیت کا ساری دنیا پر اس قدر جلد جو اثر ہوا، وہ ان حضرات کی برکت ہی تھی۔

مقبولیت پر یاد آیا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے خواب میں دیکھا کہ جنت ہے اور اسمیں ایک طرف چھپر کے مکان بنے ہوئے ہیں، فرماتے تھے کہ میں نے دل میں کہا کہ اے اللہ، یہ کیسی جنت ہے، جس میں چھپر ہیں، جس وقت صبح کو مدرسہ آیا، مدرسہ کے چھپر پر نظر پڑی تو ویسے ہی چھپر تھے، یہ مدرسہ کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا، تب تعبیر سمجھ میں آئی کہ یہ مدرسہ کی مقبولیت دکھائی گئی ہے۔ اس زمانہ میں نہ لمبی چوڑی تعمیر تھی، نہ اساتذہ تزک اور شان سے رہتے تھے، نہ طلباء کا کوئی فیشن تھا، پھٹے ہوئے کپڑے، ٹوٹی ہوئی جوتیاں، یہ انکا ظاہری حال تھا، نہ جدید قسم کے قواعد اور قانون تھے، نہ اتنے ممبر اور محراب تھے، کام جو کچھ ہوا، سب کو معلوم ہے کہ کیسے کیسے باکمال لوگ فارغ ہوکر نکلے اور اب اسوقت سب کچھ ہے، لیکن اس وقت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، وہ جو ایک چیز تھی، جسکو روح کہتے ہیں،

وہ نہیں رہی، باقی علم دوسری جگہوں سے سے اب بھی بہت ہے۔ (صفحہ ۸۷)

تحریکوں میں کام کرنے والوں کی حالت زار

میں بقسم عرض کرتا ہوں اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرکے کہتا ہوں کہ اگر مسلمان استقامت سے ساتھ دین کے پابند ہوجائیں اور آپس کے سارے جھگڑوں کو ختم کرکے متحد ہوجائیں اور اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرلیں اور ایک شخصیت کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر بڑا بنائیں، اسکے کہنے اور مشوروں پر عمل کریں اور اس کی اتباع سے سرمو اعراض نہ کریں تو پھر انکو نہ کسی دوسری قوم کی مدد کی ضرورت ہے، نہ خوف کی ضرورت اور نہ انکا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے، ہر کام طریقہ اور اصول سے ہوتا ہے، معمولی معمولی باتوں پر بھی بغیر اصول پر عمل کئے آدمی ناکام ہی رہتا ہے، یہ اتنا بڑا کام اور اسکا کوئی اصول نہ ہو، سخت حیرت ہے، ہماری تو ہستی اور وجود ہی کیا ہے، صحابۂ کرام، جنکی مقبولیت اور فراست وعقل مسلم ہے اور بڑے بڑے عقلاء اس پر متفق ہیں، انہوں نے بھی ساری عمر یہ کام کئے، مگر اصول اور حدود کو ہاتھوں سے نہیں چھوڑا، انکی کامیابی کا یہی راز ہے، یہ تو ہر شخص کی زبان پر ہے کہ انکو کامیابیاں ہوئیں، انکی نصرت ہوئی، وہ بے سروسامانی کی حالت میں دنیا پر غالب آئے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ انکا طریق کار کیا تھا، ان کا اس جدوجہد سے مقصود کیا تھا، ان کی نیت کیا تھی، ان کے اعمال کیسے تھے، وہ آپسمیں ایک دوسرے کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے تھے، وہ اسلامی احکام پر کسدرجہ عامل تھے، ان کے قلوب میں اسلام اور احکام اسلام کی کس قدر عظمت اور محبت تھی، ثمرات پر تو نظر ہے، ساتھ ساتھ اسباب ثمرات پر بھی تو نظر ہونا چاہئے اور اسپر اپنی حالت کو پرکھنا کرنا چاہئے، اس سے کھوٹے کھرے کا فرق بسہولت معلوم ہوجائیگا اور یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ ہم ان کامیابیوں اور نصرتوں کے مستحق ہیں یا نہیں۔ نرے دعووٴں اور زبانی باتوں سے کام نہیں چلتا، کام تو کام کرنے سے ہوا کرتا ہے۔

میرا معمول ہے کہ مجھے جب کوئی اس قسم کا مشورہ دیتا ہے کہ یہ کرنا چاہئے اور یہ ہونا چاہئے، میں جواب میں ایسا طریقہ بتاتا ہوں کہ ان حضرت کو خود بھی کچھ کام کرنا پڑے اور خود بھی شرکت کا وعدہ کرلیتا ہوں، باوجود میرے وعدہ شرکت کے، کسی کو بھی کام پر آمادہ نہیں دیکھا، بس دوسروں کے بارے میں چاہتے ہیں کہ سارا

کام یہی کریں، ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے، ان لوگوں کی حالت بالکل اسکی مصداق ہے، جیسے دو دوستوں کا ایک ساتھ سفر ہوا، پہلی منزل طے ہونیکے بعد کسی مقام پر قیام کیا، وہاں پر کھانا پکانے کی تجویز ہوئی، ایک بولا کہ بھائی میں تو بازار سے سودا لاتا ہوں، تم جنگل سے لکڑیاں چن لاؤ، دوسرا کہتا ہے کہ دوست تمہیں معلوم ہے کہ میں سفر کی وجہ سے تھکا ماندہ ہوں، مجھ سے یہ کام نہیں ہوسکتا، وہ بیچارا بازار سے سودا بھی لے آیا اور جنگل سے لکڑیاں بھی چن لایا۔ پھر اس نے کہا کہ یہ کام تو ہوگیا، اب تم آگ جلا لو اور میں آٹا گوندھتا ہوں، کہا کہ اتنی ہمت کہاں ہے، بہت کمزور حالت ہے، اس نے، یہ دونوں کام بھی انجام دیئے، پھر اس نے کہا کہ بھائی میں روٹی پکاتا ہوں تم آگ جلاتے رہنا اور روٹی سینکتے رہنا، کہا کہ سفر کی تکان سے ٹانگیں چور ہورہی ہیں اس نے روٹی بھی پکالی، پھر اُس نے کہا کہ بھائی آ کر کھا تو لو، تو کہتا ہے کہ بہت دیر سے دوست کے کہنے کی مخالفت کررہا ہوں، آخر کہاں تک مخالفت کروں، شرم آتی ہے کہ دوست کہے گا کہ کسی بات میں بھی کہنا نہیں مانا، لاؤ، کھا تو لوں، یہی حالت ان مشورہ دینے والوں کی ہے، پکی پکائی چاہتے ہیں کہ مل جائے، ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے، میں پوچھتا ہوں کہ جو سلف کے کارناموں کو پیش کرکے دوسروں کو کام کی ترغیب دیتے ہیں، کیا ان کی یہی حالت تھی، جو تمہاری ہے کہ ہر کام سے خود تو جان بچاتے ہو اور دوسروں کو پھانسنے کی فکر کرتے ہو (یعنی عوام کو پھانس کر لیڈر خود مزہ کرتے ہیں) انکی تو یہ حالت تھی کہ کام تو ہے کیا بلا، ایک سے پہلے، دوسرا اپنی جان دینے کو تیار رہتا تھا۔ (صفحہ ۱۰۷۔ ۱۰۸)

سلطان صلاح الدین کی اسلامی حمیت پر مشتمل کردار

فرمایا، سلطان صلاح الدین نے جس وقت شام کو فتح کیا ہے تو وزراء نے عرض کیا کہ یہ نصرانیوں کا ملک ہے، مفتوحہ ہے، یہاں کے لوگ نہایت سرکش اور سخت ہیں، چونکہ اسلامی اصول نرم ہیں، اسلئے ضرورت ہے کہ اسلامی احکام کے علاوہ اگر کچھ اور قوانین اور قواعد نافذ کردیئے جائیں، (ان پر قابو رکھنے کے لئے) تو زیادہ مناسب ہے، اس پر سلطان صلاح الدین نے جو جواب دیا، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، کہتے ہیں کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے، وہ محض حکومت اور سلطنت کرنے کیلئے کیا ہے؟ میں نے تو محض اللہ کی رضامندی کے

لئے کیا ہے اور میں اسلامی احکام ہی نافذ کرونگا، اس پر چاہے ملک رہے یا ہاتھ سے نکل جائے، میں اسلامی احکام کے علاوہ ایک قانون بھی دوسرا نافذ نہ کروں گا، اس واقعہ سے علماء اور لیڈر سبق حاصل کریں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈالکر دیکھیں۔ ان حضرات کی کامیابی کے یہ راز تھے اور یہاں حالت یہ ہے کہ نہ ابھی ملک پر قبضہ حاصل ہوا ہے، نہ آئندہ ملنے کے بظاہر کوئی اسباب نظر آتے ہیں، مگر شریعت مقدسہ کی قطع وبرید پہلے ہی سے شروع کردی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون. (صفحہ ۱۱۳)

آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ ہونے والا حشر

صاحبو، لوگ سوراج سوراج لئے پھرتے ہیں، اگر خدانخواستہ ملک حاصل ہوگیا تو اس کا حشر وہی ہوگا، جو روس میں کمیونسٹ حکمرانوں یعنی بالشویک کی حالت ظلم اور سرکشی سننے میں آرہی ہے اور یہاں کی جماعت جو کانگریس کے نام سے مشہور ہے، یہ بالشویک خیال کی پارٹی ہے اور یہ سب اسلام کے مقابلہ پر سازش ہے، انگریزوں پر بہت دانت تیز کئے جاتے ہیں اور ہندوستان میں بالشویکیوں کے آنے کی تمنا ظاہر کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کا بھی یہی حشر ہوگا، افسوس تو بعض علماء پر ہے کہ وہ بھی ان باتوں کو نہیں سمجھتے، بحمداللہ اس سلسلہ میں ہمیں کھلی آنکھوں حق وباطل نظر آرہا ہے۔ (صفحہ ۱۲۱)

سادگی اور عجز کی برکات

فرمایا، سادگی بھی عجیب برکت کی چیز ہے، ایسے شخص کو بہت سی پریشانیوں سے نجات حاصل ہوجاتی ہے، تصنع کا اہتمام اپنے ساتھ ہزارہا پریشانیاں لاتا ہے، ایک حکایت یاد آئی۔ ایک بزرگ تھے، نہایت سادہ، انکا خط حد درجہ خراب تھا، اتفاق سے بازار سے گذر رہے تھے کہ کسی دکان پر اُن سے بھی زیادہ بُرے خط کی ایک کتاب نظر سے گذری، بڑی قیمت دیکر اسکو خریدا، اسلئے کہ لوگ دیکھیں گے کہ دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ خراب لکھنے والے لوگ موجود ہیں، گھر پر لیجاکر مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کتاب بھی میری ہی لکھی ہوئی ہے، (ابتدائے عمر کی) فرمایا کہ کیسی سادگی کی بات ہے کہ اسکو بھی ظاہر کر دیا، اگر ظاہر نہ فرماتے تو کسی کو کیا خبر ہوتی، تصنع تو بڑوں میں ہوتا ہی نہیں، دوسرے تو یہی سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی ہو ہم بڑے ہیں اور جبکہ بزرگوں کو اس سلسلہ میں کسی طرح بھی اہانت وبکی محسوس نہیں ہوتی، بلکہ ان کے اس

تواضع کو کمال پر محمول کیا جاتا ہے، چھوٹا بیچارہ یہ سمجھتا ہے اس کے پاس چیزیں ہی کیا ہیں، اگر اسمیں بھی نقص نکل آیا تو رہی سہی بھی جائے گی۔ (صفحہ۱۲۱)

سلف کے مجاہدات اور آج کے مجاہدات کی صورت

فرمایا، سلف میں مشائخ، مریدوں سے بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کراتے تھے، کتابوں میں دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے، اس وقت لوگوں کے قوئی اچھے ہوتے تھے، عمریں بھی بڑی ہوتی تھیں، اب نہ وہ قوئی ہیں اور نہ عمر، جو بات اس زمانہ میں بہت سے مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی تھی، یعنی نفس کی بہیمانہ قوت کا کمزور ہوجانا، وہ آجکل بلا مجاہدات کے حاصل ہے، مگر یہ سنکر کوئی خوش فہم صاحب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ واقع میں مجاہدہ کی ضرورت نہیں، ضرورت ہے مگر اسی درجہ کی، جس درجہ کی قوت بہیمیہ ہے اور بڑا مجاہدہ یہ ہے کہ کسی کامل کے سامنے اپنے کو پامال کردیا جائے۔

مثال سے سمجھ لیجئے، جیسے قلعہ کی دیوار کے نیچے خزانہ مدفون ہے، اگر فرد دیوار نہ گرائے گا تو وہ خزانے سے محروم رہیگا اور اگر دیوار گرادیگا تو اسقدر خزانہ نکلیگا کہ اس سے منہدم شدہ دیوار بھی تیار ہوجائیگی اور ساری عمر کے لئے خرچہ کافی ہوگا۔ ایسا ہی اس تن کو فنا کرنا ہے اور فنا کے بعد طالب کو جو بقاء حاصل ہوگی، وہ ایسی ہوگی، جسکو اس شعر میں فرمایا گیا ہے۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را　　　کہ بیک گل مے خری گلزار را

(صفحہ۱۲۴)

مریدوں کی شکایات کے بارے میں ہمارے بزرگوں کا طرزِ عمل

فرمایا، مشائخ کے یہاں جو مقربین بصیغہ اسم مفعول ہوتے ہیں، ان میں ایک دو ایسے بھی ہوتے ہیں، جو ہر وقت شیخ اور دوسرے متعلقین کو اذیت میں رکھتے ہیں، جھوٹ سچ لگاتے رہتے ہیں، جس سے چاہا، شیخ کو ناراض کر دیا، جس سے چاہا، راضی کر دیا، بحمداللہ ہمارے بزرگ اس سے محفوظ رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ تو کسی کی شکایت سنتے ہی نہ تھے، جہاں کسی نے کسی کی شکایت شروع کی، فوراً منع فرما دیتے تھے کہ خاموش رہو، میں سننا نہیں چاہتا، اسکے بعد کسی کی شکایت کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی۔ اور حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سب سنکر

فرماتے تھے کہ تمنے جو کچھ بیان کیا اور فلاں شخص کی شکایت کی، یہ سب غلط ہے، میں اسے جانتا ہوں، وہ ایسا نہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کا اس بارہ میں کیا معمول تھا، فرمایا کہ ایک صاحب نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ آپ سے لوگ دوسروں کی شکایت بیان کرتے ہیں، آپ پر کوئی اثر ہوتا ہے، فرمایا کہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ دونوں میں رنجش ہے، مگر سب کی سن لیتے تھے۔ (صفحہ۱۲۶)

مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والی عزت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت **وللہ العزة ولرسولہ وللمومنین** سے کہاں کی عزت مراد ہے اور کیا اس کا مفہوم سابقین ہی پر ختم ہوگیا۔ فرمایا کہ عزت تو مسلمان ہی کو حاصل ہے اور وہ عزت آخرت کی ہے، اسلئے کہ یہاں پر تو اس کے خلاف بھی واقع ہوتا رہتا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بارے میں جس عزت کو فرمارہے ہیں، وہ عزت آخرت ہی کی ہے کہ وہاں مسلمانوں کو جس درجہ کی عزت حاصل ہوگی اور کفار کو انتہائی ذلت کا سامنا ہوگا۔ (صفحہ۱۲۷)

درویشی کے نام پر گمراہی کی صورت

فرمایا، پہلے درویش، علم اور اہل علم اور شریعت مقدسہ کا احترام کرتے تھے، اگرچہ بظاہر بعض، حدود سے متجاوز ہوجاتے تھے، مگر اُن کے باطن میں شریعت کا ادب ووقعت وعظمت واحترام موجود ہوتا تھا، اب تو نہ معلوم ان لوگوں پر کیا بلا نازل ہوئی ہے، قطعاً حس نہیں، ان کی حرکات سُن سُن کر افسوس ہوتا ہے، جھوٹے جھوٹے مسائل جھوٹی جھوٹی روایتیں گھڑرکھی ہیں، خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، عوام بھی ایسے ہی مکاروں کے معتقد ہوجاتے ہیں، جتنا جسکو خلاف شریعت دیکھتے ہیں، اتنا ہی اسے کامل سمجھتے ہیں، ان کے یہاں یہ بات بزرگی کے لوازم میں سے ہے کہ وہ خلاف شریعت ہو، نہ نماز ہو، نہ روزہ، چاروں ابرو کا صفایا ہو، لنگوٹا بندھا ہو، وہ درویش ہے، صوفی ہے، کامل ہے، ولی ہے قطب ہے، غوث ہے **لاحول ولا قوة الاباللہ** مولانا ایسوں ہی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

کار شیطان میکنی نامت ولی،　　　گرولی این است لعنت برولی

(تو کام شیطان کے کرتا ہے اور نام تیرا ولی ہے۔ اگر ولی یہی ہے تب (تو)

ولی پر لعنت ہے، (مطلب یہ کہ ایسے کو ولی کہنا ہی عظیم غلطی ہے)۔ (صفحہ ۱۲۸)

بزرگ کو اذیت نہ دینے کا اصول

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ راہ سلوک میں قیل وقال سے کام نہیں چلتا، اگرچہ معلومات کا حاصل ہونا اچھی بات ہے، مگر وہ کیفیات کہاں، جو اس راستہ کو طے کرکے منزل پر پہونچنے سے حاصل ہوتی ہیں، مثلاً ایک شخص تو سفر کرکے بمبئی دیکھکر آیا اور ایک شخص وہاں سے آئے ہوئے شخص سے حالات دریافت کرتا ہے، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسکا صحیح طریقہ یہی ہے کہ وہاں پہونچ جانے کی کوشش کی جائے، جس کے لئے راستہ بتانے والے کی ضرورت ہوگی، مگر جو اس راستے کے بتانے والے ہیں، انکا یہ ادب ضروری ہے کہ انکو اذیت نہ دی جائے، یہ اس طریق میں بڑی ہی مضر چیز ہے، کیونکہ محبت کے دعویداروں سے ذراسی کوتاہی بھی گوارا نہیں ہوتی، یہ ایک فطری چیز ہے، اسکا اثر ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ عقیدت اسقدر مطلوب نہیں، عظمت اس قدر مطلوب نہیں، جسقدر محبت کی ضرورت ہے اور یہی زیادہ مطلوب ہے، اگرچہ عقیدت جو حدود کے درجہ میں ہو، وہ بھی ایک درجہ میں مطلوب ہے، مگر بڑی چیز محبت ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر محبت ہوگی تو طالب ساری چیزوں کو پیش نظر رکھے گا کہ مجھ سے کوئی بات ایسی نہ ہوجائے، جو بزرگ کی تکلیف کا سبب بن جائے اور یہ بہت سہل چیز ہے، جسکو لوگوں نے اس درجہ سخت سمجھ رکھا ہے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ اسکا قصد رکھے، اہتمام رکھے، پھر انشاء اللہ تعالیٰ ایسا کوئی کام نہ ہوگا، جس سے شیخ کو تکلیف پہونچے۔ (صفحہ ۱۳۷)

بزرگوں کا زندہ دل اور مزاح کا حامل ہونا

فرمایا، ہمارے سب بزرگ زندہ دل تھے، آپس میں ایک دوسرے سے مزاح بھی فرماتے تھے اور مروجہ متانت، یہ دراصل دلیل ہے کبر کی اور علامت ہے، روح کے مردہ ہونیکی اور نفس کے زندہ ہونے کی، جب کہ خوش مزاجی دلیل ہے، انکساری کی اور علامت ہے روح کے زندہ ہونے کی اور نفس کے مردہ ہونیکی۔ ایک شخص یہاںپر تھے، وہ ذی علم بھی تھے، مجھ سے ایک بار فرمایا کہ آپ کی فلاں فلاں بات وقار کے خلاف ہے، میں نے کہا، میں پوچھتا ہوں کہ حضور ﷺ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو دوڑے تھے، کیا یہ وقار کے خلاف ہے، اگر نہیں تو آپ

نے کبھی اس سنت پر عمل کیا ہے، اپنی بیوی کے ساتھ دوڑے ہیں اور میں نے بحمداللہ اس سنت پر عمل کیا ہے، فرمایا کہ ایک ضروری بات یاد آئی، حضور کے دوڑنے پر شبہ ہوتا تھا کہ آپ کا مکان اس قدر وسیع کہاں تھا، جسمیں حضور دوڑے، مگر اب مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ سفر کی حالت کا تھا۔ حضور ایک میدان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پردہ کراکر دوڑے تھے، پھر ان صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، چپ رہ گئے، میاں، متانت اور وقار کو لئے پھرتے ہیں۔ (صفحہ ۱۳۶)

کسی کو قائد بنا کر کام شروع کرنے کی ضرورت

ایک مولوی صاحب نے ایک تحریر پیش کرکے حضرت والا سے مشورہ چاہا۔ حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عوام اور خواص سب کسی ایک کے اتباع کرنے پر متحد اور متفق ہوکر کام شروع کریں تو تنظیم ہوسکتی ہے، متفرق طور پر کام کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا، عرض کیا کہ اتباع کرنے والی شخصیت کے لئے کیلئے قرعہ ڈال لیا جائے، فرمایا، اس پر راضی ہوجائیں کہ قرعہ میں جسکا نام آجائیگا، اسکو قائد مان لیں گے، مدار تو مان لینے پر ہے، اسکے بعد تدابیر سب ہوسکتی ہیں۔ عرض کیا، امید ہے کہ مان تو لیں گے، فرمایا کہ جب یہ امید ہے تو آپ ہی اسکی ابتدا فرمائیں اور یہ بھی شریک ہوجائیں گے، قبل اسکے کہ کام شروع ہو، شریک ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ (صفحہ ۱۳۹)

فضول علمی تحقیقات میں وقت کے ضیاع کی روش

فرمایا، آج کل بعض اہل علم بھی فضولیات میں بہت سا وقت ضایع کردیتے ہیں۔ ضروریات سے غفلت ہے، علمی تحقیقات بھی ایسی کرتے ہیں، جس کی ضرورت نہیں، آدمی کو ضروری کاموں میں لگ جانا چاہئے اور سب سے ضروری کام آخرت کی فکر ہے، اگر ساری عمر بھی غیرضروری چیزوں کا پتہ نہ لگے تو وہاں اسکا کوئی مواخذہ نہیں، محاسبہ نہیں، ہاں یہ پوچھا جائیگا کہ کچھ کیا بھی یا نہیں۔ ایسی تحقیقات علماء کا ایک مشغلہ ہے، اس مشغلہ کی حقیقت اس سے زائد نہیں، جیسے مرغ کی تحقیق میں لوگ پڑے ہوئے ہیں اور ہم اسکو فضول خیال کرتے ہیں، اس میں اور اس میں فرق ہی کیا ہے حضرت، جسکو جو کچھ عطا ہوا ہے، وہ عمل ہی کی بدولت تو حاصل ہوا ہے، ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں لگا رہنا چاہئے، کسی وقت بھی عمل سے بے فکر نہ ہونا

چاہئے، وہاں ان تحقیقات کو پوچھتا کون ہے۔ (صفحہ ۱۴۰)

نماز ہی سب کچھ ہے
ایک صوفی کے اعتراض کے جواب میں

فرمایا، لوگوں کے قلوب میں اعمال کی قدر نہیں، کسی درویش نے نماز کی نسبت حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ حضرت جب دل متوجہ نہ ہو تو اس اٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ۔ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بعض لوگ کیسے گستاخ ہوتے ہیں، حق تعالی رحم فرمائیں، کیسی جرات کی بات ہے، ایسے لوگوں کے دل میں خشیت کا نام نہیں، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ، اس اٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہوگی کہ یہ کتنی قیمتی چیز ہے، فرمایا کہ یہی سب کچھ ہے، اگر حق تعالی اس کی توفیق عطا فرمادیں اور بلا حضور قلب ہی اٹھک بیٹھک ہوجایا کرے، یہ بڑی دولت ہے۔ (صفحہ ۱۴۰)

شان عبدیت کا غلبہ۔ کچھ مثالیں

فرمایا ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے انکسار اور شان عبدیت کا کیا ٹھکانا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالی کی ستاری ہے کہ اہل نظر سے میرے عیوب کو چھپا رکھا ہے۔ یہ باتیں کہنے سے سمجھ میں نہیں آتیں، مگر کہنا پڑتی ہیں، جن پر یہ باتیں گذرتی ہیں، وہی خوب جانتے ہیں، یہاں قال سے کام نہیں چلتا، یہاں ذوق کی ضرورت ہے اور انکساری کی۔ ایک مثال عرض کرتا ہوں، ایک چمار کے پاس بادشاہ نے ایک لاکھ روپیہ کا موتی امانت رکھکر فرمایا کہ اسکو حفاظت سے رکھنا، اب لوگ تو سمجھ رہے ہیں کہ یہ بڑا مقرب ہے، بڑا امین ہے اور ایسا سمجھنا ایک اعتبار سے ٹھیک بھی ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ایسی قیمتی چیز اس کے سپرد کیسے کردیجاتی، مگر میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اُس وقت اُس کی حالت قابل رحم ہے کہ وہ لرزاں اور ترساں ہے، راتوں کو نیند نہیں آتی کہ دیکھئے، کہیں امانت میں کوتاہی واقع نہ ہوجائے اور مجھے میری حیثیت سے زائد امانت سپرد کردی گئی ہے، اب اس پر دو حالتیں طاری ہوں گی، ایک شکر کی، دوسری خوف کی، دونوں کو جمع کرنا اور اس کے حقوق بجا لانا آسان بات نہیں، واقعی یہ طریق بہت ہی نازک ہے،

ہزاروں افراد سر مار کر بیٹھ گئے، مگر منزل مقصود تک رسائی نہیں ہوئی، اسمیں رہبر کامل کی ضرورت ہے، اسکا دامن پکڑے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا خطرہ ہی خطرہ ہے۔

دیکھئے، مثال سے کسی قدر سمجھ میں آجایگا، ایک فرد عالم ہے، محدث ہے، مفسر ہے، فقیہ ہے، مجتہد ہے، حافظ ہے، قاری ہے، نیک ہے، حسین ہے، تندرست ہے اور باوجود اسکے، اسکو اپنے کسی کمال پر نظر نہ ہو، کیا یہ بات سہل ہے، البتہ جو کمالات اسکو عطا ہوئے ہیں، ان پر خوش ہونا یا انکا اقرار کرنا یہ بُری بات نہیں، لیکن ان کمالات کی بنا پر غیر اہل کمالات کی تحقیر کرنا، یہ مذموم ہے، اسی طرح یہ بھی سمجھنا مذموم ہے کہ میں ان کمالات کی وجہ سے خدا کے نزدیک مقبول ہوں، مقبولیت اور عدم مقبولیت کی کیا خبر ہے۔ لاتقف مالیس لک به علم، ممکن ہے کہ یہ تو سمجھ رہا ہے کہ میں مقبول ہوں اور وہاں مردود ہو، اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک عورت ہے، جو خوبصورت بھی ہے، لباس فاخرہ بھی ہے۔ زیور سے بھی آراستہ ہے، سنگار کئے ہوئے ہے اور اس آرائش زیبائش کی بنا، پر سمجھتی ہے کہ میرا خاوند مجھے چاہتا ہے، مگر ساتھ ہی غلط کردار والی ہے، ظاہر ہے خاوند اسکی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں ہوگا اور ایک عورت ہے سانولی۔ کپڑے بھی میلے کچیلے، زیور بھی اسکے پاس نہیں، مگر اس کی کوئی ادا خاوند کو پسند ہے، وہ اسکو محبوب رکھتا ہے، دل سے چاہتا ہے، فرمایئے، ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں، یہی مثال ہمارے کمالات کی ہے تو جسطرح غلط کردار والی عورت اپنے خاوند کی نظر میں مقبول ہونے کے غلط گمان میں مبتلا ہے، یہی حالت، کمالات کی بناء پر ہمارے گمان کی ہے، حاصل یہ ہے کہ یہ ظاہری کمالات، مقبولیت کی دلیل نہیں۔

ممکن ہے، ہمارے اندر کوئی ایسی باطنی خرابی موجود ہو، جو اللہ تعالی کو ناپسند ہو۔ (صفحہ ۱۴۱ جلد اول)

راہ سلوک کے طالب کو درپیش الجھنیں

فرمایا، باطنی خرابی کی مثال کے متعلق کیا عرض کروں، جو دل میں ہے کس

طرح دوسروں کے دل میں ڈالدوں، بعض اوقات سالک کی یہ حالت ہوتی ہے کہ باوجودیکہ یقین کے ساتھ یہ سمجھ رہا ہے کہ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا اور میرا دعویٰ ہے عبدیت کا، وہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہنے کا مستحق ہے اور میں جنت میں رہنے کا امیدوار، اسلئے کہ امید تو ہے مسلمان ہونے کی وجہ سے اور امید رکھنی بھی چاہئے، وہ موسیٰ علیہ السلام کا منکر اور میں تمام انبیاء علیہم السلام کا ماننے والا، مگر باوجود ان سب چیزوں کے یہ سمجھتا ہے کہ فرعون مجھ سے لاکھ درجہ بہتر ہے، اس لئے کہ ایک مرتبہ کے کلمہ پڑھنے سے اس کا معاملہ ادھر سے ادھر ہوجاتا۔ اور ایک منٹ میں اسکو نجات ہوسکتی تھی اور جس الجھن اور ضیق میں یہ اپنے کو مبتلا دیکھتا ہے، یہ سمجھتا ہے کہ اگر ہزار برس میں بھی نجات ہوجائے تو غنیمت ہے اور اسی حالت میں لوگوں نے خوکشیاں تک کرلی ہیں، وہ ضیق ایسا ہے کہ فرعون اس میں مبتلا نہ تھا، محض کافر تھا، ایک مرتبہ کے کلمہ پڑھنے سے ایک منٹ میں مسلمان ہوسکتا تھا اور یہ شخص اپنی حالت کو اس سے زیادہ جانکاہ دیکھ رہا ہے تو ایسے شخص کی کمالات پر کہاں نظر ہوسکتی ہے اور اس کے کیا احوال ہونگے، اس کے سامنے اور کیا مقامات ہونگے، وہ تو دوسری ہی اُدھیڑ بن میں لگا ہوا ہے، جس گرداب میں یہ پھنسا ہوا ہے، اگر اہل ظاہر پر اس کی یہ حالت منکشف ہوجائے تو کلیجہ پھٹ جائے، مگر ان گھاٹیوں اور دشوار گذار راہوں کے باوجود جن کو حق تعالیٰ نے فہم کامل اور ذوق سلیم عطا فرمایا ہے، وہ اس کو اس راہ سے اس سہولت سے نکال کر لیجاتے ہیں کہ معلوم بھی نہیں ہوتا یا تو وہ ادھر تھے یا ادھر ہوگئے، اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ اسکو کچھ کرنا نہ پڑیگا، کرنا ضرور پڑیگا، مگر وہ گُر ایسے ہیں کہ سخت سے سخت اور دشوار گذار گھاٹیوں کو پلک جھپکنے میں طے کرادیں گے اور یہ باتیں محض زبانی بیان کرنے سے سمجھ میں نہیں آسکتیں، اسمیں ضرورت کام کرنے کی ہے، اس لئے کہ بعض باتیں وجدانی اور ذوقی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ (صفحہ۱۴۴)

(واضح ہو کہ راہ سلوک میں چلنے والا طالب عرصہ تک مذکورہ نوعیت کے حالات، ایمانی کیفیت میں مدوجزر کی صورتحال اور نفس کے ساتھ شدید معرکہ آرائی سے دوچار رہتا ہے، جس سے اس پر فرعونِ نفس کی قوتیں پوری طرح آشکار ہوتی

ہیں، شیخ کی مسلسل صحبت اسے اس کشمکش سے نکالنے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے)۔

جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ مل جانا ہی بڑی سعادت ہے

فرمایا، جسطرح میں دوسروں کی اصلاح کے طریقے سوچتا رہتا ہوں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنی اصلاح کے طریقہ بھی سوچتا رہتا ہوں، مسلمان کو تو مرتے دم تک اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہئے، اس پر بھی اگر نجات ہوجائے تو گویا سب کچھ حاصل ہوا، اس سے آگے ہم کیا حوصلہ اور ہمت کرسکتے ہیں، باقی فضائل ومدارج تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں، ہمیں تو جنتیوں کی جوتیوں میں ہی جگہ مل جائے تو یہ بڑی دولت ہے۔ جوتیوں پر یاد آیا کہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ حضرت سید احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں شرکت کرنے اور ایک مجلس میں بیٹھنے کو خلاف ادب سمجھتے تھے، حضرت سید احمد صاحب کی جوتیاں لئے ہوئے مؤخر مجلس میں بیٹھے رہتے تھے، اگر کبھی بیٹھے بیٹھے کسل ہوجاتا، وہیں جوتیاں سر کے نیچے رکھکر لیٹ جاتے تھے، جس وقت حضرت سید صاحب کی پالکی چلا کرتی تھی تو حضرت مولانا شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ پالکی کے ساتھ دوڑا کرتے تھے، اسکو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے۔ چاندنی چوک میں پالکی جارہی ہے اور آپ ساتھ دوڑ رہے ہیں، حالانکہ دہلی میں اس خاندان کے ہزاروں سلامی تھے، مگر اسکی ذرہ برابر حضرت شہید صاحب" پرواہ نہ کرتے تھے، کیا یہ حضرات خشک تھے، انکو خشک کہا جاتا ہے، اصلاح یوں ہی ہوتی ہے، آج ذرا ذرا بات پر ناگواری ہوتی ہے، غرض ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہئے، مرتے دم تک یہی حالت رہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش وی خراش — تادمِ آخر دمے فارغ مباش

تادمِ آخر دمے آخر بود — کہ عنایت باتو صاحب سربود

(صفحہ۱۴۵)

(اس راستہ میں بہت نشیب وفراز ہیں۔ آخر دم تک ایک دم کے لئے بے فکر نہ ہو۔ یہاں تک کہ آخری وقت میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ عنایت حق تمہیں

حاصل ہوجائے گی۔)

روحانی مریض کا اپنے آپ کو صحتمند سمجھنا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کوئی بیمار ہو اور لوگ اس کو علاج سے بے فکر دیکھیں تو چاروں طرف سے لتاڑ پڑتی ہے، جس سے وہ اپنی فکر میں لگ جاتا ہے، ایسے شخص کی صحت کی امید ہوتی ہے، افسوس تو اس شخص کی حالت پر ہے کہ ساری دنیا اسے تندرست سمجھے ہوئی ہے، حالانکہ وہ بیمار ہے، دوسروں کے تندرست سمجھنے پر یہ بھی اپنے آپ کو تندرست سمجھ بیٹھا ہے، ایسے مریض کے تندرست ہونیکی کیا امید ہوسکتی ہے، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ جب میں دوسرے کیلئے کوئی علاج تجویز کرتا ہوں، تو اپنے سے بے فکر ہوکر، نہیں کرتا، مستغنی ہوکر نہیں کرتا، بلکہ عین تجویز کے وقت برابر اسکا خیال رکھتا ہوں کہ مجھ سے اس تجویز کے سلسلہ میں کوئی زیادتی نہ ہوجائے اور اس شخص پر ذرہ برابر تنگی نہ ہو۔ اس پر مجھ کو سخت کہا جاتا ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ مجھ سے اجتہادی غلطی ہوجائے، اسکے متعلق یہ ہے کہ قصد نہیں، نیت نہیں، حق تعالیٰ معذور خیال فرما کر امید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔ (صفحہ ۱۴۶)

کم فہمی کی حالت زار۔ کچھ مثالیں

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، جس شخص سے مسجد میں کھڑے ہوکر تکنے پر حضرت والا نے مواخذہ فرمایا تھا، وہ مجھ سے یہ کہتے تھے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دیکھنے سے بھی کسی کو تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت والا نے یہ سن کر فرمایا کہ جب فہم کی یہ حالت ہے، اسکا تو کوئی علاج نہیں، جب گھر کی عقل نہ ہو، کوئی انتظام نہیں ہوسکتا، ایسوں کی غلطی پر اگر صرف نظر کیا تو ان سے امید ہوسکتی ہے کہ وہ غلطی کو خود سمجھکر کوئی اذیت یا تکلیف نہ پہونچائے، بدفہم آدمی کا تو کسی حالت میں بھی انتظام نہیں ہوسکتا، جیسے ایک شخص کے لڑکے کی شادی تھی، لڑکے کے باپ نے ایک شخص سے دولہا کیلئے دوشالہ لے لیا، دوشالے والے بھی بارات میں ہمراہ گئے، قاعدہ ہے کہ لوگ دولہا کو دیکھنے کے لئے آکر پوچھتے ہیں، کسی نے آکر

پوچھا کہ دولہا کونسا ہے، دوشالے والے صاحب بولے کہ دولہا تو یہ ہے اور دوشالہ میرا ہے۔ لڑکے کے باپ نے کہا کہ میاں، تم بڑے مہمل آدمی ہو، اس کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ دوشالہ میرا ہے، کہنے لگے، واقعی غلطی ہوئی، اب احتیاط رکھوں گا۔ اتنے میں کسی اور نے دولہا کے بارے میں پوچھا تو آپ کہتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہے، دوشالہ میرا نہیں، لڑکے والے نے کہا کہ میاں تم عجیب آدمی ہو۔ اس کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی، دوشالہ کا ذکر ہی کیا ضرور ہے، کہا کہ واقعی ضرورت نہ تھی، اب یہ بھی نہ کہوں گا، اتنے میں کسی نے پھر آکر دریافت کیا کہ دولہا کون ہے، آپ کہتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہے اور دوشالے کا کوئی ذکر ہی نہیں، آخر دولہانے اسے دوشالہ واپس کردیا۔

غرض اس شخص کا کوئی انتظام نہیں ہوسکا، کیونکہ گھر ہی کی عقل نہیں تھی، ایک اور حکایت یاد آئی، ایک رئیس نے نوکر رکھا، جو اکثر کاموں میں کوتاہی کرتا رہتا، بار بار کے مواخذہ پر یہ کہا کہ اصل میں مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے ذمہ کیا کیا کام ہیں، مجھے کاموں کی ایک فہرست لکھکر دی جائے، رئیس نے ایک فہرست بنا کر دیدی کہ دوسرے کاموں کے علاوہ تم سے یہ کام لئے جائیں گے، اس فہرست میں یہ بھی تھا کہ گھوڑے کے ساتھ چلنا پڑیگا، جہاں کہیں ہم جایا کریں گے، ایک روز آقا سوار ہوکر چلے اور یہ ساتھ ہوئے، اتفاق سے گھوڑے سے شال گری، آپ نے فورا فہرست نکال کر دیکھی، اس میں یہ نہ لکھا تھا کہ اگر کوئی چیز گھوڑے سے گرے تو اسکو اٹھالیا جائے۔ آپ نے شال نہ اٹھائی، جب منزل مقصود پر پہونچے تو آقا نے دیکھا کہ شال نہیں، دریافت کیا کہ شال نہیں، کیا ہوئی، کہتے ہیں، حضور وہ تو فلاں جگہ گری تھی، آقا نے مواخذہ کیا کہ تم نے اٹھائی کیوں نہیں، آپ نے فہرست سامنے رکھدی کہ اس میں یہ کہیں نہیں لکھا تھا کہ جو چیز گرا کرے، اسکو اٹھایا جائے، اسلئے میں نے نہیں اٹھائی، آقا نے فہرست لیکر اس میں یہ بھی لکھدیا کہ اگر کوئی چیز گرجایا کرے، اسکو اٹھالیا جائے، پھر آقا سوار ہوکر چلے اور منزل ختم ہوئی تو ایک گٹھڑی سامنے لارکھی، دریافت کیا، یہ کیا ہے، عرض کیا، دیکھ لیجئے، کھولکر دیکھا تو گھوڑے کی لید تھی، پوچھا یہ کیا۔ وہی فہرست سامنے رکھدی کہ دیکھئے، اسمیں یہ لکھا ہے کہ جو چیز

گرے، وہ اٹھالو، سو ایسی بدفہمی کا کیا علاج۔

فرمایا کہ میں بعضوں کو یہاں رہتے ہوئے خط وکتابت اور گفتگو سے منع کردیتا ہوں، پھر اگر وطن پہونچکر خط وکتابت کریں اور مجھے خط وکتابت سے معلوم ہوجائے کہ ان میں سلیقہ پیدا ہوگیا ہے تو مجھ کو ضد تھوڑا ہی ہے، اجازت دیتا ہوں کہ یہاں آکر بھی خط وکتابت کرسکتے ہیں، اس سے اصلاح ہوتی ہے کہ طبیعت پر سوچنے سمجھنے کا بوجھ پڑتا ہے، غور وفکر کی عادت ہوتی ہے، دوسروں کو جو اذیت یا تکلیف ہوتی ہے، وہ بے فکری سے ہوتی ہے اور میرا عقیدہ تو وہ ہے، جو حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آنے والے حضرات کے قدموں کی زیارت کو میں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں، کیونکہ میرا تو کسی دلیل سے بھی اچھا ہونا ثابت نہیں اور میرے پاس آنے والے اللہ کا نام لینے آتے ہیں، یہ یقیناً اچھے ہیں، بھلا، جس شخص کا یہ عقیدہ ہو، وہ آنے والوں کو تحقیر کی نظر سے دیکھ سکتا ہے یا ایسا شخص کسی کے آنے سے گھبرائے گا۔ (صفحہ ۱۴۸-۱۴۹)

بڑے لوگوں کا زیادہ حوصلہ کا حامل ہونا

فرمایا، میں تو کہا کرتا ہوں کہ بڑے لوگوں کو حوصلہ ہوتا ہے، وہ درپے آزار نہیں ہوا کرتے اور نہ ضرر پہونچاتے ہیں، جب کہ چھوٹے افراد نقصان ہی پہونچایا کرتے ہیں، اسلئے وائسرائے سے ڈرنے کی اتنی ضرورت نہیں، جتنی کانسٹیبل سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ (صفحہ ۱۵۷)

اللہ کے مقبول اور غیر مقبول بندوں کے درمیاں فرق

فرمایا، آجکل لوگوں کی باتیں چکنی چپڑی تو ضرور ہوتی ہیں، مگر ان میں نور نہیں ہوتا اور اہل اللہ کے کلام میں ایسا نور ہوتا ہے، گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آفتاب نکل آیا، آخر مقبولین اور غیر مقبولین میں کوئی فرق تو ہونا ہی چاہیے، مگر اس نور کے ادراک کیلئے بصیرت کی ضرورت ہے، کیونکہ بعض اوقات باطل میں ظاہری طور پر آب وتاب ہوتی ہے اور حق میں ظاہرا کم رونقی، اسکی بالکل ایسی مثال ہے، جیسے کبھی پیشاب صاف ہوتا ہے اور پانی بمقابلہ اس کے گدلا ہوتا ہے، اسی طرح مقبولین اور غیر مقبولین کے

اقوال وافعال میں جو فرق ہوتا ہے، وہ صورت کا نہیں ہوتا، بلکہ بعض مرتبہ بظاہر غیر مقبولین کا کلام اچھا معلوم ہوتا ہے، الفاظ نہایت بڑے بڑے اور چست ہوتے ہیں۔ **یعجبک قولہ فی الحیواۃ الدنیا** اس کی دلیل ہے، بلکہ ان میں فرق جو ہوتا ہے، وہ حقیقت کا ہوتا ہے، جیسے میں نے پیشاب اور پانی کی مثال بیان کی۔ پیشاب ہے صاف، مگر ہے ناپاک، پانی گدلا ہے، مگر ہے پاک۔ (صفحہ ۱۶۱)

کام کئے بغیر شیخ کو اپنے تابع بنانے کی روش

فرمایا، ایک ہے عمل کا درجہ اور دوسرا سہولت کا عمل، ہر شخص کا خود تو دل یہی چاہتا ہے کہ سہولت کی تدبیر بتائی جائے، مگر شیخ کی طرف سے انتظار ہوتا ہے کہ طالب اپنی کوشش ختم کرکے دکھائے، جب وہ عاجز ہوجائے گا، تب اہل تصرف تو اپنے تصرف سے اور اہل تدبیر اپنی تدبیر سے انشاء اللہ اسکا ازالہ کردیں گے۔ میں نے ایک وعظ میں دلیل سے یہ بتا دیا ہے کہ رسول اور نائب رسول کا صرف کام یہ ہے کہ وہ یہ بتائے گا کہ ایک تو کام کرو اور اختیار سے کام لو، شروع میں ہم سب کے تابع کیسے ہوجائیں۔ ہر کام طریقہ سے ہوتا ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مریض نے آکر طبیب سے مرض کو ظاہر کیا اور کہا کہ مرض کا ازالہ بھی ہوجائے، بلکہ اگر مریض طبیب سے اپنے مرض کے ازالہ کی مدت دریافت کرے گا تو کان پکڑ کر مطب سے باہر نکلوا دیا جائیگا، اسی طرح روحانی امراض علاج کو سمجھ لیجئے اور مصلح کو تابع بنانا تو بالکل ایسا ہے کہ آقا نوکر سے کہے کہ کھانا کتنی دیر میں پک جائیگا اور وہ جواب میں کہے کہ حضور دس بجے تک، اسی طرح مصلح سے کام لینا چاہتے ہیں تو اب مصلح کیا ہوا، مجھے تو اس سے بڑی غیرت آتی ہے کہ عوام کا اتباع کیا جائے، ایسے اتباع کی مثال تو بازاری عورت اور شریف عفیف گھروالی کی سی ہے، بازاری عورت اپنے اغراض کی وجہ سے ہر قسم کی دلجوئی کا انتظام کرے گی، بناؤ سنگار، چکنی چپڑی باتیں غرض کہ دل لبھانے کے سب طریقہ اختیار کرے گی اور شریف عفیف گھروالی عورت ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیگی، اس کی ایک شان ہوتی ہے، اسی طرح شیخ غیر محقق اور شیخ محقق میں فرق ہے۔ (صفحہ ۱۶۲)

گھر میں داخل ہونے کا طریقہ وسلیقہ

فرمایا، لوگ اپنے گھروں میں بغیر پکارے چلے جاتے ہیں، یہ بڑی خراب بات ہے، نہ معلوم گھر کی عورتیں کس حالت میں ہوں یا کوئی محلّہ کی غیرعورت گھر میں آئی ہو، اجازت لیکر جب بلایا جائے، گھر میں داخل ہونا چاہئے۔ (صفحہ۱۶۲)

دوسروں سے الجھنے سے بچنے کی ضرورت

فرمایا، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ کسی سے الجھنا نہیں، اگر کوئی تم سے خود الجھے تو وہ کرنا، جو ایک نائی نے کیا تھا، وہ قصہ یہ ہے کہ ایک نائی سے کسی شخص نے خط بنوایا، اس نے کہا کہ میرے سارے سفید بال چن دو، اس نے ایک طرف سے استرا پھیرا اور بال سامنے رکھ دیئے، یہ کہکر چلا آیا کہ مجھے تو بہت سے کام ہیں، چننے کی فرصت نہیں اور آپ کے سامنے سب رکھ دیئے ہیں اور کہا آپ خود چن لیں، فرمایا کہ کوئی الجھے تو سب رطب ویابس اس کے سامنے رکھکر، الگ ہوجاؤ اور کام میں لگو۔ واقعی، یہ حضرات حکیم تھے، کیسی عجیب بات فرمائی، اب جب اپنے پر گذرتی ہے تو قلب میں حضرت کے ارشاد کی قدر ہوتی ہے کہ چند لفظوں میں کتنی بات فرما گئے، بات یہ ہے کہ اس قیل وقال اور ردو کد میں نفسانیت ضرور آجاتی ہے۔ اورایک تو باطل کا رد نیک نیتی کے ساتھ ہوتا ہے اور حدود کے اندر، یہ تو ضروری ہے اور ایک ہوتا ہے محض بدنیتی سے رد، یہ مامور بہ نہیں، بلکہ اس پر مواخذہ کا اندیشہ ہے۔ (صفحہ۱۶۳)

مجاہدہ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا

فرمایا، آجکل راہ سلوک کی حقیقت سے عوام تو کیا، خواص تک ناواقف ہیں اور اس بے خبری کے وجہ سے ہزاروں غلطیاں ہورہی ہیں اور غلطی کا اصل سبب یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں اور اگر کسی کو توجہ ہوتی بھی ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ مجھے خود کچھ بھی نہ کرنا پڑے اور کام بن جائے، جیسے ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک شخص بہت عرصہ تک پڑا رہا، اس درمیاں سینکڑوں لوگ آئے اور

صاحب نسبت ہوکر چلے گئے، مگر یہ اسی خیال میں رہا کہ شیخ اپنے تصرف سے کچھ دیدینگے تو لونگا، میں خود کچھ نہ کروں گا، شیخ کو اسکی اطلاع ہوئی یا کسی کی اطلاع کرنے پر یا بذریعہ کشف کے انہوں نے صاف کہدیا کہ تم خود ہی مجاہدہ کروگے تو کچھ ہوگا اور تصرف کا اثر نہ ضروری ہے، نہ دیرپا۔ (صفحہ۱۶۴)

راہ سلوک کی تکمیل کی صورت یہی ہے کہ

فرد جیسے تیسے کام میں لگا رہے

فرمایا، ایک خط آیا ہے، لکھا ہے کہ گذشتہ دنوں سے خادم کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے، نہ نماز میں دل لگتا ہے، نہ ذکر میں، نہ کلام مجید پڑھا جاتا ہے اور دنیا کا کوئی کام بھی نہیں ہوتا، بس ایک عجیب گول حالت ہورہی ہے، میں نے جواب میں لکھدیا ہے کہ کام تو جس طرح بھی ہو، کرنا ضروری ہے، خواہ ناقص ہی۔ راہ سلوک کی تکمیل کا یہی طریقہ ہے، اگر بدنویس فرد لکھنے کی مشق کرنا چھوڑ دے کہ اچھا نہیں لکھا جاتا تو اسے کبھی اچھا لکھنا نہ آئیگا۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ ناقص عمل کو بھی چھوڑنا نہیں چاہئے، جیسے بنیاد کے مضبوط ہونے کا اہتمام تو کرتے ہیں، مگر اس کے خوش نما ہونے کے پیچھے نہیں پڑتے، اسمیں روڑے وغیرہ بھردیتے ہیں اور بعد میں اس پر بڑے بڑے محل اور کوٹھیاں تیار ہوتی ہیں، اسی طرح ناقص عمل، کامل عمل کی بنیاد ہے، بنیاد کے کمال اور نقصان پر نظر نہ کی جائے، جو کچھ اور جس طرح بھی کام ہو، اصول کے موافق کرنا چاہے، چاہے اسمیں نقصان ہی ہو، جیسے نماز اگرچہ ناقص ہی ہو، مگر حدود میں وہ ہوجاتی ہے، بلکہ ایسی عبادت، جس میں دل نہ لگے، اس پر اجر زیادہ ہے، کیونکہ وہ مجاہدہ ہے، راہ سلوک بہت ہی نازک راہ ہے، محض کتابیں پڑھ لینے سے کام نہیں چل سکتا، فہم کامل اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے اور یہ اس کو عطاء ہوتا ہے جس پر حق تعالی اپنا فضل فرمائیں۔ (صفحہ۱۶۶)

کام کا ایمانی قوت سے ہونا۔ دو مثالیں

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، دین کے اندر بھی ہمت اور قوت

کی ضروت ہے، فرمایا بڑی ضرورت ہے، مگر چند روز تکلیف ہوتی ہے، پھر سہولت ہوجاتی ہے اور سہولت کے بعد بھی اجر اس مشقت کی وجہ سے ملتا رہتا ہے، پھر قوت کی بھی قسمیں ہیں، اس تقسیم قوت پر یاد آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جو فضیلت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے، اس فضیلت کے اسباب میں سے ایک سبب قوت بھی ہے، چنانچہ وہ قوت اس طرح ظاہر ہوئی کہ باوجود اسکے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دینی قوت کی شان ظاہر ہے، مگر جس وقت زکوۃ روکنے والوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا اور زکوۃ کی ادائیگی میں تاویل کی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان (مانعین زکوۃ) سے جہاد کی تیاری کی، یہ ایسا وقت تھا کہ ادھر تو حضورﷺ کی وفات کو زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا، ادھر سارا اسلامی لشکر دوسرے مقامات پر جہاد میں مصروف تھا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس ارادہ سے صحابہ کرام میں ہل چل مچ گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی اسکے خلاف تھی کہ یہ وقت ان لوگوں سے جہاد کا نہیں، مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مدینہ سب خالی ہوجائے اور کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے، تب بھی میں اکیلا جہاد کرونگا اور زکوۃ وصول کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جو چیز حضور کے زمانہ میں جاری تھی، اُسکو بند نہیں کرنے دونگا، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی رائے بدل گئی، اس واقعہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قوت قلبی کا اندازہ ہو سکتا ہے، مصالح کی بھی پروا نہیں کی اور زکوۃ وصول کی، سب ڈھیلے پڑگئے اور اس ہمت سے تمام عرب پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رعب اور ہیبت چھاگئی کہ ایک دم سے سارے کام شروع کردیئے اور لشکروں کو چاروں صرف منتشر کردیا، معلوم ہوتا ہے ان کے پاس مقامی فوجی قوت بہت زیادہ ہے، ورنہ کوئی سادہ سے سادہ فرد بھی اپنی قوت کو منتشر نہیں کرسکتا تو اس سے رعب چھا گیا۔

قوت کی ایک اور حکایت سنئے، علاء بن حضرمی ایک صحابی ہیں، جس وقت اسلامی لشکر لیکر بحرین کو روانہ ہوا ہے، درمیان میں سمندر حائل تھا، کنارے پر پہونچکر سب نے رائے دی کہ کشتیوں کا انتظام کیا جائے، انہوں نے فرمایا کہ خلیفہ رسول اللہ نے تاکید فرمائی تھی کہ کہیں ٹھہرنا نہیں، میں ٹھہر نہیں سکتا، ابھی جاؤنگا، اور حق

تعالٰی سے دعا کی کہ اے اللہ، آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر میں راستہ دیا تھا، ہم نبی محمد رسول اللہﷺ کے غلام ہیں، ہمیں بھی سمندر میں راستہ دیجئے، یہ کہکر سمندر میں گھوڑا ڈالدیا، پھر تو سب ساتھ ہولئے اور سمندر سے صاف پار ہوگئے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس پر اطمینان کسقدر تھا، قلب میں اسکے خلاف خطرہ بھی نہیں گذرا، کیا ٹھکانا ہے ایمانی قوت کا، ان حضرات کی کون ریس کر سکتا ہے، آجکل لوگ باتیں بگھارتے پھرتے ہیں، پہلے ان جیسا ایمان تو اپنے اندر پیدا کر لیں، نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ ہیبت چھا گئی، تمام بحرین پر کہ یہ آدمی ہیں یا فرشتے۔ایمانی قوت ایسی چیز ہے۔ (صفحہ۱۶۶۔ ۱۶۷)

باطنی دنیا اور روحانیت سے محرومی میں تکبر کا کردار

فرمایا، اکثر اہل ظاہر ایک بہت بڑی دولت سے محروم ہیں کہ وہ اس طریق باطن (یعنی تصوف وراہ سلوک) کی حقیقت سے ہی بے خبر ہیں اور اس محرومی کا اکثر سبب انکا تکبر ہے، یہ مرض کمبخت روح کیلئے سم قاتل ہے، آج کل ہر شخص مجتہد بنا ہوا ہے، جسکا منشاء ہی کبر ہے، یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا، یہی وجہ ہے کہ انکو تقلید سے عار ہے، جس کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ جہلاء تک اجتہاد کرنے لگے، چنانچہ ایک دوست روایت کرتے تھے کہ ایک غیر مقلد صاحب نماز میں بحالت امامت کھڑے ہوئے، جھوما کرتے تھے، جب نماز سے فارغ ہو چکے تو ایک صاحب نے پوچھا کہ نماز میں یہ حرکت کیسی، کہا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی، ہم نے تو آج تک ایسی حدیث نہ پڑھی، نہ دیکھی، نہ سنی، جسکا یہ مطلب ہو کہ ہل کے نماز پڑھو، لاؤ ہم بھی دیکھیں، وہ کونسی حدیث ہے اور کس کتاب میں ہے، ایک حدیث کی ترجمہ کی کتاب لاکر دکھائی، اسمیں حدیث تھی اذا ام احدکم فلیخفف اور ترجمہ تھا کہ جب امامت کرے تو ہلکی نماز پڑھے، آپ نے لفظ ہلکی بمعنی خفیف کو ہل کے بمعنی حرکت پڑھا، اور ہلنا شروع کردیا، یہ حقیقت تھی، ان کے اجتہاد کی۔ فرمایا کہ حق تعالٰی حضرات فقہا رضی اللہ عنہم کے درجات بلند فرمائیں، انہوں نے ہمارے ایمانوں کو سنبھال لیا، ورنہ چودہویں صدی کے یہ مجتہد ہیں، جنکے اجتہاد کی یہ حالت ہے۔ (صفحہ ۱۷۱)

تکبر کی وبا کا عام ہونا

فرمایا، ایک مولوی صاحب کی یہ کوشش ہے کہ ندوہ میں ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے، جو اپنے اخلاق سے وہاں کے طلباء کی اصلاح کر سکے، مجھ سے بھی انہوں نے ذکر کیا۔ میں نے ایک مولوی صاحب کا نام لیا کہ وہ مناسب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہاں روحانی مریضوں کی کمی نہیں، بڑے پن کے مریض تو وہاں پر بہت ہیں، وہاں ایسے شخص کی ضرورت ہے کہ متکبر نہ ہو، پھر فرمایا کہ متواضع بھی ایسا ہو کہ سب کے تکبروں کو توڑ کر نیچا دکھلادے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ جب اس کو یہ خیال ہوگا کہ میں دوسروں کے تکبر کو توڑ سکتا ہوں تو کیا یہ تکبر نہ ہوگا، فرمایا یہ تکبر نہیں، اگر چہ بظاہر تکبر کی صورت معلوم ہو، مگر حقیقتاً تکبر نہیں، ایسا تکبر اور تواضع دونوں جمع ہوسکتے ہیں، اسکی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی دعویٰ کرے کہ میں تکبر کا علاج کر سکتا ہوں تو یہ تکبر تھوڑا ہی ہے، پھر فرمایا کہ تکبر کا مرض ایسا عام ہوا ہے کہ انگریزی مدارس تو پہلے سے بدنام ہیں اور بدنام کیا، واقعہ ہے کہ ان میں بکثرت متکبر ہوتے ہیں، مگر آجکل عربی مدارس میں بھی یہ بلاموجود ہے اور متکبرین بھرے ہوئے ہیں، الا ماشاء اللہ، اس کی وجہ یہ ہے کہ خاص انتظام کے بغیر اصلاح غیر ممکن ہے، عربی مدارس ہوں یا انگریزی اور یہ انتظام دونوں میں نہیں، ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، اگر کوئی طالب علیگڑھ میں پڑھے اور اس میں موجود طبعی تواضع ہو تو کیا وہ باقی رہ سکتی ہے۔ فرمایا کہ نہ رہنا کیا معنی، اگر طبعی تواضع بھی نہ ہو، وہ بھی کسی کامل کی صحبت سے پیدا ہوسکتی ہے۔ اس درجہ کی نہ سہی، جسدرجہ کی طبعی ہوتی ہے، اگر کسی کامل کی صحبت میسر آجائے، بڑے کام کی چیز ہے، بڑی دولت ہے۔ (صفحہ ۱۸۰)

طالب کا کام، صحبت شیخ کے ذریعہ ہی بن سکتا ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں راہ سلوک میں چلنے والوں کے لئے ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں کہ ہر کام سہولت سے ہوجائے، حتیٰ کہ بڑے بڑے مقاصد سہولت سے حاصل ہوجاتے ہیں اور اس کا انحصار صحبت پر ہے، مرید کو شیخ کی خدمت میں ایک خاص مدت تک رہنا ضروری ہے۔ اس سے

مقصد میں خاص سہولت ہوجاتی ہے۔ رہا یہ کہ کس قدر مدت میں کام ہوجاتا ہے، اس کا تعین مشکل ہے، اس کا تعلق مناسبت سے ہے، اگر طالب صاحب استعداد ہے تو کام بہت جلد ہوجاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کل پینتالیس ۴۵ روز رہے، اسکے بعد حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم دے چکے، جو کچھ دینا تھا، حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اسوقت کا حضرت کا یہ فرمانا کہ ہم دے چکے، جو کچھ دینا تھا، سمجھ میں نہ آیا کہ کیا دیا، مگر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ دیا تھا، پھر اس پر حضرت مولانا گنگوہی نے مزاحا فرمایا کہ اگر ہم جانتے کہ یہ چیز ہے تو اتنی محنت کیوں کرتے۔ اس پر حضرت والا نے بھی مزاحا فرمایا کہ مل جانے پر فرماتے تھے، ورنہ پندرہ برس تو معلوم ہی ہونے میں لگ گئے۔ (صفحہ ۱۸۱)

(یہاں یہ توضیح ہونا شاید افادیت سے خالی نہ ہو کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے تو فراست مومنہ سے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ مولانا گنگوہی فنا کے مقامات طے کر کے، حالت بقا کے مقام تک فائز ہوجائیں گے۔ یہ مقام انہیں پندرہ سال کے شب وروز کے مجاہدوں کے بعد حاصل ہوا۔ مرتب)

شیشہ میں نظر آنے والے عکس کی شرعی حیثیت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شیشہ میں بھی تصویر ہوتی ہے، اسکو دیکھنا کیوں جائز ہے۔ فرمایا، میں اس سوال کو سمجھا نہیں، شیشہ میں کیسی تصویر ہوتی ہے۔ عرض کیا کہ جب انسان شیشہ دیکھتا ہے تو اسکی تصویر اسمیں نظر آتی ہے۔ فرمایا، اسمیں تصویر کہاں ہوتی ہے، غلط ہے، اسکی تو صورت یہ ہے کہ جو آپ کی نگاہ کی شعاع، جو اسپر پڑتی ہے، وہ شعاع واپس ہوکر چہرہ پر پڑتی ہے تو یہ چہرہ نظر آتا ہے، اس میں کچھ بھی نہیں، مرئی (دکھائی دینے والی چیز) یہ خود ہی ہوتا ہے، عرض کیا، آج حضرت کے فرمانے سے سمجھ میں آیا، بہت عرصہ سے دل میں شبہ تھا۔ فرمایا کہ احکام میں دخل دینا عوام کے لئے جائز نہیں، نہ معلوم کیا گڑبڑ کریں، غرض اس کو دوسری تصاویر پر قیاس نہیں کرسکتے۔ (صفحہ ۱۸۲)

توانائی کا مضمحل ہوجانا

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، وعظ سننے کو جی چاہتا ہے، فرمایا کہ اب ہمت نہیں رہی، مسلسل بولنے سے طبیعت گھبراتی ہے اور نہ اب ربط عبارت پر قدرت رہی اور بلا ربط مضمون کا لطف ہی کیا ہوگا۔ اس وجہ سے چند روز تک وعظ کی یہ صورت اختیار کی تھی کہ کتاب دیکھ کر بیان کر دیا کروں، مگر دیکھتا ہوں کہ اب دماغ اسکا بھی متحمل نہیں، اسلئے اب تو مجلس میں بیٹھکر جو کچھ بولتا رہتا ہوں، یہی بہت کچھ ہے۔ (صفحہ۱۸۳ جلد اول)

صحبت کے ساتھ اصلاح کی فکر ہونا ضروری ہے

فرمایا، کسی کے پاس نرے رہنے سے کیا ہوتا ہے، جب تک انسان کو اپنی اصلاح اور تربیت کی فکر نہ ہو۔ (صفحہ۱۸۶)

آج کل کی قیادت میں شہرت اور مال کی فکر کا دامنگیر ہونا

فرمایا، آجکل جو پیشوا کہلاتے ہیں، وہ چاہے مذہبی ہوں یعنی علماء یا درویش یا سیاسی ہوں، ان میں اکثر کو یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ شہرت حاصل ہو، مال حاصل ہو، بعض یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جتنا بڑا مالدار، اتنا ہی بڑا عاقل، حالانکہ ان کا یہ خیال غلط ہے، البتہ ایسا شخص آکل تو ہوگا، مگر عاقل ہونا ضرور نہیں، ہر وقت اکل (کھانے) کی فکر ہے، عقل کی ایک بات بھی نہیں، بلکہ اس بے عقل ہونے کے متعلق خود مالداروں کا اصرار ہے، میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس سو روپیہ ہوں تو اس کو ایک بوتل کا نشہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نشہ میں عقل نہیں رہتی، اگر کسی کے پاس ایک ہزار روپیہ ہے تو اس کو دس بوتلوں کا نشہ ہوا، پھر عقل کا وہاں کیا کام، دین کی باتیں تو مُلا ہی کی ماننی چاہئے، انکی رائے ہی معتبر ہے۔ (صفحہ۱۹۱)

نیک اعمال میں نیت کے استحضار کا سوال

فرمایا، اختیاری اعمال میں صرف ابتداء میں ارادہ کرنا پڑتا ہے، جب عرصہ تک وہ عمل ہوتا رہتے تو پھر ہر جز پر نیت کی حاجت نہیں ہوتی، البتہ اس کے خلاف کی

نیت نہ ہونا شرط ہے، جیسے کوئی شخص بازار جانا چاہے تو پہلے قدم پر تو ارادہ کرنا پڑیگا پھر چاہے کتاب دیکھتے ہوئے یا باتیں کرتے ہوئے چلے، ہر قدم پر ارادہ کی ضرورت نہیں، دوسری مثال سے سمجھ لیجئے، کوئی ستار بجارہا ہے، اول مرتبہ ارادہ کی ضرورت ہے پھر خود بخود انگلیاں چلتی رہتی ہیں، بلکہ اگر ہر قرع پر مستقل ارادہ کر لیا جائے تو خوش نمائی کے ساتھ بجانے میں کامیابی نہیں ہوسکتی، اسی طرح گفتگو ہے، اگر ہر فقرہ پر ارادہ کرنا پڑے تو فرمایئے کہ فرد گفتگو میں کامیاب ہو سکتا ہے، ہرگز کامیابی نہیں ہوسکتی۔ پس اسی طرح اعمال حسنہ میں اگر ہر جزو پر نیت مستقل نہ ہوتو وہم میں نہ پڑنا چاہئے۔ (صفحہ۱۹۱)

لوگوں کو پھنسانے کے لئے کشف وکرامت کو ذریعہ بنانا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کسی کرامت کے بعد قلب میں تعلق مع اللہ زیادہ محسوس ہو، تب تو وہ کرامت ہے اور اگر اس میں زیادتی محسوس نہ ہو تو ایسی توجہ ناقابل اعتبار ہے اور یہ جو آجکل مخترع کشف وکرامت کی بناء پر لوگوں کو پھنساتے ہیں، بالکل واہیات بات ہے، اس سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک بدوی نفاع کے نام سے معتقد تھا، اس نے ایک بار کہلا کر بھیجا کہ لڑائی میں مجھے گولی لگ گئی ہے، تکلیف ہے، دعا کیجئے کہ نکل جائے، اس کا بیان ہے کہ دوسرے دن حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے اور زخم میں انگلی ڈال کر گولی نکال دی، حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا کہ مجھے پتہ بھی نہیں۔ نیز بعض اوقات اس طرح کی چیزوں کے ذریعہ ڈھیل دی جاتی ہے اور استدراج کے بعد نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے، بس ایسے اشتباہ کی حالت میں اگر کوئی چیز راحت اور آرام کی ہے تو وہ ذکر اللہ میں مشغول رہنا ہے اور گمنامی میں رہنا اور اپنے کو فنا کر دینا اور مٹا دینا، اسی میں لطف ہے۔ اسکے بغیر چین ملنا مشکل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ کنجے بے دد وبے دام نیست　　جز بخلوت گاہ حق آرام نیست،

اور کرامت واستدراج میں ایک ظاہری فرق یہ ہے کہ صاحب کرامت،

صاحب ایمان اور صاحب عبادت وغیرہ ہوگا۔ اور صاحب استدراج غیر شرعی کاموں میں مبتلا ہوگا، اور پہلا فرق جو مذکور ہوا، انکسار وتکبر وغیرہ کا، وہ اثر کے اعتبار سے ہے۔ (صفحہ ۱۹۷)

سماع اور اچھی آواز کی شرعی حیثیت

فرمایا، آداب سماع میں لکھا ہے کہ مجلس میں کوئی شخص دوسرے مذاق کا نہ ہو، ورنہ قلب میں تنگی ہوتی ہے، اس سے وجدوحال میں رکاوٹ ہوجاتی ہے۔ اسی طرح ہر شخص کے سامنے بولتے وقت میرا دل نہیں کھلتا۔ اب لوگوں نے سماع کو تماشا بنا لیا ہے، حتی کہ لہو ولعب تک نوبت پہونچ گئی ہے، ایک مرتبہ بریلی میں ایک عرس کے موقع پر کلکٹر اور سپرنٹنڈنٹ کو مجلس سماع میں بلایا گیا، سپرنٹنڈنٹ نے کلکٹر سے کہا کہ میرے بدن میں تو سنسناہٹ معلوم ہوتی ہے، کلکٹر نے کہا، میری بھی یہی حالت ہے، آخر دونوں اٹھکر چلے گئے، اب لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو، انگریزوں پر بھی اثر ہوا، میں نے سن کر کہا کہ یہ نفسانی اثر ہے، اسمیں مؤمن ہونا بھی ضروری نہیں، چنانچہ سانپ پر بھی بین کا اثر ہوتا ہے۔ یہ تو چیز ہی ایسی ہے، آخر شارع کی کوئی تو حکمت ہے کہ ایسی چیزوں کی ممانعت فرمائی گئی، وہ حکمت اس کا یہی نفسانی اثر ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے ایک حکایت بیان کی تھی کہ ایک باغ والے نے باغ میں سیٹی بجائی، ہرنی اُس آواز سے مدہوش ہو کر پاس آ کھڑی ہوئی، اسکے بعد بطور لطیفہ کے فرمایا کہ اثر سماع کیلئے اغزال ہونا بھی کافی ہے، غزالی ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ قرآن شریف اور حدیث سنکر جو کیفیت پیدا ہو، وہ کیسی ہے، فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ حدود کے اندر ہے یا باہر، لوگ ایسی باتوں میں یا ایسے معاملات میں بوجہ بے خبری کے حقیقت کو نہیں پہونچتے، اسباب کو دیکھتے ہیں، آثار کو نہیں دیکھتے۔ اسباب کا دیکھنا نہیں، بلکہ آثار کا دیکھنا ہے، جیسے اگر کوئی شخص مجلد اور ضخیم قرآن شریف سے کسی کو ہلاک کردے۔ کیا یہ جائز ہوجائیگا۔ اب اگر قرآن شریف سن کر نفسانی کیفیت پیدا ہو تو وہ بہتر نہ ہوگی۔ مثلاً کسی مرد سے قرآن شریف سنا، اسکی آواز یا صورت سے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوئی تو یہاں اسباب

کو نہ دیکھیں گے، آثار کو دیکھیں گے اور ظاہر ہے کہ وہ کیفیت یقیناً نفسانی ہوگی۔ ایسے ہی سماع کو سمجھ لیا جائے، اسکے بھی حدود ہیں، ہر شخص کو جائز نہیں، جیسا کہ آجکل ہر کس وناکس اسمیں مبتلا ہے۔ (صفحہ ۱۹۹)

بدعتی شیخ کے اثرات

فرمایا، اگر طالب کا پہلا مربی بدعتی ہو تو اول تو اس کے اثرات سے نکلنا مشکل ہے اور اگر فرد کسی صورت سے نکل بھی جائے تو اکثر اس کا اثر نہیں جاتا، میں تو کہا کرتا ہوں کہ پکی ہانڈی اگر بگڑ جائے تو اس کا سنوارنا مشکل ہے، جب کہ ازسرنو پکانا آسان ہے۔ (صفحہ ۲۰۰)

توجہ کے اثرات

فرمایا، میں جب حضرت کی خدمت سے نیا نیا آیا تھا، اہل طریق کی دیکھا دیکھی توجہ بھی دیا کرتا تھا، شاہ لطف الرسول صاحب وغیرہ توجہ میں بیٹھتے تھے اور ان پر بہت سے مخفیات منکشف بھی ہوتے تھے، لیکن میں خود کورا ہی رہتا تھا۔ (صفحہ ۲۰۱)

دین پر عمل پیرا ہونے میں سلف صالحین کی عظمت کا ہونا

فرمایا، اہل علم کے کام کی ایک بات بتاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے، اسلئے حتی الامکان ان پر اعتراض وتنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہئے۔ (صفحہ ۲۰۲)

اصل اہمیت، مجاہدوں کو حاصل ہونا

فرمایا، راہ سلوک میں اصل شئے طلب ہے، طلب کے مطابق جو مناسب ہوگا، وہ مل جائے گا اور جہاں ایک نظر میں کامیابی حاصل ہوئی ہے، وہاں بھی مجاہدہ کی بدولت ہی ہوئی ہے، بہت سے مجاہدات اس نظر سے مقدم ہوتے ہیں، یہ مسئلہ سارے فن تصوف میں بہت صاف ہے، جہلا نے غلط قواعد مشہور کئے ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں، چنانچہ طالب ایک نظر میں کامیابی کی توقع میں بیٹھے رہتے ہیں۔ (صفحہ ۲۰۴)

امام غزالی پر خوف کا غالب ہونا

فرمایا، میں اپنے احباب کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ''احیاء العلوم'' کتاب کا ''باب الخوف'' نہ دیکھیں، امام پر ہیبت غالب ہے، اسلئے ان کے عنوانات سخت ہیں، جن کا تحمل نہیں ہوتا، مثلاً لکھا ہے، کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا، اے داؤد مجھ سے ایسے ڈرو، جیسے کہ درندہ سے ڈرا کرتے ہیں، اس پر امام علیہ الرحمتہ نے لکھا ہے کہ درندہ مجرم ہی کو نہیں پھاڑتا، یہاں پر بظاہر شبہ ہوجاتا ہے کہ عذاب بلاوجہ بھی ہوسکتا ہے، حالانکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے درندہ سے غیر مجرم بھی ڈرتا ہے کہ وہ محض عظمت کا خوف ہے، اسی طرح حق تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے، خواہ کوئی جرم نہ کیا ہو تو تشبیہ کی وجہ صرف یہ ہے، نہ کہ حق تعالیٰ، غیر مجرم کو بھی عذاب دیتے ہیں، امام علیہ الرحمتہ کی عبارت، غلبۂ حال کی وجہ سے ناکافی ہے۔ (صفحہ ۲۰۴)

نااہل اہل تصوف سے ایمان کا غارت ہونا

فرمایا، جس طرح صحیح تصوف سے بہت کے لوگوں کے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، اسی طرح نااہلوں کی باتوں سے بہت سے لوگوں کا ایمان بھی غارت ہوگیا۔ دیکھئے، طعام لطیف جب خراب ہوتا ہے تو عام طعام سے زیادہ خراب ہوتا ہے اور جلد خراب بھی ہوتا ہے۔ (صفحہ ۲۰۵)

گورنمنٹ سے تنخواہ ملنے کا الزام

فرمایا، بعض احمقوں نے زمانہ تحریک خلافت میں مجھ پر یہ بہتان باندھا کہ اسے گورنمنٹ سے تین سو روپیہ تنخواہ ملتی ہے، ایک شخص نے اس کا بڑا معقول جواب دیا کہ اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ گورنمنٹ سے خوف زدہ تو نہیں، ورنہ گورنمنٹ دباؤ سے کام لیتی اور تنخواہ نہ دیتی، لیکن اس سے طمع معلوم ہوتی ہے، جب طمع کی یہ حالت ہے تو تم تین سو سے زائد دیا کرو، تو وہ تمہارے ساتھ ہوجائیں گے، ورنہ حقانیت معلوم ہوجائیگی۔ ایک صاحب سے ایک اور شخص نے میرے متعلق یہی کہا کہ تنخواہ پاتے ہیں، انہوں نے دریافت کیا کہ کیا تمہیں اس پر یقین ہے، ایمان سے

کہنا، کہا کہ اس کے برعکس یہ یقین ہے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے، انہوں نے کہا کہ پھر ایسا کیوں کہتے ہو، کہنے لگے کہ اپنی آواز کو زوردار بنانے کیلئے کہتا ہوں، یہ دین ہے ان لوگوں کا، اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائیں۔ (صفحہ ۲۱۱)

اولیاء کو اذیت پہنچانے سے سزا کا ملنا

فرمایا، جو شخص اولیاء اللہ کو تکلیف پہونچاتا ہے، اُس سے انتقام لیا جاتا ہے اور یہ اولیاء اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، لیکن قسم لے لیجئے، ان کو وسوسہ بھی نہیں آتا کہ ہماری وجہ سے ایسا ہورہا ہے، یہ لوگ تو فنا میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۲۱۲)

دعا کی قبولیت، کرامت نہیں

فرمایا، دعا کی قبولیت کرامت نہیں، اسلئے کہ دعا تو عوام کی، بلکہ کفار کی بھی قبول ہوتی ہے، دیکھو، اکفر اکفرہ افجر الفجرہ شیطان تک کی دعا قبول ہوئی اور دعاء بھی کیسی، جو سنت الٰہی کے منافی ہے اور حسب تصریح فقہاء خلاف ادب ہے، شیطان نے کہا تھا۔ انظرنی الیٰ یوم یبعثون. اور وہ دعا قبول ہوگئی۔ پھر ایسے وقت میں جبکہ عتاب ہورہا تھا۔ مگر کمبخت سمجھتا تھا کہ یہ حالت بھی قبولیت کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ (صفحہ ۲۱۴)

طریقت میں تواضع کے بغیر محروم ہونا

فرمایا، جس شخص کو راہ سلوک میں داخل ہونے کے باوجود تواضع میسر نہیں ہوئی، وہ بالکل محروم ہے، جیسے ایک امیر کبیر کی لڑکی سے کسی نے شادی کی، لیکن وہ بانجھ تھی۔ تو نکاح کا مقصود حاصل نہ ہوا۔ خاوند کی نظر میں وہ دوکوڑی کی نہیں، اسی طرح تواضع کے بغیر داخل طریق ہونا بیکار ہے۔ (صفحہ ۲۱۸)

اصلاح کے لئے فکرمند ہونا

فرمایا، دل چاہتا ہے کہ لوگ اپنی اصلاح کی فکر میں لگے رہیں اور جب اللہ تعالیٰ دوسروں کی اصلاح کی بصیرت عطا فرمائیں تو پھر دوسروں کی اصلاح میں بھی مشغول ہوجائیں، مجھے تو بڑی مسرت ہوتی ہے، جب کوئی مسلمان اپنی اصلاح کی

جانب توجہ کرتا ہے۔ (صفحہ ۲۱۸)

شیخ کے سامنے اپنے روحانی امراض کے اظہار سے شرمانا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ کے سامنے اپنے عیب بیان کرنے میں طالب کو شرمانے کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں یا تو اسکے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ امراض کو سنکر حقیر سمجھیگا یا یہ کہ کسی سے ذکر کرے گا۔ تو شیخ میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہوتی، اگر ایسا نہیں تو وہ شیخ نہیں۔ (صفحہ ۲۱۸)

بے کاری ساری خرابیوں کی جڑ ہے

فرمایا، بے کاری ساری خرابیوں کی جڑ ہے، شیطان غیر مشغول شخص کو اپنی طرف مشغول کرلیتا ہے۔ ایک بزرگ اپنے خادم کے ساتھ چلے جارہے تھے، ایک شخص راستہ پر بے کار بیٹھا ہوا تھا، وہ بزرگ بغیر سلام کئے ہوئے گذر گئے۔ واپس اسی راستہ سے تشریف لائے، دیکھا کہ وہ شخص تنکا لئے ہوئے زمین کرید رہا ہے، آپ نے سلام کیا۔ خادم نے وجہ پوچھی، فرمایا کہ یہ پہلے خالی بیٹھا ہوا تھا تو شیطان اس سے زیادہ قریب تھا، اب زمین کرید رہا ہے، اس سے پہلی حالت کے مقابلہ میں اب شیطان سے کچھ دور ہے، اگرچہ یہ فعل بھی مفید نہیں، مگر بیکاری سے بہتر ہے۔ (صفحہ ۲۲۲)

عاشقوں کا، حالت غلبہ میں معذور ہونا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ جو آپ کے فتوے کے مطابق بدعت ہے، وہ عنداللہ بھی بدعت ہو، فتویٰ کی یہ حیثیت تو علمی اعتبار سے ہے، باقی عشاق کی تو شان ہی جدا ہوتی ہے، ان پر اعتراض ہو ہی نہیں سکتا، بالخصوص جب غلبہ کی وجہ سے وہ معذور بھی ہوں، مگر ایسا ہر وقت نہیں ہوتا، اسلئے دیکھنا یہ ہے کہ غالب عادت کیا ہے، اگر غالب عادت اتباع سنت کی ہے اور پھر غلبۂ حال کی وجہ سے کوئی ایسی بات بھی ہوجائے، جو بظاہر لغزش سمجھی جاسکے تو اسمیں تاویل کی جائی گی، اگر غالب عادت خلاف سنت ہے، وہاں تاویل نہ

کریں گے، اصل معیار یہ ہے۔ (صفحہ ۲۲۳)

وسوسوں کو روکنے کی تدبیر اور اس کی صحیح صورت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ وسوسوں کے دور کرنے کی طرف اگر متوجہ رہا جائے تو اسمیں کوئی ضرر تو نہیں، فرمایا، صاحب، قلب کو وسوسہ سے خالی کرنے کی طرف متوجہ ہونا، یہ خود ایک مستقل وسوسہ ہے، بلکہ اُس سے بھی زیادہ مضر ہے، اسلئے کہ پہلے جو وسوسے قلب میں آرہے تھے، اس کی تفصیل تو یہ ہے کہ آیا اختیار سے آرہے ہیں یا بغیر اختیار کے اور اس کو روکنے کیلئے متوجہ ہونا ارادہ سے ہے، اگر دفع کا ارادہ ہو، مگر توجہ بقصد ہوئی، اسلئے ایسا وسوسہ ضرور رساں ہوا، اسکی مثال بجلی کے تار کی سی ہے کہ اگر فرد دفع کی نیت سے بھی اسے ہاتھ لگائے گا، تب بھی وہ لپٹے گی، اس لئے اس فکر میں ہی نہ پڑنا چاہئے۔ مثلاً کسی کے قلب میں کفر کا وسوسہ آئے اور وہ اسکے دفع کی فکر کرے، یہ تدبیر نافع نہ ہوگی، بلکہ اسوقت توجہ الی اللہ کی تجدید کرنی چاہئے یا توجہ الی القرآن کیا جائے یا توجہ الی الشیخ کی جائے، یہ تدبیر انشاء اللہ نافع ہوگی۔ (صفحہ ۲۲۳)

راہ سلوک میں جوش وخروش اور کیفیات کی حیثیت

فرمایا، میں کہا کرتا ہوں کہ کیفیات اور ذوق اگرچہ لذیذ ہیں، مگر مقصود نہیں، البتہ مقصود میں معاون ہیں اور مقصود میں لذت ضروری نہیں۔ جیسے حکیم اجمل خاں صاحب کے نسخہ پر کسی کو وجد نہیں ہوتا، مگر وہ نافع ہے، اسی طرح مقصود سیدھی بات ہوتی ہے، اسمیں یہ کیفیات نہیں ہوتی، اور جہاں یہ کیفیات اور شورش ہے، وہ باوجود بہتر ہونے کے وہ نفسانی لذت ہے، روحانی نہیں اور مقصود میں روحانی لذت ہوتی ہے، مگر لوگ چیخ پکار کو مقصود سمجھتے ہیں، انکے محمود ہونے میں شبہ نہیں، مقصود ہونے میں کلام ہے، انبیاء علیہم السلام میں سکون اور اطمینان کی کیفیت راسخ تھی، شورش کا غلبہ نہ تھا، اسلئے اسکو سنت نہ کہیں گے، میں کہا کرتا ہوں کہ حضور ﷺ سے کسی امر کا منقول ہونا، سنت ہونے کیلئے کافی نہیں، بلکہ جو غالب عادت ہو، وہ سنت ہے اور جو عمل کسی عارض کی وجہ سے صادر ہوگیا، وہ سنت نہیں۔ ان کیفیات کی حقیقت یہ ہے

کہ ایک شخص کو نماز میں تیس برس تک کیفیات حاصل رہی، وہ شباب کا وقت تھا، ضعیفی میں وہ کیفیات جاتی رہی، تب وہ شخص سمجھے، یہ ذوق وشوق کی حرارت عزیز کی کیفیت تھی، نماز کی ہوتی تو اب بھی ہوتی، اب فرمایئے، تیس برس تک اسکو نماز کی کیفیت سمجھتے رہے، اسی لئے اس طریق میں شیخ کامل کی ضرورت ہے، تنہا ٹکریں مارنے سے کیا ہوتا ہے اور نفسانی وروحانی کے معیار کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ افعال اکثر روح کی طرف سے ہوتے ہیں اور کیفیات نفس کی طرف سے۔ (۲۲۵)

نماز میں کیفیات کے بارے میں ایک اہم نکتہ

فرمایا، کیفیات کو قرب میں دخل نہیں، جیسے اگر نماز میں کوئی کیفیت حاصل نہ ہو، نہ وجد ہو، نہ استغراق تو نماز میں کیا نقص، وہ نماز کامل ہے۔ ان کیفیات کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے کوئی شخص حسین ہو اور سرکاری دفتر میں ملازم ہو تو اس کو حسن کی وجہ سے تنخواہ تھوڑا ہی مل رہی ہے اور نہ حسن کی وجہ سے تنخواہ میں ترقی ہوگی، وہ تو جو کچھ بھی ہے، کام کی بدولت ہے، وہاں دفتر میں کوئی نمایش تھوڑا ہی ہے، بلکہ نمایش کی ممانعت ہے۔ (صفحہ ۲۲۵)

عارفین کی بلند نظری اور جنت میں ایک دوسرے سے ملاقات

فرمایا، عارفین کا مذاق ہی جدا ہوتا ہے، دوسروں کی نظر وہاں تک نہیں، حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو نابالغی کی حالت میں مرجانا پسند ہے، جسمیں کوئی حساب کتاب نہیں اور گناہوں سے پاک صاف جنت نصیب ہو یا حالت بلوغ کو پہونچنا کہ اس میں بڑے خطرات اور مواخذات ہیں۔ فرمایا، یہی حالت پسند ہے کہ بلوغ کے بعد خطرات سے دوچار ہوں، اسلئے کہ عدم بلوغ میں حق تعالیٰ کی معرفت نہ تھی، جو عین مطلوب ہے، کیا ٹھکانا ہے، ان عارفین کی وسعت نظر اور تعلق مع اللہ کا، بات یہ ہے کہ ایسے ہی لوگوں سے وعدہ ہے حق تعالیٰ کا، کیونکہ استقامت اور پوری اطاعت معرفت سے ہی ہوسکتی ہے پس فرماتے ہیں۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ

أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ. اور فرماتے ہیں وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا. پھر دوسری آیت کا شان نزول فرمایا کہ ابورافع ایک صحابی ہیں، انکو ایک بار یہ غم ہوا کہ یہاں تو جب چاہتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوجاتے ہیں، مگر جنت میں آپ بڑے درجہ میں ہونگے اور ہم چھوٹے درجہ میں، جہاں ہماری رسائی بھی نہ ہوگی، وہاں دیدار کس طرح ہوگا اور اس خیال سے انکو بیحد قلق ہوا، اسپر یہ آیت نازل ہوئی، جب انہوں نے یہ سنا تو بیحد خوش ہوئے کہ الحمدللہ جنت میں بھی حضور ﷺ کی زیارت ہوگی، اسی طرح دوسرے دوستوں سے جن کا ذکر صدیقین وشہداء وصالحین میں ہے، ملاکریں گے، ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس صورت میں تو کم درجہ والے بڑے درجوں میں پہونچ جائیں گے، فرمایا کہ پہونچ جائینگے تو حرج اور نقص کیا ہے، دنیا میں بھی تو ایسا ہوتا ہے کہ کم درجہ والے بڑے درجوں والوں سے ملنے کیلئے پہونچ جاتے ہیں۔ یہاں پر معیت کے وہ معنی نہیں، جو آپ سمجھے کہ اس درجہ پر مستقلا پہونچ جائیں گے، اب فرمایئے، کیا شبہ ہے، عرض کیا کہ اب کوئی شبہ نہیں رہا۔ عرض کیا کہ کیا جنت میں پہنچ کر حسرت ہوگی اور دل چاہے گا کہ ہم بھی بڑے درجوں میں ہوتے، فرمایا کہ دل ہی نہیں چاہیگا، جنت کا جو درجہ جس کے لئے تجویز ہوگا، اس پر وہ دل سے راضی رہیگا۔ (صفحہ ۲۲۷۔۲۲۸)

مبتدی ۔ متوسط اور منتہی کے حالات

فرمایا، منتہی کی بعض انتہائی حالتیں مبتدی طالب کی ابتدائی حالتوں کے مشابہ ہوتی ہیں، راہ سلوک میں کل تین حالتیں ہوتی ہیں، اس کی مثال ہانڈی کی طرح ہے جب اسے چولہے پر رکھا جاتا ہے تو بالکل سکون ہوتا ہے اور جب وہ پکنا شروع ہوجاتی ہے تو اس میں خوش خروش ہوتا ہے اور جب پک کر تیار ہوجاتی ہے تو پھر وہی سکون واپس آتا ہے، اس میں ایک مبتدی کی مثال ہے، ایک منتہی کی، ایک متوسط کی، منتہی کی حرکات سکنات بالکل مبتدی کے مشابہ ہوتی ہیں، مگر حقیقۃ ان کے درمیاں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ مبتدی بھی بیوی سے ہمبستر ہوتا ہے، اور

فروغ دین کا کام کرنے
والوں سے عدم تعاون کی روش

فرمایا، آجکل اگر کوئی شخص دین کی خدمت کیلئے کھڑا ہوجاتا ہے تو اسکا کوئی ساتھ نہیں دیتا، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ تم کو کس نے کہا تھا کہ ایسا کام کریں، لوگوں کو دین سے یہ تعلق رہ گیا ہے، ایسی باتیں سنکر دل بیحد دکھتا ہے، حق کی نصرت پر کوئی آمادہ نہیں ہوتا، ویسے شوروغل اور فتنہ فساد پھیلانے کو سب تیار ہیں، خالص حق کی حمایت سے جان چراتے نظر آتے ہیں، جو کام کرنے کے ہیں، ان کیلئے آمادگی نہیں۔ (صفحہ۲۵۵)

کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی خوشحالی کی چاہت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، آج صبح جو ذکر تھا کہ تیسرے درجہ میں سفر کرنا مناسب ہے تو ڈاکٹر ...... صاحب آج سیکنڈ کلاس کے بجائے انٹر کلاس ہی میں سوار ہوئے، فرمایا، چلو کچھ تو نفع ہوا، یہ تو سیکنڈ کلاس میں سفر کرتے تھے، اسپر فرمایا کہ ایسے مسلمانوں کی بھی ضرورت ہے، تا کہ کفار کو یہ تو معلوم ہو کہ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں، میں نے تو محض مسلمانوں کی عظمت دیکھنے کیلئے حیدرآباد دکن کا پہلا سفر اس نیت سے کیا تھا، یہاں تو جس عالیشان عمارت کو دیکھو اور پوچھو کس کی ہے، کسی چند کا کسی داس کا، وہاں پہونچکر یہ تو کانوں میں پڑگیا کہ یہ محل فلاں جنگ صاحب کا یہ عمارت فلاں دولہ صاحب کی ہے، یہ وہاں پر بڑے لوگوں کے لقب ہیں، اگرچہ میں دنیا کو مسلمانوں کیلئے پسند نہیں کرتا اور نہ اچھا سمجھتا ہوں، لیکن کفار کے مقابلہ میں دل چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس ان سے بھی زائد ہو اور مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہوں، ان کے مقابلہ کی وجہ سے پسند کرتا ہوں، بشرطیکہ حدود میں رہیں۔ (صفحہ۲۵۵)

صحبت کے اثرات

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، اپنے بزرگوں سے وابستہ طالبوں میں جسقدر سنت اور احکام کی پابندی دیکھی، یہ بات کسی اور بزرگوں کے متوسلین میں دیکھنے میں نہیں آئی، فرمایا کہ اپنے بزرگوں سے وابستہ افراد میں بھی ان افراد میں

متوسط سالک غلبۂ حال کی وجہ سے اس طرف کم متوجہ ہوتا ہے اور منتہی کو حظ نفس بھی ہوتا ہے، مگر اس کی غالب نیت یہ ہوتی ہے کہ اسکا حکم ہے، سو ظاہری مشغولیت کے اعتبار سے اسکی حالت مبتدی جیسی معلوم ہوتی ہے، مگر حقیقۃ ان کے درمیاں زمین آسمان کا فرق ہے اور یہ سب باتیں کام کرنے سے تعلق رکھتی ہیں، محض باتیں بنانے یا لمبی چوڑی تحقیقات بیان کرنے یا محض دعوے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اسکی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے کوئی نابالغ کہے کہ میں نیت کرتا ہوں بالغ ہونیکی تو کیا بالغ ہوجائے گا۔ (صفحہ۲۳۰)

راہ سلوک کو بدعت سمجھنا، اس کا جواب

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آجکل بعض خشک علماء بھی راہ سلوک کے بعض اجزاء کو بدعت کہتے ہیں، جیسے بعض ریاضتوں یا بعض اشغال کو۔ فرمایا، بدعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اسے دین سمجھکر اختیار کیا جائے، اگر علاج سمجھکر اختیار کیا جائے تو بدعت کیسے ہوسکتا ہے، پس ایک احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے۔ احداث للدین (دین حاصل کرنے کے لئے جدید بات پیدا کرنا) یہ تو سنت ہے اور احداث فی الدین (دین کے اندر نئی بات پیدا کرنا) یہ بدعت ہے، اس پر بحمداللہ کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، تصوف زیادہ تر جاہل صوفیوں کی بدولت بدنام ہوا ہے، محض گدی نشین ہونا، ان کے یہاں تصوف وطریق کا مقصود ہے، حالانکہ یہ خالی گدی نشین ہیں، گھوڑی نشینی انکو کہاں نصیب۔ (صفحہ۲۳۰)

حاسد کی حالت زار

فرمایا، بہت سے لوگوں کا یہ مشغلہ ہے کہ وہ دوسروں کی عیب جوئی میں لگے رہتے ہیں۔ عیب چین کی مثال ایسی ہے، جیسے باغ میں کوئی پھول سونگھنے کی غرض سے، کوئی پھل کھانے کی غرض سے، کوئی سیروتفریح کی وجہ سے جاتا ہے اور سُور باغ میں جو جاتاہے، وہ سونگھتے سونگھتے جہاں پاخانہ ہوگا، وہیں پہونچ جائیگا، اسی طرح حاسد کی فرد کی کسی خوبی پر نظر نہیں پڑتی، اس میں اگرچہ کتنی ہی خوبیاں ہوں، وہ ہمیشہ عیب ہی کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔ (صفحہ۲۳۳، جلداول)

ہی یہ بات دیکھی جاتی ہے، جنکو صحبت میسر ہوگئی، ورنہ بہت کم یہ بات پیدا ہوتی ہے، یہ ایک رنگ ہے، بغیر صحبت کے یہ رنگ پیدا نہیں ہو سکتا، جیسے مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھکر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ (صفحہ۲۶۹)

جاہل صوفیوں کی جنت سے بے نیازی کی باتیں

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، آجکل جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ نہ خواہش ہے جنت کی، نہ دوزخ سے ڈر، فرمایا، اس کا سبب حقیقت سے بے خبری ہے، یہ نصوص کے احکام کی صریح مخالفت ہے، باتیں بگھارتے ہیں، مرجانے کے بعد اگر جنت نہ ملے تو حقیقت معلوم ہوگی۔ اگر (عشق میں) مغلوبین کے کلام میں اس طرح کا مضمون پایا جائے تو اسکا منشا دوسرا ہے۔ (صفحہ۲۷۰)

تکلیف پر صبر وشکر کی حالت

فرمایا، آج ایک جگہ سے افطار کی دعوت آئی ہے، مگر آنے جانے سے میں معذور ہوں، اس آنت کی تکلیف کی وجہ سے، ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب مجھ پر کوئی مصیبت آتی ہے تو تین اسباب سے شکر واجب سمجھتا ہوں، ایک تو یہ کہ اس سے زائد تکلیف نہ ہوئی، دوسرے یہ کہ دین پر کوئی آفت نہ آئی، تیسرے یہ کہ شکوہ نہ کیا، اللہ تعالی نے صبر عطا فرمایا۔ فرمایا، سبحان اللہ، بالکل صحیح ہے۔ (صفحہ۲۷۲)

وسوسوں کے بارے میں اہم گفتگو

فرمایا، ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ قلب میں وسوسے آتے ہیں، میں نے کہا کہ وہ اندر نہیں ہوتے، باہر ہوتے ہیں، کیونکہ اندر تو صرف عقائد ہوتے ہیں اور میں نے یہ مثال بیان کی کہ جیسے آئینہ پر مکھی بیٹھے تو بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندر ہے، مگر حقیقت میں وہ اندر نہیں ہوتی، باہر ہوتی ہے، مگر جو حقیقت سے بے خبر ہے، وہ یہی سمجھیگا کہ اندر ہے، باقی تکلیف اور اذیت کے احساس میں خیال کو بہت بڑا دخل ہے، مگر خیالی ایذاؤں کا علاج خیال ہی سے ہوتا ہے، خیال کو بدل دینے سے بڑی تکلیف سے نجات مل جائے گی، بس یہ خیال کیا کرو کہ وسوسے قلب کے

اندر نہیں، باہر ہیں اور اگر دل کے اندر ہی فرض کر لیا جائے تو یہ مت سمجھو کہ وسوسے باہر سے اندر آرہے ہیں، بلکہ یہ سمجھو کہ اندر سے باہر نکل رہے ہیں، اسلئے کہ نکلنے کے وقت بھی تو گھر کے دروازہ پر ہجوم نظر آتا ہے اور اصل علاج تو یہ ہے کہ چاہے وسوسے آرہے ہوں یا جارہے ہوں، انکی طرف توجہ ہی نہ کرو، نہ جلبا نہ سلبا، اکثر لوگ خطوط میں وسوسوں کی شکایت لکھتے ہیں، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اختیار سے آتے ہیں یا بغیر کے اختیار کے اور ان کو بُرا سمجھتے ہو یا اچھا، وہ لکھتے ہیں کہ بغیر اختیار کے آتے ہیں اور ہم بُرا سمجھتے ہیں، میں لکھدیتا ہوں کہ بس بے فکر رہو۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ایک بار وضو کے بعد یہ وسوسہ ہوا کہ موزون کا مسح کرنا بھول گیا، حضرت نے دوبارہ مسح کرلیا، اگلے وقت پھر وہی وسوسہ، اس طرح ایک بلا پیچھے لگ گئی، اس پر حضرت فرماتے تھے کہ ایک بار عین مصلے پر وہی وسوسہ ہوا، خیال ہوا کہ یقیناً یہ شیطانی وسوسہ ہے، آج اس پر عمل نہ کرنا چاہئے، شیطان سے مکالمہ شروع ہوگیا، وہ کہتا ہے کہ مسح نہیں ہوا، کرلو، مولانا فرماتے ہیں نہیں ہوا، نہ سہی، وہ کہتا ہے، جب مسح نہیں ہوا تو وضو نہ ہوا، مولانا کہتے ہیں، وضو نہیں ہوا نہ سہی، کہتا ہے کہ جب وضو نہ ہوا تو نماز نہ ہوگی، مولانا کہتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی، نہ سہی، کہتا ہے کہ گنہگار ہوگے، مولانا کہتے ہیں کہ میں آپ کی خیر خواہی سے باز آیا، جہاں اور بہت سے گناہ ہوئے ہیں، ایک یہ بھی سہی، بس وسوسے ختم، پھر کبھی وہ وسوسہ نہ آیا تو ایسی صورت میں یہی مناسب ہے، بعض مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے رکعت کی تعداد میں گڑبڑ کردیتا ہے، اسکی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے، ورنہ ہمیشہ کے لئے ایک مرض لگ جائیگا۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ ایسا کرنا حضرات فقہا کی تفصیل کے خلاف ہوگا۔ فرمایا، فقہا ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں، جو وسوسوں کے مریض نہیں اور صوفیہ ان کے متعلق تجویز کرتے ہیں، جو وسوسوں کے مریض ہیں، اس میں کوئی مخالفت نہیں اور نہ کوئی شبہ وارد ہوتا ہے۔ (صفحہ۲۷۳)

امام احمد بن حنبل کی طرف سے
بشر حافی کی بہن کو اجازت نہ دینا

فرمایا، کسب حلال کے سلسلہ میں حضرت امام احمد بن حنبل سے ایک عورت

نے مسئلہ پوچھا کہ حضرت ایک روز گھر میں تیل نہ تھا، رات کو ایک رئیس کی سواری مکان کے سامنے سے گذری، سلسلہ دراز تھا، میں نے اپنے دروازہ میں بیٹھکر، اس کی روشنی میں چرخہ چلایا، نہ معلوم وہ تیل حلال تھا یا حرام، اس سوت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ دریافت فرمایا، تم کون ہو، عرض کیا کہ میں بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کی بہن ہوں، فرمایا، اگر کوئی اور ہوتا تو اجازت دیدیتا، بشر حافی رحمہ اللہ کی بہن کو اجازت نہیں دے سکتا۔ (صفحہ ۲۷۷)

عاجزی کی قدر وقیمت

ایک شریر جن کی مثال

فرمایا، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بات فرمائی تھی، دل میں گھر کر گئی۔ حالانکہ وہ زمانہ بچپن کا تھا، کچھ زیادہ ایسی باتوں کا ہوش نہ تھا، میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت کوئی ایسا بھی عمل ہے کہ جس سے موکلات مسخر ہوجائیں، فرمایا، ہاں ہے، اور آسان بھی ہے تم کر بھی سکتے ہو، میں دے بھی سکتا ہوں، مگر تم پہلے یہ بتاؤ کہ تم خدا بننے کو پیدا ہوئے ہو، یا بندہ بننے کو، آپ کی اس بات سے مجھے اسی وقت سے ان باتوں سے نفرت پیدا ہوگئی، اب جو کوئی تعویذ وغیرہ لینے آتا ہے، لکھ تو دیتا ہوں اور وہ بھی اسلئے کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی تعویذ وغیرہ کے لئے آیا کرے، تو دے دیا کرو، لیکن مجھے ان چیزوں سے مناسبت قطعاً نہیں، مثلاً کسی کو مسخر کرنا، کسی کو تابع بنانا، کسی پر زور چلانا اور حکومت کرنا، کیا یہ عبدیت ہے۔ عبدیت تو اسی میں ہے کہ فرد خود کو فنا کردے۔ عاجزی وانکساری اختیار کرے، حق تعالٰی کے یہاں اسی کی قدر ہے، حق تعالٰی کی ذات تو بڑی رحیم اور کریم ہے۔

مخلوق بھی عاجزی ہی کو پسند کرتی ہے، اسپر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک ہندو تاجر کی لڑکی پر ایک جن عاشق تھا، بڑے بڑے عامل آئے، مگر ناکام رہے، بعض جن بڑے سرکش اور قوی ہوتے ہیں، جو عامل جاتا، صحیح سلامت واپس نہ ہوتا، وہ اکثر یہ حرکت کرتا کہ ہاتھ پکڑ کر چھت ابھار کر اسمیں دبادیتا، اب بیچارہ عامل ہے کہ لٹکا ہوا ہے، ایسا ظالم تھا، کسی نے اس ہندو سے ویسے ہی تمسخر کے طور پر کہدیا کہ فلاں مسجد میں جو موذن ہیں، وہ بہت بڑے عامل ہیں، وہ مہاجن ان بیچاروں کو جا لپٹا، یہ ہر

چند قسم کھاتا، مگر مہاجن ہے کہ پیروں پر گرا پڑتا ہے، خوشامد کررہا ہے، جب یہ عاجز ہوگیا، اس نے کہا کہ اچھا، میں چلتا ہوں، یہ بتاؤ، کیا دوگے، مہاجن نے کہا کہ جو کہو، کہا کہ پانچ سو روپیہ، اس نے کہا کہ منظور، یہ سمجھا کہ دو باتیں ہیں یا تو کام بن گیا اور پانچ سو روپیہ مل گیا، تو زندگی بڑی راحت اور عیش سے گذرے گی اور اگر ماردیگا تو اس مصیبت اور پریشانی وناداری کی زندگی سے مرجانا ہی بہتر ہے، بیچارہ غریب تھا، بسم اللہ پڑھ کر مہاجن کے ساتھ ہولیا، اس کے مکان پر پہونچا، اس جن نے نہایت زور سے ڈانٹا کہ کیسے آیا ہے، ہاتھ جوڑ کر، اس کے قدموں میں گرگیا کہ حضور کی رعیت کا جولاہا ہوں، حضور، نہ میں عامل ہوں، نہ عمل چلانے آیا ہوں۔ ایک جاہل اور غریب آدمی ہوں، یہ مہاجن سر پر سوار ہوگیا، کافی عذر کیا، یہ نہ مانا، اسلئے مجبور ہوکر چلا آیا، حضور کی بڑی نوازش ہوگی، اگر حضور، پانچ منٹ کیلئے اس لڑکی سے جدا ہوجائیں، پانچ سو روپیہ مل جائے گا، میں غریب آدمی ہوں، میرا بھلا ہوجائیگا اور حضور کا کوئی نقصان نہ ہوگا، پھر اگر دل چاہے، آجایئے، یہ سنکر جن بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسا اور کہا کہ ہم تیری خاطر سے ہمیشہ کیلئے جاتے ہیں۔ اس سے اس مؤذن کی شہرت ہوگئی کہ بہت بڑا عامل ہے، اس کی عمر بھر کی روٹیاں سیدھی ہوگئیں اور عوام کے اعتقاد کا یہی قاعدہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی کا کمال رجسٹرڈ ہوجائے پھر تو عقد فسخ ہوتا ہی نہیں یہ بات نصیب ہوئی، صرف عاجزی کی بدولت۔ عاجزی بہت عجیب چیز ہے۔ (صفحہ ۲۸۳)

دوسروں کے بجائے اپنے انجام کی فکر کرنا

فرمایا، خدا کے یہاں اس شخص کا پسندیدہ ہونا ضروری نہیں، جو بندوں کو پسندیدہ ہے، کسی کو کیا خبر ہے کہ وہاں میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، پھر فرمایا کہ اگر کسی کے دل میں احتمال کے درجہ میں بھی یہ خیال ہو کہ شاید اسکا انجام میرے انجام سے بہتر ہو تو تکبر اور بڑائی ہے، اس کا علاج ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ اتنا خیال رکھنا اختیاری ہے اور واقع بھی ایسا ہوگا کہ جن کو یہاں پر لوگ بیوقوف سمجھتے ہیں، وہاں ان کو وہ چیزیں ملیں گی کہ عقلمند منہ دیکھکر رہ جائیں گے، عجیب دربار ہے، کسی کی سمجھ میں انکی حکمتیں آنہیں سکتیں۔

نفع کا، شیخ کے ساتھ عقیدت سے وابستہ ہونا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ شیخ

کے ساتھ جسقدر عقیدت کم ہوگی، اُسی قدر نفع کم ہوگا۔ (صفحہ ۳۰۸ جلد اول)

غم سے مراتب کا طے ہونا
اور باطن کے لئے رہزن باتیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حزن (غم) خود ایک نعمت ہے، حزن سے سلوک کے مراتب جسقدر جلد طے ہوتے ہیں، اتنی جلد دوسرے مجاہدوں سے نہیں ہوتے، یہ دو چیزیں بڑی ہی زبردست نعمت ہیں، ایک دین کی فکر، دوسرا حزن (غم) اور اسی طرح اس راہ میں دو چیزیں سخت راہ زن ہیں، جس کی محقق صوفیوں نے تصریح کی ہے، ایک نامحرم عورتوں اور نوعمر لڑکیوں کے ساتھ میل جول رکھنا۔ حتیٰ کہ نامحرم عورت کے ساتھ نرم گفتگو کرنا بھی رہ زن ہے، سم قاتل ہے اور باطن کو برباد کردینے والی چیز ہے۔ (صفحہ ۳۱۴)

عملیات میں دعویٰ کی شان کا ہونا اور دعا کی اہمیت

فرمایا، ایک صاحب کا خط آیا ہے، دنیا کے کام کے لئے وظیفہ دریافت کیا ہے، میں نے لکھ دیا ہے کہ دعا سے بڑھکر کوئی وظیفہ نہیں، پھر فرمایا کہ عملیات میں دعویٰ کی شان ہوتی ہے اور دعا میں احتیاج اور نیازمندی کی شان ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ چاہیں گے تو کام ہویگا، عملیات میں نیاز نہیں ہوتا، بلکہ اس پر نظر رہتی ہے کہ جو ہم پڑھ رہے ہیں، اُسکا خاصہ ہے کہ یہ کام ہوہی جائے گا، مگر اس کے باوجود لوگوں نے دعا کو بالکل چھوڑ دیا ہے، عملیات کے پیچھے پڑگئے ہیں، میں کہا کرتا ہوں، دعا کرو، اللہ تعالیٰ سے کیوں بے نیاز ہوگئے ہو، ایک اور بات بھی یاد رکھنے ہے، اُسکی طرف لوگوں کی نظر بہت ہی کم جاتی ہے، وہ یہ کہ وظائف دنیا کے کام کیواسطے پڑھو گے تو اس پر اجر نہ ہوگا، جب کہ دعا اگر دنیا کیواسطے بھی ہوگی تو وہ بھی عبادت میں شمار ہوگی اور اس کا اجر ملے گا۔ (صفحہ ۳۱۶ جلد اول)

اس دربار سے لرزاں وترساں
ہونے کی ضرورت۔ ایک واقعہ

فرمایا، کوئی کیا ناز کرسکتا ہے، حضرت شیخ آدم رحمہ اللہ علیہ، شاہجہاں بادشاہ

کے دور کے بہت بڑے بزرگ ہیں، یہ عالم بھی ہیں، ان سے ایک شخص مرید ہونے کے لئے آیا، جسکی وضع خلاف شرع تھی، آپ اس پر ناراض ہوئے اور کہا کہ اس وضع پر مرید ہوتے شرم نہیں آتی، وہ چلا گیا، فوراً الہام ہوا کہ اسکو بلاؤ، ورنہ تمہاری خیر نہیں، اگر اسکی حالت خلاف شرع تھی تو اسکو تعلیم کردیتے، انکار کیوں کیا، آپ نے کسی مرید کو بلانے کے لئے بھیجا، وہ شخص بھی بگڑ چکا تھا، کہا جاؤ، ہم نہیں آتے، کیا دنیا میں یہی ایک شیخ رہ گئے ہیں اور کوئی نہیں رہا، ہم کسی اور سے تعلق قائم کرلینگے، مرید نے آکر واقعہ بیان کیا، فرمایا، اچھا پھر جاؤ اور اسکے کان میں ایک مرتبہ اللہ کہدو، دیکھیں کیسے نہیں آئے گا، حضرت شیخ نے یہ بات اس ناز کی بناء پر کہی، جو عین حالت عتاب میں انکو حاصل تھا، بس اُس مرید کا جاکر ایک مرتبہ کان میں اللہ کہنا تھا کہ وہ دھڑسے زمین پر بیہوش ہوکر گرا اور جب ہوش آیا تو کہتا تھا کہ خدا کے لئے مجھے شیخ کے پاس پہونچاؤ، غرض حاضر ہوا اور بیعت ہوگیا، اس واقعہ میں ادھر شیخ کو تنبیہ کردی گئی، ادھر اس طالب کی گوشمالی ہوگئی اور دونوں کو جوڑ دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ کی دربار عظیم دربار ہے، وہاں لرزاں اور ترساں رہنا چاہئے، نہ معلوم کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو، کسی کو کیا خبر، وہاں کی کرسی کسی کے تو نام زد نہیں کہ استحقاقاً اپنی کرسی پر جا بیٹھو اور پھر بیٹھ جانے کے بعد بھی بدل سکتے ہیں، ہر وقت اختیار ہے، قدرت ہے، قوت ہے، خدا معلوم کس کو کہاں بٹھادیں اور کس کو کہاں، کوئی ویسرائے کا دربار تو ہے نہیں، جو خود بھی ضابطہ کا محکوم ہے کہ کرسیوں پر درباریوں کا نام کندہ ہے، جس سے وہ بدلی ہی نہیں جاسکتیں۔ (صفحہ ۳۱۹)

دینی مدارس کے علماء میں بڑھتی ہوئی طمع کے اسباب

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آجکل مولویوں میں طمع زیادہ ہوگئی ہے، ایسا کیوں ہے؟ فرمایا کہ سب میں تو نہیں، فرمایا، اسکی خاص وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ عربی پڑھنے والے زیادہ تر وہی لوگ ہیں، جو پہلے سے طماع اور مفلس ہیں، پڑھ لینے کے بھی بعد ان میں وہی عادت غالب رہتی ہے، طبیعت سے وہ بات جاتی نہیں، اسی لئے انکی تبلیغ میں بھی غرض کا شبہ ہوتا ہے، اگر عالی خاندان کے لوگ

امراء، حکام، نواب، رئیس اپنے بچوں کو عربی پڑھائیں اور پھر وہ لوگ تبلیغ کریں، دیکھئے، کیا اثر ہوتا ہے، ورنہ واعظ کے افلاس میں یہی شبہ ہوتا ہے کہ چندہ مانگنا تو جانتے ہیں اور دنیا نہیں جانتے، میں جس وقت ڈھاکہ گیا تھا تو وہاں کے ایک مدرسہ کے پرنسپل نے مجھے مدرسہ میں مدعو کیا، میں گیا، انہوں نے مجھ سے یہی سوال کیا کہ اکثر علماء میں یہ مرض موجود ہے، میں نے کہا،اس کی جڑ انتخاب کی غلطی ہے، اکثر غرباء کے بچے علم دین پڑھتے ہیں، ان کا حوصلہ اور ان کا ظرف تو ویسا ہی ہوگا، اگر امراء کے بچے علم دین پڑھیں تو انکا حوصلہ اور انکا ظرف اسی مناسبت سے ہی ہوگا، پرنسپل صاحب نے کہا کہ حضرت، آج میرا ایمان محفوظ ہوگیا، اپنے ایمان کا اندیشہ ہوگیا تھا، میں یہ سمجھتا تھا کہ کہیں یہ علم دین کا تو اثر نہیں،میں نے کہا توبہ کیجئے، کیا علم دین ایسی چیز ہے اور اثرات کے بارے میں میں نے کہا کہ یہ امراء کے بچے انگریزی کے اثر سے تو بگڑ گئے، اگر انگریزی نہ پڑھتے تو انکے اخلاق نسبتہً اچھے رہتے اور غرباء کے بچے علم دین پڑھکر کس قدر سنور گئے، اگر عربی نہ پڑھتے تو انکے اخلاق اس حالت کی نسبت اور زیادہ خراب ہوجاتے، اس کہنے سے میرا مطلب یہ تھا کہ غرباء کے بچے جسقدر خراب ہونے چاہئیں تھے، عربی کی بدولت اتنے خراب نہیں رہے اور امراء کے بچے جسقدر اچھے ہونے چاہئیں تھے، انگریزی کی بدولت اتنے اچھے نہیں رہے اور یہ انتخاب کی غلطی مشاہدہ میں آرہی ہے کہ خود ایک ہی شخص کے بچوں میں جو سب میں زیادہ بیوقوف، کند ذہن، بدفہم کم عقل اور بدصورت ہو، اسکو عربی پڑھانے کیلئے تجویز کیا جاتا ہے اور جو سمجھدار، عقلمند، ذہین اور خوبصورت ہو، اسکو انگریزی کیلئے تجویز کیا جاتا ہے، اس گفتگو کے بعد اسی جلسہ میں پرنسپل صاحب کہنے لگے، واقعی آپ نے سچ فرمایا، اس وقت جو میں مدرسہ کے رجسٹر کی جانچ کرتا ہوں تو قریب ڈھائی سو طلبا ہیں، مگر جو عربی پڑھتے ہیں، ان میں اکثر گاؤں کے اور کم درجہ کے لوگوں کے بچے ہیں اور انگریزی خواں خاندانوں اور امیروں کے بچے نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ایسے لوگوں میں بلند حوصلہ، ذی لیاقت غیر طماع کیسے پیدا ہو سکتے ہیں۔ (صفحہ ۳۲۱)

پیسے کی قدر کرنا چاہئے

فرمایا، علماء کو تو ان جاہل واعظین نے زیادہ بدنام کیا ہے، دربدر مانگتے پھرتے ہیں، وعظ میں دوسروں کو خدا پر بھروسہ کی تعلیم دیتے ہیں اور خود خدا پر بھروسہ نہیں کرتے، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آجکل پیسہ کی قدر کرنا چاہئے، اسکے نہ ہونیکی وجہ سے بھی انسان بہت سی آفات میں مبتلا ہوجاتا ہے، یہ دین فروشی بھی اسی آفت کی ایک علامت ہے۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے، انہوں نے خدا سے دعا کی تھی کہ اے اللہ،شیطان روزانہ وسوسے ڈالتا ہے کہ کہاں سے کھائیگا، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں مجھے کسی آفت میں مبتلا نہ کردے، اسلئے چاہتا ہوں کہ عمر بھر کا رزق مجھکو ایک دم عطا فرمادیجئے، تاکہ میں اسکو ایک کوٹھڑی میں بند کرکے اور تالا ڈال کر،اطمینان سے بیٹھ جاؤں اور جب شیطان وسوسہ ڈالے اور کہے کہ کہاں سے کھائیگا، میں جواب دیدوں، اس کوٹھڑی میں سے کھاؤنگا، کوٹھڑی کا ذخیرہ مشاہد ہوگا اور ذخیرہ، توکل کے خلاف تھوڑا ہی ہے، توکل کی ایک قسم یہ بھی ہے۔ (صفحہ ۳۲۲)

بزرگوں کو بُرا بھلا کہنے کا ایک اعتبار سے رحمت کا ہونا

فرمایا، مجھے جو بُرا بھلا کہتے ہیں، بحمداللہ اسکی ایک خاص وجہ بھی سمجھ میں آگئی ہے، وہ یہ ہے کہ میری ساری عمر مفت خوری میں کٹی ہے، پہلے تو باپ کی کمائی کھائی، درمیاں میں بہت تھوڑے دنوں تنخواہ سے گذر ہوا، پھر اُسکے بعد سے پھر مفت خوری کا وہی سلسلہ جاری ہے، یعنی مدت سے نذرانوں پر گذر ہے، نہ کچھ کرنا پڑتا ہے، نہ کمانا پڑتا ہے، کھانے کو دونوں وقت ملتا ہے، یہ تو دنیا کا قصہ ہوا، چونکہ آخرت کے لئے بھی کوئی ذخیرہ اعمال کا نہ تھا، جس سے آخرت میں کچھ ملتا، اُسکا ذریعہ یہ ہوگیا کہ لوگ بُرا بھلا کہیں، جس سے انکے اعمال میں سے کچھ حصہ مل جائے گا، پس یہاں بھی مفت خوری میں گذری اور وہاں بھی مفت خوری سے کام بنے گا، کسی کی نماز مل رہی ہے، کسی کی زکوٰۃ، بس اسطرح کام چل جائے گا۔ (صفحہ ۳۲۳)

شب قدر میں کرنے کا کام

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج ستائیسویں شب ہے، اسے

کو شب قدر کہتے ہیں، اسمیں کیا پڑھنا چاہئے، فرمایا کہ ایسے موقع پر سلف میں تین چیزیں معمول تھیں، اب لوگوں نے دو کو حذف کرکے صرف ایک پر اکتفا کرلیا ہے، وہ تین چیزیں یہ تھیں، ذکر، تلاوت قرآن، نفل نماز، اس وقت عابدوں نے نفل نماز اور تلاوت قرآن کو حذف کردیا ہے، ان میں مشغولی بہت کم ہوگئی ہے، بس زیادہ تر ضربیں ہی لگاتے ہیں اور اتفاق سے مجھے یہ تینوں چیزیں قرآن کی ایک آیت میں جمع مل گئی ہیں۔

اتل ما اوحی الیک من الکتب واقم الصلوۃ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔ (صفحہ ۳۲۳ جلد اول)

اخبارات کا فسادات کا ذریعہ بن جانا

فرمایا، آج کل اخباروں میں بڑی گڑ بڑ ہے، قریب قریب عدل کا تو نام ہی نہیں، ملک میں فساد کا اصل ذریعہ یہ اخبار ہی بنے ہوئے ہیں، بلاتحقیق واقعات کی تشہیر کرنا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، ایک صاحب کہنے لگے کہ اخبار کو اگر حدود میں رکھا جائے تو خبریں تو سب حذف ہوجائیں، میں نے کہا، غلط ہے، اگر ہمارے سپرد کردیا جائے تو حدود ہی میں رہیگا، صرف ایک دوخبر الگ کردینی پڑے گی، مگر اکثر کو باقی رکھیں گے، اسپر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل تو خریدار اسی مذاق کے ہیں، اگر حدود کی رعایت کے ساتھ اخباری خبریں شائع ہوں تو غالبا پسند بھی نہ کریں، اس پر فرمایا کہ واقعی اکثر خریدار خردار (بالدال) ہوگئے، اس لئے خروار (بالواؤ) بن گئے۔ (صفحہ ۲۸ جلد دوم)

ذکر میں لذت کا حاصل نہ ہونا

فرمایا، ایک شخص نے مجھ سے شکایت کی کہ ذکر میں جو پہلے مزا آتا تھا، اب نہیں آتا، میں نے کہا کہ میاں، مزا تو مذی میں ہوتا ہے، یہاں کہاں مزا ڈھونڈتے پھرتے ہو، جیسے مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ایسی شکایت کے جواب میں فرمایا تھا کہ تم کو خبر نہیں، پُرانی جورو ماں ہوجاتی ہے، مطلب یہ کہ راہ سلوک میں شروع میں شوق کا غلبہ ہوتا ہے، اور پھر انس کا جب کہ شوق کی حالت میں مزہ زیادہ ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت سُنا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ

نے ایک مثال فرمائی ہے، کورے بدنے کی کہ اول جس وقت اُس میں پانی بھرا جاتا ہے تو بڑا شورسا ہوتا ہے اور بعد میں اس میں پانی ڈالنے پر وہ شور نہیں ہوتا، بلکہ سکون کا غلبہ ہوتا ہے، اس لئے کہ اُس کے رگ وریشے میں پانی سرایت کرچکا ہوتا ہے، حضرت والا نے فرمایا، واقعی عجیب مثال ہے، عارفین کو حسن تمثیل کی میراث حضرات انبیاء علیہم السلام سے عطا ہوتی ہے، قاضی بیضاوی نے بھی لکھا ہے کہ انبیاء اور حکماء کی باتوں میں مثالیں بہت ہوتی ہیں، وہ حقائق کے تطابق پر اور محوسات سے معانی کی توضیح پر قادر ہوتے ہیں، ان کو ایک نور عطا ہوتا ہے، جس سے اُن کو حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مسئلہ قدر کی تحقیق کے لئے ایک شخص نے حضرت علیؓ سے سوال کیا، وہ کھڑا تھا، آپ نے فرمایا کہ اپنا پیر اٹھاؤ، اُس نے اٹھالیا، فرمایا کہ اب دوسرا اُٹھاؤ، وہ نہیں اُٹھا سکا، فرمایا، بس اتنا اختیار ہے اور اتنا جبر، دیکھئے، حسی مثال سے ایک دقیق معنیٰ کو کیسا واضح فرما دیا۔ سبحان اللہ، یہ ہیں علوم۔ (صفحہ ۳۱)

فقہی مسائل میں مرشد کا مرید سے رجوع ہونا

فرمایا، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس آخر زمانہ میں اس فن کے مجدد تھے، امام تھے، مجتہد تھے، ہر چیز کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے اور زمانہ کے لوگوں کی حالت سے بخوبی واقف تھے، مگر باوجود اس طریق میں مجتہد ہونے کے، حدود کی اتنی رعایت تھی کہ فتاوے میں علماء سے رجوع فرماتے تھے، چنانچہ جن لوگوں نے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ، مولانا سے مسائل پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے اور مولانا بھی اگر کوئی شخص فتاویٰ شرعیہ کے معاملہ میں حضرت حاجی صاحب کا کوئی قول یا فعل پیش کرتا تو صاف صاف فرمادیا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو ان مسائل میں ہمارے فتوے پر عمل کرنا واجب ہے۔ ہم کو ان جزوی مسائل میں حضرت حاجی صاحبؒ کی تقلید جائز نہیں اور ہم جن چیزوں کی وجہ سے حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہوئے ہیں، وہ اور ہی چیزیں ہیں، اتنا بڑا شخص، اتنا بڑا عالم حضرت کے کمالات باطنی کا اعتراف کررہا

ہے، آخر حضرت حاجی صاحب میں کوئی چیز تو تھی، ورنہ اگر حضرت میں کوئی چیز نہ ہوتی تو ایسے لوگ جن کی صاف بیانی کی یہ کیفیت ہے، وہ کیا معتقد ہوسکتے تھے، ہم کو اپنے بزرگوں کی ان ہی چیزوں پر فخر ہے کہ ان کے یہاں ہر چیز اپنے مقام پر رہتی ہے کوئی افراط تفریط نہیں۔ (صفحہ۳۲ جلد دوم)

اہل اللہ پر ایک ہی غم کا طاری ہونا

فرمایا، آج کل دنیا میں نئی نئی چیزیں چل رہی ہیں، خصوصا ہندوستان میں آئے دن ایک نیا ترانہ لے کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ سب اس میں شریک ہوں، میں کہتا ہوں کہ تم کو تو ملک کی فکر ہے اور قوم کا غم ہے، جب کہ اہل اللہ کو ایک غم ایسا ہے اور ایک فکر ایسی ہے کہ اگر تمہیں بھی وہی غم اور فکر لاحق ہوجائے تو واللہ، سارے جھگڑے بھول جاؤ، مگر اُس کی تو تم کو ہوا تک بھی نہیں لگی اور وہ لگانے سے لگتی ہے، بغیر لگائے تھوڑا ہی لگ سکتی ہے اور وہ فکر اور غم ایسا ہے کہ جب حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت ترک کردی تو وزیر نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ سب ارکان پریشان ہیں، پھر چل کر تاج وتخت کو سنبھالئے۔ فرمایا کہ مجھے ایک غم ہے، ظاہر ہے کہ فکر اور غم کی حالت میں ایسے تعلقات کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا، اس لئے میں معذور ہوں۔ وزیر نے عرض کیا، وہ ایسا کیا غم ہے کہ جس کا کوئی علاج ہی نہیں، وزیر کے اصرار پر فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فریق فی الجنة وفریق فی السعیر. یعنی قیامت میں دوگروہ ہوں گے، ایک جنتی اور ایک دوزخی۔ یہ بتلاؤ، میں کون سے گروہ سے ہوں گا، یہ ہے وہ غم، اس کو دفع کرو۔ وزیر نے عرض کیا کہ حضور، میں آپ کے غم اور فکر کو کیا دفع کرتا، مجھے خود اپنی فکر پڑ گئی۔ (صفحہ۳۳)

آج کے اہل سماع کی حالت زار

فرمایا، یہ جو آج کل کے اہل سماع ہیں، وہ اہل سماع نہیں، اہل ارض ہیں، کچھ خبر نہیں، جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں، نہ احکام کی فکر، نہ حدود کی پرواہ، کہاں تک ان لوگوں کے افعال کی تاویل کی جائے، کھلم کھلا فسق وفجور میں مبتلا ہیں،

آخرت کی تو ان لوگوں کو فکر ہے نہیں، خدا معلوم، دماغوں میں کیا بھرا ہوا ہے۔ (صفحہ۳۴)

محبوب کے اسرار میں پڑجانے کے نقصانات

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ محبوب کے اسرار کے ظاہر کرنے میں بہت سے خطرات ہیں، جو مغلوب الحال حضرات ایسا کرگئے، اُس سے بہت سے نااہل اور بدفہم گمراہ ہوگئے، یہ تو علمی نقصان ہے اور ایک عملی نقصان یہ ہے کہ اس میں لگ جانے سے یہ خود ایک اچھا خاصہ مشغلہ ہوجاتا ہے اور جو کام کرنے کے ہیں، وہ رہ جاتے ہیں، اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ ان چیزوں کی طرف تو توجہ بھی نہ کرنا چاہئے، اصل چیز احکام کا اتباع ہے، یہ بڑی چیز ہے۔ (صفحہ۳۵)

کبھی نیکی کے کام کا شر ہوجانا، اس کی صورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جی ہاں، کبھی خیر بھی شر کا ذریعہ بن جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ اس خیر کا کرنے والا حقیقت سے بے خبر ہے، مثلا خرچ کیا اور نیت یہ ہے کہ دوسرے دیکھ کر مجھے سخی سمجھیں تو خرچ کرنا خیر تھا، مگر نیت کی وجہ سے ریا ہوگیا تو یہ شر ہوگیا، اس کی وجہ حقیقتِ ریا سے بے خبری یا عدم اہلیت ہے اور خرچ کی ایک صورت یہ ہے کہ اظہار کرکے خرچ کیا، مگر نیت یہ ہے کہ دوسرے بھی دیکھ کر اللہ کے لئے خرچ کریں، جس کا حاصل دوسروں کو ترغیب دینا ہے تو یہ خیر کا خیر ہی رہا، اس کی وجہ صرف حقیقت سے باخبری ہے، البتہ بخل کے علاج کے موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خرچ کرو، چاہے ریا ہی ہو، مثلا ایک شخص بخیل ہے تو بخل کے علاج کے لئے اس کی اجازت دے جائے گی کہ خرچ کرو، اگرچہ ریا ہی سے ہوتا ہو کہ اُس کو عادت تو پڑے، اس کے بعد اسے اخلاص کی تعلیم کردیجائیگی۔ (صفحہ۳۵)

محض اعمال سے نجات کا حاصل نہ ہونا

فرمایا کسی کو بھی اپنے اعمال پر ناز نہ کرنا چاہئے، وہاں کسی کو قانون سے نجات حاصل ہونا، ذرا مشکل ہی ہے، ہاں رحمت اور فضل پر مدار نجات ہے، جب رحمت

ہوگی تو یہ معاملہ ہوگا کہ فرماتے ہیں فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ یہ سیئات ہمارے وہ اعمال صالحہ ہیں، جن کے حقوق ادا نہیں کر سکے تو وہ ہمارے زعم میں حسنات ہیں اور حقیقت میں سیئات، میرا ہی خود واقعہ ہے کہ ایک شخص تھے، مجھ کو پنکھا جھل رہے تھے، کبھی ٹوپی اُڑا دی، کبھی مار دیا، وہ تو خوش تھے کہ میں خدمت کر رہا ہوں، سو اُنکے نزدیک تو وہ کامل خدمت تھی، مگر کوئی اُس وقت میرے دل سے پوچھتا کہ وہ کیسی خدمت تھی، ایسے ہی ہماری نماز ہے، روزہ ہے، اسی کو فرماتے ہیں اولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات. (صفحہ۴۳)

بیعت کو فرض وواجب سمجھنے کی نفسیات

فرمایا، آج کل فہم کا تو قحط ہی ہوگیا ہے، بیعت کو تو فرض وواجب سمجھتے ہیں اور جو اصل چیز ہے، یعنی اتباع، اُس کا نام نہیں اور عوام کی اس باب میں کیا شکایت کی جائے، ایک شخص گنگوہ میں تھے، مولوی تھے، مجھ سے مرید ہوگئے۔ جس زمانہ میں ایڈریا نوپل عیسائیوں نے فتح کر لیا تھا، اُنہوں نے مجھ کو لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی تثلیث کا حامی ہے (نعوذ باللہ) مجھ کو ان کی اس حرکت پر بیحد صدمہ ہوا اور میں نے اپنے تعلق کو قطع کر دیا، ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو بے ادبی ہے، فرمایا کہ بے ادبی کیا، مجھ کو تو اس کے کفر ہونے کا شبہ ہے، کیا اسکو صرف بے ادبی کہیں گے کہ اپنے کو بندہ بھی نہ سمجھے، پھر نہ ندامت، نہ شرمندگی، یہ بے ادبی ہے، کیا ایسے شخص سے تعلق رکھا جا سکتا ہے اور ایسی بیعت کو کیا چولھے میں ڈالے۔ (صفحہ۴۳)

اعمال صالحہ کے ملکہ کا راسخ ہونے کی ضرورت

فرمایا، بڑی ضرورت ہے کہ اعمال صالحہ کے ملکات راسخ ہوجائیں، جس سے صالح اعمال بے تکلف ہونے لگیں، یہ ایک بڑی تدبیر ہے۔ (صفحہ۴۴)

دینی مدارس میں فنی صلاحیت کا ہونا

فرمایا، میری رائے ہے کہ دینی مدارس میں تھوڑی صنعت وحرفت ضرور ہونی چاہئے، تاکہ اہل علم، دنیا داروں سے بے نیاز رہیں۔ ایک مولوی صاحب نے عرض

کیا کہ حضرت واقعی اس میں بڑی حکمت ہے، فرمایا کہ جی ہاں، بڑی عمدہ چیز ہے، بشرطیکہ تابع کے درجہ میں ہو، کیونکہ مالی تنگی کی حالت میں اکثر اہل علم، مالداروں سے مغلوب ہو کر بگڑ جاتے ہیں۔ (صفحہ ۴۵ جلد دوم)

دعوتی کام میں احتیاط کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دین میں تبلیغ اصل ہے اور درس وتدریس اس کے مقدمات، مگر شرط یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی جھگڑے میں مبتلا نہ ہوا جائے، ورنہ سکوت ہی بہتر ہے، چنانچہ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا، مجھے ہر موقع پر خیال رہتا تھا کہ لوگوں کو تبلیغ کرنا چاہئے، ایک شخص ریل میں تھا، اُس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا تھا، میں نے اس سے کہا کہ بھائی یہ شریعت کے خلاف ہے، اس کو درست کر لینا، اُس نے چھوٹتے ہی شریعت کو ماں کی گالی دی، اُس روز سے میں نے بلاضرورت لوگوں کو کہنا چھوڑ دیا کہ اب تک تو گناہ میں مبتلا تھا اور اس صورت میں کفر تک کی نوبت پہنچ گئی۔ (صفحہ۴۵)

دوزخ کی کنجیوں کا ہاتھ میں ہونا۔خواب کی تشریح

فرمایا، بدعتی بھی عجیب چیز ہیں، دین تو قلوب میں ہے نہیں، قلب مسخ ہوگیا ہے، ہمیشہ اہل حق کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، نہ کچھ حدود ہیں، نہ کچھ اصول، جو جی میں آتا ہے، کہہ دیتے ہیں، ایک مرتبہ بریلی میں ایک بڑے بدعتی مولوی نے خواب دیکھا کہ دوزخ کی کنجیاں میرے ہاتھ میں رکھی گئی ہیں اور اُس کی تعبیر یہ سمجھ رکھی تھی کہ وہ جس کو چاہیں، کفر کا فتویٰ دیکر دوزخ میں بھیجدیں، میں نے کہا کہ یہ تعبیر تو بالکل ہی غلط ہے، یہ بات تو کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ کسی کو دوزخ میں بھیجدے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرکے دوزخ میں بھیج رہے ہیں، پس وہ کنجی دوزخ کے اہل افراد کے لئے ہے، مخالفین کے لئے نہیں۔ (صفحہ۴۵)

حضرت حاجی صاحبؒ کی، مولانا گنگوہی کی تسلی کرنا

فرمایا، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے متعلقین کی بے حد دلجوئی فرمایا کرتے تھے، بہت ہی شفیق تھے، میں جب مکہ معظمہ سے واپس ہوا تو حضرت حاجی

صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ سے کہدینا کہ یہاں پر لوگ ان کی بہت سی شکایتیں کرتے رہتے ہیں، مگر میں نے آپ کی نسبت ''ضیاء القلوب'' میں جو لکھا ہے، وہ الہام سے لکھا ہے، وہ الہام بدلا نہیں، اسلئے مجھ پر لوگوں کی شکایت کا کوئی اثر نہیں، آپ اطمینان سے بیٹھے رہیں اور یہ بھی فرمایا کہ میری دوستی آپ کے ساتھ اللہ کے واسطے ہے، جیسے اللہ کو بقاء ہے ایسے ہی حب فی اللہ کو بھی بقاء ہے، میں گنگوہ پہونچا، جاکر عرض کیا کہ حضرت کا کچھ پیام لایا ہوں، حضرت پر یہ سن کر ایک ایسی کیفیت پیدا ہوگئی، جیسے خوف اور رجاء کے درمیاں کی حالت ہوتی ہے، یہ خیال ہوا کہ نہ معلوم کیا فرمایا ہوگا، حجرہ میں تشریف لے گئے، میں بھی ہمراہ ہوگیا، میں نے سب عرض کیا، حضرت نے یہ فرمایا ہے، بس سنتے ہی حضرت پر شگفتگی آگئی اور بہت خوش ہوئے اور فرمایا، بھائی ہم تو توکل کئے بیٹھے ہیں، لوگ جو چاہیں کریں۔ (صفحہ۴۶)

مسلسل ہدیہ سے طمع کا پیدا ہوجانا

فرمایا، افسوس ہے کہ میں تو تمہیں سنواروں اور تم تعظیم کر کرکے، مجھے بگاڑو، اسی طرح ہدایا کے لئے بھی یہ ہونا چاہئے کہ کبھی لے آئے، کبھی نہیں، ہدایا برابر دیتے رہنے سے طبعا امید کی نظر ہوجاتی ہے، جو ایک قسم کی طمع ہے، سو میں تو تمہاری طمع کا علاج کروں اور تم میری طمع کو بڑھاؤ، اسی لئے میں اصلاح کے لئے قواعد بنانے پر مجبور ہوا اور اصلاح کے لئے بدنامی لازم ہے، جس کو گوارا کرنا چاہئے۔ (صفحہ۴۹)

دوران تعلیم، سلوک سے وابستہ نہ ہونے کی تاکید

فرمایا، طالب علمی کے زمانہ میں کسی دوسری طرف متوجہ ہونا، تعلیم کو برباد کرنا ہے، طالب علم کیلئے جمعیت قلب اور یکسوئی ضروری چیز ہے، اس کے برباد ہونے سے تعلیم برباد ہوجاتی ہے، میں نے زمانۂ طالب علمی میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تھی، اُس پر حضرت نے فرمایا تھا کہ جب تک کتابیں ختم نہ ہوجائیں، اس خیال کو شیطانی خیال سمجھنا، واقعی یہ حضرات بڑے حکیم ہیں، کیسی عجیب بات فرمائی، ایک وقت میں قلب دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا، پس ضروری کو غیرضروری پر ترجیح دینا چاہئے، اور علم ضروری ہے اور بیعت ضروری نہیں،

اس وقت اس طرف متوجہ ہونے سے نہ تعلیم ہوگی اور نہ سلوک ہوگا، اس لئے کہ طالب علمی کے زمانہ میں اگر شیخ نے ذکر وشغل کی تعلیم کی تو اس طرف مشغول ہونا بھی ضروری ہوگا اور طالب علمی میں بھی یکسوئی اور جمعیتِ قلب کی ضرورت ہے، پس اسمیں دو متضاد چیزیں کا جمع کرنا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ذکر وشغل کا نفع نہ ہوگا اور پھر مایوسی ہوگی اور شیخ سے بیٹھے بٹھائے بدگمانی پیدا ہوگی، سو اچھا خاصہ خلجان مول لینا ہے، تعلیم کے بعد ہی مناسب ہے۔ اور اگر شیخ سے کچھ تعلیم حاصل نہ کی تو بیعت کا کچھ فائدہ نہ ہوا، البتہ اصلاح اخلاق، طالب علمی میں بھی ضروری ہے، سو اُس کے لئے بیعت شرط نہیں اور اس میں کچھ وقت بھی صرف نہیں ہوتا، جس سے علم کے شغل میں رکاوٹ ہو۔ (صفحہ۵۳)

(مرتب عرض کرتا ہے کہ مولانا کے اس ملفوظ میں اپنے دور کے حالات کی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ اس دور میں طلبہ، تحصیل تعلیم کے بعد عام طور پر اصلاح کے لئے کسی نے کسی بزرگ سے ضرور وابستہ ہوجاتے تھے، جب کہ موجودہ دور میں دینی مدارس میں اکثر طلبہ کی آخر وقت تک تصوف واہل تصوف سے مناسبت ہی پیدا نہیں ہوپاتی، جس کی وجہ سے ساری زندگی ظاہری علم پر اکتفا کی جاتی ہے اور باطنی بیماریوں کا آخر تک ادراک نہیں ہوپاتا، اس لئے اس دور میں مدارس کے طلبہ، بالخصوص آخری سالوں کے طلبہ کو راہ سلوک کی طرف متوجہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ مرتب)۔

یورپی قوموں کے عقل کی نوعیت

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یورپ وغیرہ کی اقوام کون سی بیدار مغز ہیں، یہ مادہ پرست قومیں ہیں، ہاں، ملک گیری کے کاموں میں بہت ہوشیار ہیں، ان باتوں کو عقل سے کیا واسطہ، عقل تو کسی اور چیز کا نام ہے۔ (صفحہ۵۳ جلد دوم)

موجودہ دور کے پیروں کی حالت زار

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو دوکاندار پیروں کی من گھڑت ہے کہ بیعت کے بغیر خاص اسرار نہ بتائیں گے، وہ اسرار ہی کون سے ہیں، جن کو وہ نہ بتائیں گے، اجی، جن اسرار کی ضرورت تھی، اُن کو تو حضور ﷺ نے

پہاڑیوں پر، ممبروں پر چڑھکر علی الاعلان بیان کر دیا، باقی اُن سے الگ وہ اسرار ہی کب ہیں، جو وہ بغیر بیعت کے نہیں بتاتے، ہاں اشرار ہیں، جن کی بدولت لوگوں کو جال میں پھنسانا چاہتے ہیں، وہ بے شک نہیں بتا سکتے، مگر وہ ایسی چیزیں ہیں کہ وہ ان کو بعد بیعت بھی نہیں بتا سکتے، کیونکہ اپنے عیوب پر دوسروں کو کون مطلع کرتا ہے تو آج کل کے رسمی پیر اور مشائخ مجھ سے اسی لئے خفا ہیں کہ میں نے اُن کے یہ اسرار کھول دئے۔ یہ لوگ ایسی ہی باتیں بناتے رہتے ہیں، باقی تعلیم نہیں، تلقین نہیں اور تعلیم اور تلقین ہو کہاں سے، اکثر جاہل ہوتے ہیں، بس ان کے یہاں توسلسلہ میں داخل ہوجانا کافی ہے، آگے بے فکری، ہاں، انہیں لوگوں کو پھندے میں پھانسنے کی تدبیریں بہت خوب یاد ہیں، ایک پیر کا واقعہ ہے کہ ایک ریاست میں جاکر یہ حرکت کی کہ اپنے ایجنٹوں کی سازش سے ایک زندہ شخص کا مصنوعی جنازہ بناکر اور اس کو ایک شاہراہ پر رکھ کر، نماز کے بہانہ سے بلوائے گئے، جنازہ پر کھڑے ہوکر کہا کہ قم باذن اللہ، وہ کھڑا ہوگیا، بس پھر کیا تھا، شہرت ہوگئی، بزرگی کا ڈنکا بج گیا، اُس ریاست کا راجہ بڑا ہوشیار تھا، اُس نے کہا کہ پیر صاحب کو میرے پاس لاؤ، پیر صاحب سمجھے کہ راجہ بھی معتقد ہوگیا ہے، اُس لئے انہوں نے بلایا ہے، یہ وہاں پہونچے، خوش ہوتے ہوئے، راجہ نے کہا کہ فوج میں لوگ مرتے ہیں، جس کی وجہ سے ریاست کو نقصان پہونچتا ہے، کیونکہ پھر ایسے مشاق فوجی نہیں ملتے، آپ یہیں رہیں، ان کو زندہ کیا کریں، میں آپ کے تمام اخراجات کا کفیل ہونگا، تب تو پیر صاحب کے پیروں تلے زمین نکل گئی اور بھاگ گئے۔ (صفحہ۵۵)

اپنے قوائد پر ناز نہ ہونا

فرمایا، مجھے اپنے اصول اور قواعد پر ناز نہیں، بلکہ میں ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں کہ کہ قواعد ناپسندیدہ نہ ہوں، اسلئے یہ عرض کرتا ہوں کہ اے اللہ، گنہگار ہوں، نہ میرے پاس عمل ہیں، نہ مجھے کچھ آتا ہے، آپ کے فضل پر نظر ہے، آپ معاف فرمادیں۔ (صفحہ۵۷ جلد دوم)

حق بات میں تاثیر کا موجود ہونا

فرمایا، مخاطب پر حق بات کا اثر ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر غصہ کی حالت میں بھی حق بات کہی جائے اور بالکل حق بات تو، مخاطب پر حق بات کا اثر ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر غصہ کی حالت بالکل حق بات ہو تو مخاطب کو اس میں ندامت ہوتی ہے، اگر اس کے خلاف ہو تو اگر کلیہ نہیں، مگر غالب احتمال یہ ہوتا ہے کہ اس غصہ میں ضرور باطل کی کچھ آمیزش شامل ہوتی ہے، میں نے اس کا تجربہ کیا ہے، مثلا کسی غیر نمازی کو نمازی، نماز کی نصیحت کرے تو اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ محض اللہ کے واسطے تبلیغ کی جائے اور اس کی ہمدردی اور خیرخواہی مقصود ہو تو اس کا اثر تو اور ہوگا اور ایک یہ کہ اس تبلیغ میں اس کی تحقیر مقصود ہو اور اپنی بڑائی ہو اور اپنے کو نمازی سمجھ کر، اُس سے افضل سمجھ رہا ہے تو اس وقت کا اثر کچھ اور ہوگا۔ (صفحہ۶۰)

اس کی بے پناہ رحمت۔ دومثالیں

فرمایا، اس راہ میں محض باتیں بنانے اور علمی تحقیقات سے کچھ نہیں ہوتا، یہاں تو کام کرنے سے کام ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی تو بغیر کئے ہوئے بہت سی رحمتیں فرماتے رہتے ہیں، جبکہ باوجود ہماری کوتاہیوں کے، اس کی رحمت کی یہ حالت ہے تو اگر اپنی توانائیاں اس کی طرف متوجہ ہونے میں صرف کردیں اور اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائیں، گذشتہ گناہوں سے رجوع اور آئندہ کے لئے نیک اعمال کا عزم کریں تو پھر رحمت کیسے نہ ہوگی، خوب فرماتے ہیں۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد　　اے خواجہ درد نیست وگر نہ طبیب ہست

(ایسا کون عاشق ہوا ہے، جس کے حال پر محبوب نے توجہ نہ فرمائی ہو۔ میاں (اصل بات یہ ہے) کہ درد (عشق) ہی نہیں ہے، ورنہ طبیب تو (ہروقت) موجود ہے۔)

سندیلو، لکھنؤ کے قریب ایک قصبہ ہے، وہاں پر ایک بار بارش نہ ہوئی، اُس کی وجہ سے مخلوق سخت پریشان تھی، کئی روز تک لوگوں نے جنگل میں جاجاکر نماز استقا پڑھی، مگر بارش نہ ہوئی، اب اس نماز میں آپ خیال کر سکتے ہیں کہ بڑے بڑے نمازی اور مولوی سب شریک ہوتے تھے، مگر کچھ بھی نہ ہوا، بالآخر وہاں کی

بازاری عورتیں وہاں کے رؤسا کے پاس آئیں اور کہا کہ یہ سب ہماری بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کا نتیجہ ہے، ہماری نحوست کی بدولت سب پریشان ہیں، اگر ہمارے لئے آپ ایک خاص انتظام کردیں تو ہم بھی جنگل میں جمع ہوکر، اپنے افعال بد سے توبہ کریں، وہ انتظام یہ ہے کہ وہاں کوئی مرد نہ آنے پائے، تاکہ بدنظری کا موقع نہ ملے، ورنہ بجائے رحمت کے کہیں قہر خداوندی نازل نہ ہو، غرض وہاں کے رؤسانے اسکا معقول انتظام کردیا، وہ بازاری عورتیں سب ایک جگہ جنگل میں جمع ہوکر، سجدے میں گرگئیں اور رونا شروع کیا اور عرض کیا کہ اے اللہ، اے رحیم، اے کریم، ہماری بداعمالیوں سے درگذر فرما، ہم گنہگار ہیں، روسیاہ ہیں، ہماری نحوست کی وجہ سے آپ کی بہت سی مخلوق پریشان ہے اور وہ جو کچھ اُس حال میں حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کرسکیں، خوب عرض کیا، حق تعالیٰ کے دربار میں عاجزی سے بڑھ کر کوئی چیز پسندیدہ نہیں، جنہوں نے اس واقعہ کو مجھ سے روایت کیا، وہ کہتے تھے کہ ان عورتوں نے ابھی سر نہ اُٹھایا تھا کہ موسلادھار شروع ہوگئی، بڑے زور سے بارش ہوئی، ایسی کہ کوئی حد نہ رہی، تمام جنگل وتالاب پُر ہوگئے، اسی کو مولاناؒ فرماتے ہیں۔

ما بروں رانگریم وقال را   ما دروں را بنگریم وحال را

(یعنی ہم ظاہر کو اور الفاظ کو نہیں دیکھتے، اس کو دیکھتے ہیں، جسمیں خشوع اور خضوع ہو، محض لچھے دار الفاظ کی وہاں قدر نہیں)۔

دوسرا واقعہ لوہاری قصبہ میں ہوا، بارش نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے نماز استسقاء کی تیاری کی، وہاں کے ہندو کہنے لگے کہ مسلمان بارش کے لئے فضول کوشش کررہے ہیں، امسال تو بارش ہے ہی نہیں، مسلمانوں نے نماز استسقاء ادا کی اور یہ دعاء کی کہ اے اللہ، ہمیں ان کفار کے سامنے ذلیل وخوار نہ کیجئے، آپ کو بڑی قوت اور قدرت حاصل ہے، آپ بڑے ہی غفور رحیم ہیں، ابھی مسلمان دعا ختم بھی نہ کرنے پائے تھے کہ باران رحمت کا نزول ہوگیا، اب سنئے، وہی ہندو کہتے ہیں کہ یہ (مسلمان) میشور کو بڑی جلدی راضی کرتے ہیں، دیکھئے، باوجود ہماری اس حالت کے کہ ہمارا کوئی کام بھی ڈھنگ کا نہیں اور ہم سراسر خطاؤں اور لغزشوں سے بھرے ہوئے ہیں، مگر اس پر بھی تھوڑی سی توجہ کرلینے پر اُنکی رحمت اور فضل شامل حال

ہوجاتا ہے تو اعمال کی اصلاح پر رحمت سے کیسے ناامیدی اور مایوسی ہوسکتی ہے، حدیث شریف میں حضورﷺ فرماتے ہیں "کلکم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون" تم سب خطا وار ہو اور تم میں بہتر خطا وار توبہ کرنیوالے ہیں۔ (صفحہ ۶۵۔ ۶۶)

گناہوں کے اثرات ونتائج

فرمایا، مصیبتوں کا اصل سبب گناہ ہیں، اب یہ شبہ ہوتا ہے کہ جو گناہوں سے اجتناب کرنے والے ہیں، وہ بھی تو مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں، اُس کا جواب یہ ہے کہ ان کے مصائب میں اور اِن کے مصائب میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہ ان مصائب سے پریشان نہیں ہوتے، اس لئے کہ وہ حقیقی مصائب نہیں، محض مصیبتوں کی صورت ہے اور پریشان نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو حق تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اور محبت اور عشق وہ چیز ہے کہ ساری تلخیوں کو شیریں بنادیتی ہے، اس پر ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ ایک عاشق مدت سے محبوب کی تلاش میں تھے کہ کہیں ملے تو دل ٹھنڈا ہو، اس تمنا اور آرزو میں سالہا سال سے گرد چھانتا پھر رہا تھا کہ دفعتا پشت کی طرف سے ایک شخص نے آکر اور آغوش میں لیکر اسطرح دبایا کہ ہڈی پسلی ایک ہونے لگی اور آنکھیں تک باہر نکل آئیں، مگر جب پیچھے نظر کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہی محبوب ہے، جس کی ملاقات کی تمنا میں برسوں گلیوں اور جنگلوں کی خاک چھان ماری، اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ محبوب اس سے کہے کہ اگر تجھ کو میرے دبانے سے تکلیف یا ناگواری ہوتو میں تجھے چھوڑ کر کسی اور کو جو تیرا رقیب ہے، جا دباؤں۔ صاحبو، اس وقت سوائے اسکے اور کیا کہیگا کہ یہ تکلیف نہیں، یہ تو ہزاروں راحتوں سے بڑھکر راحت ہے، اگرچہ بظاہر جسم کو تکلیف ہوگی، مگر قلب کی یہ کیفیت ہوگی اور بزبان حال یہ کہیگا کہ۔

کشتگان خنجر تسلیم را   ہر زماں از غیب جان دیگر ست

(تسلیم ورضا کے خنجر کے مارے ہوؤں کو ہر لحظہ غیب سے ایک دوسری زندگی ملتی رہتی ہے۔)

اور یہ کہیگا۔

نشو نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تغیت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(خدا کرے یہ دشمن کا نصیب نہ ہو کہ وہ محبوب کی تلوار سے ہلاک ہو، تیری خنجر آزمائی کے لئے دوستوں کا سر سلامت چاہئے۔)

اور یہ کہیگا۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　دل فدائے یار دل رنجان من

اس بیان کے وقت حضرت والا پر ایک خاص حالت طاری تھی، جس کا لطف اہل مجلس ہی اٹھارہے تھے اور قریب قریب سب اہل مجلس پر گریہ طاری تھا (احقر جامع) پھر دوبارہ حالتِ جوش میں حضرت والا نے فرمایا، خوب ہی فرمایا۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　دل فدائے یار دل رنجان من

(تیری وہ باتیں جو بظاہر ناگواری کی ہوتی ہیں، میرے لئے باعثِ راحت ہیں اور تجھ ستانیوالے پر تو دل وجان سے قربان ہوجاؤں۔)

باغیوں سے میل جول رکھنے والے کا باغیوں میں شمار ہونا

پھر اسی معاصی کے اثر کے سلسلہ میں فرمایا کہ بعض لوگ وہ ہیں، جو بظاہر خود تو اعمال صالحہ کرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کے غیرشرعی لوگوں سے تعلقات بھی ہیں، محض اس خیال سے کہ یہ دنیا ہے، اس میں رہتے ہوئے برادری کنبہ کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے اور یہ مقولہ زبان زد ہے کہ میاں دین سے دنیا تھامنا بھاری ہے اور بعض وہ ہیں کہ شریک تو نہیں ہوتے، مگر اُن کو بُرائیاں کرنے والوں کے افعال سے نفرت بھی نہیں ہوتی، وہ ان کے ساتھ شیر وشکر کی طرح ملے جلے رہتے ہیں، یعنی روزانہ کھانے پینے میں ان سے کوئی پرہیز نہیں کرتے، حاصل یہ ہے کہ اپنے کسی برتاؤ سے ان پر اظہار نفرت نہیں کرتے تو ایسے افراد کے بارے میں مذکورہ شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ شرکت یا ان کی خاموشی خود معصیت ہے تو ان کا مصیبت میں شامل ہونا بھی معصیت کے سبب ہوگا اور یہ سوال نہ ہوسکے گا کہ گناہوں سے محفوظ افراد پر بھی مصائب آتے ہیں، حضورﷺ نے حدیث شریف میں سابقہ امتوں کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا

کہ فلاں بستی کو الٹ دو، عرض کیا اے اللہ، فلاں شخص اس بستی میں یںا ہے کہ اس نے کبھی آپ کی کوئی نافرمانی نہیں کی، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بستی کو اس سمیت اُلٹ دو، وہ بھی اُن ہی میں سے ہے، اس لئے کہ وہ ہماری نافرمانی دیکھتا تھا اور کبھی اس کے تیور میں بل نہ پڑتا تھا اور اس کی مثال تو دنیا میں موجود ہے، جو شخص حکومت اور سلطنت کے باغیوں سے میل جول رکھتا ہے یا ان کو امداد دیتا ہے، وہ شخص بھی باغیوں ہی میں شمار کیا جاتا ہے، ہم جس کے وفادار ہیں، یہ وفاداری اس وقت تک ہے کہ ہم اسکے دشمنوں سے نہ ملیں، ورنہ ایسے شخص کو وفادار ہی نہ کہیں گے، جو دشمنوں سے ملے، یہ تو اجتماع ضدین ہے، دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنا چاہتے ہیں، اسی کو فرماتے ہیں۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں　　ایں خیال ست ومحال ست وجنوں

(خدا سے بھی تعلق رکھنا چاہتے ہو اور حقیر دنیا سے بھی، یہ صرف تمہارا خیال اور یہ ناممکن بات ہے۔) (صفحہ ٦٧۔ ٦٨)

اہل محبت کی شان

فرمایا، اگر کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اُس کی ہر ادا محبوب معلوم ہوتی ہے، محبّ کی نظر میں محبوب کی شان بچے جیسی ہوتی ہے کہ اس کی سب دائیں پیاری معلوم ہوتی ہیں اور اگر یہی حرکات کوئی بڑا کرے تو ناگوار ہونگی، میں خود اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ ایک شخص ایک بات کرتا ہے، ناگوار معلوم ہوتی ہے، دوسرا وہی بات کرتا ہے، اچھی تو گیا، مگر ہاں ناگواری نہیں ہوتی، بجز محبت کے اس کا کوئی ضابطہ نہیں، حدود نہیں، واللہ العظیم، خدائے بزرگ کی قسم، محبت وہ چیز ہے کہ عتاب اور غصہ پر بھی پیار معلوم ہوتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے۔

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ،　　ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

محبت کے معاملات کی شان ہی دوسری ہوتی ہے اور اس پر قانون سے کوئی ملامت بھی نہیں ہوسکتی، اگرچہ خشک علماء نے اہل محبت پر بہت کچھ طعن وتشنیع کئے ہیں، مگر اُن کے ایسا کرنے کا سبب محبت کی حقیقت سے بے خبری ہے اُن کو اس

کوچہ کی ہوا ہی نہیں لگی۔ (صفحہ٦٩)

راہ سلوک میں رہبر کامل کی ضرورت

فرمایا، اصلاح کا یہ طریقہ (یعنی راہ سلوک) بہت ہی نازک چیز ہے، ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا، جیسے طبیب جسمانی کا علاج ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا، اسوقت لوگ کتابوں کے مطالعہ کرلینے کو بڑا کمال اور انتہائے معراج سمجھتے ہیں، اگر ایسا ہی ہے تو طب کے اندر بھی تو کتابیں مدون ہیں، اُن کو دیکھ کر جسمانی امراض کا علاج خود کیوں نہیں کرلیتے، سو، جیسے وہاں خود علاج نہیں کر سکتے، یہاں بھی نہیں کر سکتے، جیسے وہاں جسمانی طبیب کی ضرورت ہے، ایسے ہی یہاں روحانی طبیب کی ضرورت ہے، آخر دونوں میں فرق ہی کیا ہے، ذرا میں بھی سننے کا مشتاق ہوں، میں اس وقت ان لوگوں کے متعلق بیان کررہا ہوں، جو اس راہ میں قدم رکھنا چاہتے ہیں، وہ ذرا کان کھولکر سُن لیں، میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ کمال، کبھی بغیر ماہر کی صحبت سے پیدا نہیں ہوسکتا، جو خود بخود اس راہ کو طے کرنا چاہتے ہیں، وہ سخت دھوکہ میں ہیں، سخت غلطی میں ہیں اور اس غلطی کی بدولت ہزاروں اپنی جانیں دے بیٹھے، اس راہ میں راہبر کی ضرورت ہے، اور راہبر بھی کامل۔ (صفحہ٦٩ جلددوم)

فقر واستغنا کا دولت عظمیٰ ہونا

شاہ عبدالقدوس گنگوہی کا واقعہ

بعض مفاسد کے متعلق ایک مولوی صاحب کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ ساری خرابی نااہلوں کے علم پڑھ لینے کی بدولت ہورہی ہے، ان میں اکثر حریص ہیں اور بعض جگہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ امراء نے اپنے بچوں کو علم دین پڑھانا چھوڑ دیا ہے، غرباء، علم دین پڑھتے ہیں تو وہ بلند حوصلہ کہاں سے لائیں، سو یہ انتخاب کی غلطی ہے، جس کی ذمہ دار قوم ہے، اہل علم کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنی فاقہ مستی پر نازاں ہوں اور خوش رہیں اور کسی اہل دنیا کی طرف ہاتھ نہ پھیلائیں، بلکہ انہیں مُنہ بھی نہ لگائیں، علماء کو تو اس کا مصداق ہونا چاہئے۔

اے دل آں بہ کہ خراب ازمئے گلگوں باشی   بے زروگنج بصد حشمت قاروں باشی

(اے دل یہ بہتر ہے کہ شراب عشق میں مست رہے (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) بغیر ظاہری مال ومتاع کے قارون جیسی عزت حاصل ہوگی۔)

یہ تو مال کے ساتھ انکا معاملہ ہو، اور جاہ کے ساتھ یہ ہو کہ۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں   شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(لیلیٰ کی راہ میں سیکڑوں خطرات کا سامنا ہے۔ لیکن پہلی شرط یہی ہے کہ مجنوں بن جا (پھر کوئی مشکل نہیں)۔

غرض ان اہل علم کو تو دنیا اور دنیا والوں پر نظر بھی نہ کرنا چاہئے، بلکہ یہ کہدینا چاہئے۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم   مستِ آں ساقیؑ وآں پیمانہ ایم

حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب قدس سرہ گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ کثرت سے آپ کے گھر میں فاقے رہتے تھے، حضرت پر زہد کی شان کا بہت غلبہ تھا، حالانکہ ابراہیم لودی بادشاہ کی بہن آپ کی مرید تھیں، مگر اُن سے کوئی ہدیہ وغیرہ قبول نہیں کیا جاتا تھا، جس کا سبب اُن کا کوئی نقص نہ تھا، اُن کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بزرگوں کے طریقہ کے خلاف نہ ہوتا تو میں اس عورت کو خلافت دیتا، غرض آپ کے یہاں فاقوں کی یہاں تک نوبت پہونچ جاتی کہ گھر میں سے گھبرا جاتیں تو فرمایا کرتے کہ گھبراؤ نہیں، ہماری راحت کا سامان ہورہا ہے، وہ پوچھتیں، کہاں، فرماتے، جنت میں سامان ہورہا ہے، وہ بھی ایسی تھیں کہ اس پر قانع ہوجاتیں، اہلیہ کے پاس چاندی کا ایک ہار تھا، جب شیخ گھر میں آتے تو فرماتے کہ مجھے دنیا کی بُو آتی ہے، اتفاق سے ایک بزرگ، حضرت کے گھر مہمان ہوکر تشریف لائے، اُن سے حضرت کے گھر میں سے شکایت کی گئی کہ رکن الدین کی شادی کی ضرورت سے میرے پاس چاندی کا ایک ہار ہے، مگر اُس کے متعلق بھی جب گھر میں تشریف لاتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ دنیا کی بُو آتی ہے، تب اُن بزرگ نے شیخ سے فرمایا کہ میاں، اس بیچاری کے کیوں پیچھے پڑے ہو، تم کو سب کی دنیا سے کیا بحث۔ اس کے بعد آپ نے پھر کبھی کچھ نہیں فرمایا، اس طرح اُن بیچاری کی جان بچی اور وہ ہار محفوظ رہا، ورنہ گھر میں سے اُس کے نکالدینے کے لئے درپے تھے، اہل علم کی یہ شان ہونا چاہئے، اس پر خواہ کوئی اعتراض کرے، خواہ دیوانہ سمجھے،

یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آج کل ترقی کا زمانہ ہے، ایسے لوگوں کو جو دنیا کو ترک کرتے ہیں اور توکل یا زہد اختیار کرتے ہیں، انہیں بیوقوف اور دیوانہ سمجھتے ہیں بس اُسکا یہ جواب دینا چاہیے۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد　　　مرعسس رادید ودرخانہ نشد

ہم اگرچہ تہی دست (اور بظاہر) دیوانے ہیں (تو کسی کو کیا؟) ہم تو ایک ہی ساقی (خداوند قدوس) اور اُس کے پیمانہ کے مست ہیں)۔ (صفحہ ۷۵-۷۶ جلد دوم)

روحانی بیماریوں کی تشخیص

اور علاج کے لئے شیخ کا ماہر ہونا ضروری ہے

فرمایا، شیخ کی مثال بالکل طبیب کی سی ہے، اگر طبیب اناڑی ہے تو پھر جان کی خیر نہیں، جیسا کہ مقولہ مشہور ہے کہ نیم حکیم خطرۂ جان، نیم ملا خطرۂ ایمان، بعض اناڑی شیخ سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتے ہیں، اس لئے لوگوں کی تربیت اور اصلاح نہیں ہوتی، جیسے ایک طبیب کا قصہ ہے کہ کسی مریض کے علاج کیلئے بلائے گئے، مریض کی چارپائی کے نیچے نارنگی کے چھلکے پڑے ہوئے تھے، حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے نارنگی کھائی ہے، اُس مریض نے اقرار کیا کہ بیشک کھائی ہے، حکیم صاحب کے صاجزادے بھی ساتھ ہوتے تھے، مکان پر آکر حکیم صاحب سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ کیسے معلوم کرلیا تھا کہ اس مریض نے نارنگی کھائی ہے، حکیم صاحب نے فرمایا کہ بیٹا، اس کی چارپائی کے نیچے نارنگی کے چھلکے پڑے ہوئے تھے، بس، اب کیا تھا، صاجزادے کے ہاتھ ایک قاعدہ کلیہ آگیا، اگرچہ وہ ایک واقعہ جزئیہ تھا، اب حکیم صاحب کے بعد صاجزادہ کا زمانہ آیا، ایک مریض کو دیکھنے کے لئے بلائے گئے، اتفاق سے اس مریض کی چارپائی کے نیچے نمدہ پڑا ہوا تھا، آپ نبض دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے نمدہ کھایا ہے، لوگوں نے اُس کو وہاں سے یہ کہکر نکالدیا کہ تمہاری دم میں نمدہ، یہ تو ایک حکایت ہے، جو میں نے توضیح کے لئے اس وقت بیان کی، مگر آجکل مشائخ کی حالت یہی ہے کہ سب کو ایک ہی وظیفہ، ایک ہی ورد دیدیتے ہیں، یہ سب باتیں

فن سے واقف نہ ہونے کی بدولت ہورہی ہیں، تصوف کو ان لوگوں نے بدنام کردیا ہے، تصوف کی جو حقیقت حضورﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی، اُس کو تو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے، شیخ کو تو ایسا حکیم ہونا چاہیے، جیسے ایک بزرگ کے پاس ایک شخص مرید ہونے گئے، بزرگ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ مال ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو مال سے محبت ہوگی، عرض کیا کہ روپیہ ہیں، فرمایا، اُنکو علیحدہ کرکے آؤ، عرض کیا، بہت اچھا، دریافت فرمایا کہ کس طرح کروگے، عرض کیا کہ مسکینوں کو دیدونگا، فرمایا کہ اس میں تو نفس کو لذت ہوگی کہ ہم نے تو بڑی سخاوت کی، دریا میں پھینک کر آؤ، عرض کیا کہ بہت اچھا، دریافت فرمایا کہ دریا میں کسطرح پھینکو گے، عرض کیا کہ ایکدم سب کو لیجاکر پھینک آؤنگا، فرمایا، نہیں، ایک ایک روپیہ روز پھینک کر آؤ، تاکہ نفس پر روزانہ آرہ چلا کرے، یہ ہے شیخ ہونے کی شان، امراض کا علاج مثل طبیب کے کرتے ہیں۔

سب کو ایک ہی لکڑی سے نہیں ہانکتے، بعض طالبوں سے مال کو جدا کراتے ہیں اور بعض کو مال جمع کرنے کو کہتے ہیں، بعض مشائخ نے تو سلطنت تک ترک کرادی، جس کو آج انتہائی معراج کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور جس کے پیچھے دین وایمان قربان کرنے کو تیار ہیں، معلوم بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اصل راز یہی ہے کہ وہ دنیا کو قلب سے نکالیں، اگرچہ ہاتھ میں بقدر ضرورت رہے، قلب تو بس حق تعالیٰ ہی کے رہنے کی جگہ ہے، صاحب، قلب کو صاف رکھو، نہ معلوم، کس وقت نورحق اور رحمت حق قلب پرجلوہ گر ہوجائے۔ (صفحہ ۷۶-۷۷)

شیخ کی صفات

ایک سلسلۂ گفتگو میں حضرت شیخ اکبرؒ کا قول نقل فرمایا کہ شیخ وہ ہے، جس میں دین انبیاء کا سا ہو، تدبیر اور تجویز طبیب کی سی ہو اور سیاست داروگیر ومحاسبہ بادشاہوں کا سا ہو۔ (صفحہ ۷۹ جلد دوم)

دولتمندوں سے دور رہنے کی تلقین

فرمایا، میں حیدرآباد دکن گیا تھا، بعض مخلص احباب نے مجھ سے اجازت لی

کہ ہم نواب صاحب سے ملاقات کرانے کی کوشش کریں۔ مگر میں نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ سلاطین میں سے ہیں، اسلئے انکو تو کوئی نفع نہ ہوگا اور ہم کو اُن سے جو نفع ہو سکتا ہے، وہ بقدر ضرورت اللہ نے دے رکھا ہے، میں نے اس ملاقات کو پسند نہیں کیا، اسلئے میں احتیاط کرتا ہوں اور بڑے دنیا داروں کو میں مرید نہیں کرتا، ایک ہندی مقولہ مشہور ہے کہ حاکم کی اگاڑی اور گھوڑے کی پچھاڑی سے دور رہنا ہی بہتر ہے، گھوڑا پیچھے سے لات مارتا ہے بادشاہ آگے سے ہاتھ مارتا ہے۔ (صفحہ ۸۱)

نفس کی ہر وقت نگرانی کرنے کی ضرورت۔ ایک واقعہ

فرمایا، فرد کو ہر وقت اپنے نفس کی دیکھ بھال اور نگرانی میں لگا رہنا چاہئے، یہ نفس کمبخت ہر رنگ میں مارتا ہے، حتیٰ کہ دیندار کو دنیا میں دین کا رنگ دکھا کر، مبتلا کردیتا ہے، خیر جو کچھ بھی ہو اور جس وجہ سے بھی ہو، سخت ضرورت ہے، نگرانی کی، کسی کو بھی بے فکر نہ ہونا چاہئے، اس پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ (شاہ ولی اللہؒ کے فرزند ارجمند۔ مرتب) کو ایک غریب فرد نے ایک دھیلا بطور ہدیہ پیش کیا، حضرت شاہ صاحب نے یہ عذر کیا کہ تم غریب ہو، تم سے کیا لیں، وہ بیچارا خاموش ہوگیا، مگر حق تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی، حضرت شاہ صاحب کے فتوحات بند ہوگئے، فکر ہوئی، غور کیا، دعا کی، قلب پر وارد ہوا کہ اُس دھیلے کے لوٹانے سے ایسا ہوا ہے، اس شخص سے وہ دھیلا مانگو، چنانچہ مانگا، اس کے بعد فتوحات کا دروازہ کھلا، بعض لوگ فخر کرتے ہیں کہ گناہوں پر بھی ہماری نسبت باطنی باقی رہتی ہے، وہ آنکھیں کھولیں کہ کیسی بات پر عتاب ہوگیا، جس میں معصیت کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا، لیکن واقع میں عتاب کی بات ضرور ہوگی، شاید قبول نہ ہونے کا سبب نفس کا ترفع ہو، جس کا عنوان نفس نے اس مصلحت کی صورت میں تراش لیا ہو، اس لئے میں کہتا ہوں کہ نفس کی نگرانی کی سخت ضرورت ہے۔ (صفحہ ۸۲)

نفس کے بہلانے سے معاملہ کے بعض اہم پہلوؤں پر نگاہ کا نہ جانا

فرمایا، کوئی زہد اور تقوے کا کیا دعویٰ کر سکتا ہے، کیا کوئی علم پر ناز کر سکتا ہے، وہاں ناز سے کچھ کام نہیں چل سکتا، نیاز کی ضرورت ہے (دیکھئے اوپر کی حکایت میں کتنے بڑے شخص کی نظر سے ایک بات مخفی رہ گئی) یہ مسئلہ حضرت حاجی صاحب

رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں حل ہوا کہ نفس کے اغویٰ سے بعض اوقات نظر معاملہ کے ضروری پہلو تک بھی نہیں پہونچتی، چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے جب کوئی عرض کرتا کہ حضرت نوکری چھوڑ دوں، اس پر حضرت فرماتے کہ نوکری مت چھوڑو، کام میں لگو، جب کام کروگے (یعنی کثرت کے ساتھ ذکر وفکر کروگے۔ مرتب) تو خود بخود نوکری چھوڑ دوگے اور وہ وہ وقت ہوگا کہ اس چھوڑنے کی ہمت پیدا ہوگی اور بغیر کام کئے ہر فرد میں ہمت پیدا نہ ہوگی تو ممکن ہے کہ اسے چھوڑنے سے ایسی پریشانی ہو، جو دینی اعتبار سے مضر ہو۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت میرا ایک جگہ ملازمت کا تعلق ہے، اگر حضرت اجازت فرمائیں تو چھوڑ دوں، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ مولوی صاحب، ابھی تک تو آپ پوچھ رہے ہیں، یہ پوچھنا، خود دلیل ہے شک وتردد کی، اور شک دلیل ہے خامی کی اور خامی کی صورت میں ملازمت کا چھوڑنا، قلب کی پریشانی کا موجب ہوگا اور جس وقت قلب میں قوت پیدا ہوجائے گی، اُس وقت ملازمت خودبخود چھوڑ دوگے، اگر کوئی روکے گا بھی تو نہ مانوگے۔ (صفحہ ۸۳ جلد دوم)

دوسروں کے قصوں میں نہ پڑنے کی نصیحت

فرمایا مولوی ...... صاحب نے بذریعہ پرچہ آج صبح اپنے حالات سے اطلاع دی تھی۔ میں نے ان کے جواب دیدئے ہیں، انہوں نے ایک بات یہ دریافت کی تھی کہ مجھے کوئی خاص وصیت فرمادی جائے۔ میں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، تعلقات کم کرنے چاہئیں۔ خواجہ صاحب نے دریافت کیا کہ تعلقات سے حضرت کی کیا مراد ہے۔ فرمایا، ان مولوی صاحب کو دوسروں کے معاملات میں پڑنے اور مشورے دینا کا بہت شوق ہے۔ فرد کو آزاد ہو کے رہنا چاہئے، عرض کیا کہ اگر کوئی خود مشورہ لے یا کوئی بات پوچھے تو کیا اسے بتانا چاہئے، فرمایا، آج کل تو یہ بھی مناسب نہیں۔ یہ باتیں تجربہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی میں راحت ہے کہ فرد دوسروں کے قصوں اور جھگڑوں میں نہ پڑے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ کنجے بے ددو بے دام نیست　　جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

(دنیا کا کوئی کونہ درندوں اور کشمکشوں سے خالی نہیں ہے بجز خلوت حق کے کہیں حقیقی راحت نہیں)۔(صفحہ ۸۵)

راہ سلوک میں طالب، تحقیقات کی فکر میں نہیں ہوتا

فرمایا،بعض لوگوں کوتحقیقات کا بہت شوق ہوتا ہے، وقت بیکار کھوتے ہیں، کام میں لگنا چاہئے (یعنی ففروا الی اللہ، اللہ کی طرف دوڑو، کثرت سے ذکر کرو۔ مرتب) محض تحقیقات سے کیا ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ تحقیقات سے فن کی تدوین ہوجائے گی، مگر نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ اگر آدمی کام کرے تو تحقیق بھی خودبخود ہوجاتی ہے، بلکہ ایک خاص بات یہ مشاہدے کی ہے کہ جو شخص کام نہ کرے، وہ سوال بھی نہیں کر سکتا ہے، سوال بھی کام کرنیوالا ہی کر سکتا ہے تو وہ تحقیقات ہی کیا کریگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کام نہ کرنے والے کے سوال پر جو جواب ہوگا، پھر اس کو اپر شکوک وارد ہونگے پھر ان شکوک کے جواب کی ضرورت ہوگی،بس وہ اسی کام کا ہو کردہ جائے گا اور کام کرنیوالے کو جوجواب ملیگا، اسمیں شبہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس کو حالت مشاہد ہوگی، وہ تکذیب کرنہیں سکتا۔ بخلاف کام نہ کرنیوالے کے کہ صرف قال ہی قال ہے، حال نہیں، اس لئے اسکو شکوک پیش آئینگے، غرض کام کے بغیر تحقیق سے خلجان اور بڑھتا ہے۔ (صفحہ۸۶)

خرید وفروخت کے شرعی مسائل
کا علم ہونا ضروری ہے

فرمایا،حضرت عمر فاروقؓ نے حکم فرمایا تھا کہ بازار میں تجارت کیلئے وہ فرد بیٹھے، جو فقیہ ہو، مطلب یہ تھا کہ جو لوگ بھی آکر اُس سے مال خریدیں گے،چونکہ ان سب کو خرید وفروخت کے معاملات سے واسطہ پڑے گا تو وہ سب کے سب بھی فقیہ ہوجائیں گے، اس تدبیر سے سارے ملک کو درسگاہ اور خانقاہ بنا دیا تھا۔ بڑی لطیف تدبیر تھی، حکومت سے سب کام سہولت سے بن سکتے ہیں،اسکی تائید میں حکایت بیان فرمائی کہ عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ نے طلباء کو پریشان دیکھ کر قصد کیا کہ ان کا کہیں

ٹھکانا کریں اور بیت المال پر بار نہ ہو، ایک روز بیٹھے ہوئے حوض پر وضو کررہے تھے،ایک رئیس بھی وہاں پر موجود تھے، ان سے امتحاناً ایک مسئلہ دریافت کیا، وہ بیچارے مسئلہ کیا بتا سکتے، وہ کیا جانیں کہ مسئلہ کیا چیز ہے، نہ بتا سکے، عالمگیر بہت خفا ہوئے کہ شہر میں اسقدر اہل علم اور طلبہ موجود ہیں تم سے یہ نہیں ہوتا کہ اُن سے مسائل پوچھ کر یاد کر لیا کرو، اسی روز تمام امراء میں کھلبلی مچ گئی، اہل علم اور طلبہ کی قدر ہوگئی، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایک ایک کو اپنے یہاں رکھ لیا، حکومت کا یہ اثر ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں فرمایا،یہ جو مشہور ہے کہ وزیر عاقل ہونا چاہئے، اگرچہ بادشاہ بیوقوف ہو، محض غلط ہے۔ بادشاہ کا عاقل ہونا ضروری ہے، ورنہ بادشاہ کو وزیر کا تابع ہوکر رہنا پڑیگا تو اس صورت میں وزیر بادشاہ اور بادشاہ وزیر ہوگا۔ (صفحہ۸۶)

مسجد کی تعمیر میں ہندوؤں کی دی گئی
امداد کے استعمال کا سوال

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر کوئی ہندو مسجد میں بطور امداد کے دیدے تو اسے لینا چاہئے یا نہیں اور اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ فرمایا، جائز ہے، پھر دریافت فرمایا کیا، کیا کوئی ہندو ایسا ہے، جو مسجد میں چندہ دینا چاہتا ہے۔ عرض کیا، کئی شخصوں نے خواہش ظاہر کی، مگر بغیر مسئلہ پوچھے لینا مناسب نہیں سمجھا، فرمایا، اگر لیا جائے تو دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، ایک تو یہ کہ وہ دینے والے ایسے نہ ہوں کہ دے کر احسان جتائیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے مسلمان متاثر ہوکر اُن کے مذہبی چندہ میں شریک نہ ہونے لگیں۔ اس خیال سے کہ انہوں نے ہمارے یہاں چندہ دیا تھا، ہمکو بھی دینا چاہئے، ممکن ہے کہ وہ مندر بنانے لگے تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے مسجد میں دیا تھا،تم مندر میں دو، سو ایسی جگہ سے چندہ لینا بھی جائز نہیں اور اگر ان باتوں کا اندیشہ نہ ہو تو لے لیا جائے، کوئی حرج نہیں اور یہ قرائن سے معلوم ہوسکتا ہے، عرض کیا گیا کہ اسکا تو احتمال ہے کہ شاید ایسا ہو کہ وہ اپنے مذہبی چندہ میں شریک کریں، فرمایا تو ایسی صورت میں لینا جائز نہیں۔ (صفحہ۸۸)

دنیا میں انہماک، ظلمات کا موجب ہے

فرمایا، انہماک فی الدنیا نہایت ہی مبغوض چیز ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں "یاایھاالذین آمنوا لاتلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ" اے ایمان والو، تم کو تمہارا مال اور تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے) اور بعض بزرگوں نے یہاں تک بیان کیا ہے کہ دنیا سے نفرت کی غرض سے بھی کبھی اُسکی طرف توجہ نہیں ہونا چاہیے، اسمیں تو کدورت ہی کدورت ہے، اس دنیا کی طرف جس غرض سے بھی توجہ کی جائے، ظلمات سے خالی نہیں، بس سب سے بہتر نسخہ یہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، کام میں لگا رہے، انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن ایسا آئے گا کہ قلب سے یہ چیزیں خود بخود کافور ہوجائیں گی اور حق ہی حق جلوہ گر رہ جائے گا، البتہ اگر کسی طالب کی خاص طبیعت کی وجہ سے شیخ اس کے لیے دنیا کی خرابیوں کا مراقبہ تجویز کرے، وہ ضرورت کا موقع اس کلیہ سے مستثنےٰ ہے۔ (صفحہ ۹۳)

ذکر کے لئے سازگار حالات کا انتظار رہنا خسران عظیم ہے

فرمایا، لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے، چاہتے یہ ہیں کرنا تو کچھ نہ پڑے اور سارے کام از خود بن جائیں، اور بعض افراد شب وروز اس انتظار میں رہتے ہیں کہ فلاں کام سے فراغت حاصل ہوجائے، فلاں مقدمہ سے نمٹ لیں، فلاں کی شادی سے فارغ ہوجائیں، تب اللہ کا ذکر شروع کریں گے، چونکہ ایسی فراغت میسر نہیں ہوتی، اسلئے ایسا شخص کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، وہ محروم ہی رہتا ہے اور ایک دن موت آکر اس کا کام تمام کردیتی ہے اور وہ یاس اور حسرت کی حالت میں خسران کی گٹھری سر پر رکھے ہوئے اس عالم سے رخصت ہوجاتا ہے، کام کرنیکی صورت تو یہی ہے کہ مصروفیتوں کے ہوتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اُسکی برکت سے فراغت بھی میسر ہوتی جائی گی، ورنہ تمہارا آجکل کرنا ایسا ہے جسکو فرماتے ہیں۔

ہر شے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم　　　باز چوں فرداشو وامروز رافردا کنم

(ہر بار یہ ارادہ کرتا ہوں کہ کل کو اس گناہ کو چھوڑدوں گا پھر جب کل کا دن ہوتا ہے تو پھر کل ہی کا ارادہ کرتا ہوں۔) (صفحہ ۹۳)

دنیا کے تفکرات
(ایک واقعہ کے حوالے سے تفہیم)

صاحبو! جو لوگ اس آرزو میں بیٹھے ہیں کہ فراغت میسر ہو تو اللہ کی یاد میں لگیں اور بے فکری ہو تو اس طرف متوجہ ہوں، یہ غیر ممکن ہے، اللہ سے تعلق کے بغیر بے فکری پر ایک قصہ یاد آگیا، ایک شخص تھا، اُسکو خضر علیہ السلام سے ملنے کی بیحد تمنا تھی، ایک بار ملاقات ہوگئی، فرمایا، ملاقات سے تیری غرض کیا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضرت، میرے لئے دعا کیجئے کہ میں دنیا میں بے فکر ہوکر زندگی بسر کروں، خضر علیہ السلام نے فرمایا، اسکی صورت صرف یہی ہوسکتی ہے کہ کسی شخص کو منتخب کرکے دعا کرالے کہ تو ایسا ہوجائے، جیسا فلاں شخص ہے، اُس نے منظور کیا اور مدت کے بعد، کہیں ایک جوہری کو منتخب کیا، جس کو بظاہر کوئی فکر اور غم نہ تھا اور اُس کو عیش کا تمام سامان میسر تھا، ارادہ کیا کہ ان جیسی حالت کی دعا کرالوں، پھر خیال کیا کہ خود اس سے تو پوچھ لوں، کبھی ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مخفی مصیبت میں مبتلا ہو اور میں بھی اُسی میں مبتلا ہوجاؤں، آخر اس سے مل کر پوچھا کہ یہ واقعہ ہے اور میں حضرت خضر علیہ السلام سے یہ دعا کرانا چاہتا ہوں، اسلئے تمہاری حالت کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں، اُس نے ایک آہ سرد بھری اور کہا، کیا پوچھتے ہو، جائداد بھی ہے، مال بھی ہے، جاہ بھی ہے، عزت بھی ہے، مگر ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہوں کہ خدا دشمن کو بھی نہ دے اور قصہ بیان کیا کہ مجھ کو اپنی بیوی سے عشق کی حد تک محبت تھی، وہ بیمار ہوگئی، میں رونے لگا، اُس نے کہا کہ تم خواہ مخواہ روتے ہو، میرے بعد دوسری شادی کرلوگے، میں نے یقین دلایا کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا، اُس نے کہا، سب باتیں ہی ہیں، میں نے اُسکو یقین دلانیکے لئے اپنا عضو مخصوص کاٹ کر اُسکے سامنے رکھدیا کہ لے، اب تو یقین آئے گا، اس کے بعد یہ ہوا کہ وہ صحتیاب ہوگئی، اب مجھے جو غم ہے، بیان نہیں ہوسکتا۔ اتفاق سے پھر خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اُس نے عرض کیا

کہ حضرت، واقعی دنیوی زندگی بے فکری کی نہیں ہو سکتی، اب یہ دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ آخرت درست کر دے۔ (صفحہ۹۴)

اسلام پر عمل پیرا ہونا
دعوت و تبلیغ کی مؤثر صورت ہے

فرمایا، ہمارے کچھ بھائی دوسروں پر الزام رکھتے ہیں کہ فلاں قانون تکلیف کا ہے، فلاں آئین کی رُو سے نماز کی فرصت نہیں ملتی، لیکن اصل یہ ہے کہ ساری خرابیوں کے ذمہ دار، خود مسلمان ہی ہیں، یہ خود ہی احکام سے دور ہیں، پھر جب خود ہی ان کے قلوب میں شرعی احکام کی وقعت وعظمت نہیں اور خود ہی ان کی پابندی واحترام نہیں کرتے تو دوسری قومیں کیا احترام کریں گی اور ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے، مثلاً مسلمانوں میں نماز کی پابندی نہیں، داڑھی منڈانا ان کا شعار ہوگیا۔ دوسری قومیں بعض ایسی چیزوں کی پابند ہیں، جو بظاہر نہایت دشوار ہیں، مگر چونکہ ایک قوم کی قوم اُس کی عامل اور پابند ہے، اس میں کوئی بھی مداخلت نہیں کرتا، حتیٰ کہ حکومت بھی کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرتی، دیکھ لیجئے، سکھوں کی قوم کہ وہ داڑھی رکھنے کے پابند ہیں، اُن پر نہ پولیس، نہ فوج میں کوئی بھی اعتراض نہیں کرتا، ہماری شکایت واقع میں اپنا قصور دوسروں کے سرمنڈھنا ہے، اگر مسلمان فی الحقیقت مسلمان بن جائیں تو پھر آپ دیکھیں گے کہ ایک دم کایا پلٹ ہوجائیگی اور سب ان کے سامنے سر جھکادیں گے، ایک سیاح انگریز کا واقعہ ہے، اُس نے ایک کتاب فضائل اسلام پر لکھی ہے، یہ رسالہ ترجمہ ہو کر ندوہ کے ایک پرچہ میں نکلا تھا، اُس انگریز نے عرب کی بھی سیر کی ہے، یہ جب عرب پہونچا ہے تو اس نے چند بدوی ملازم رکھے، جو سفر میں بطور رہنما کے اس کے ہمراہ چلتے تھے، آگے آگے یہ انگریز ہوتا تھا، پیچھے پیچھے بدوی، سب گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے، ایک مرتبہ سب سوار گھوڑوں پر چلے جارہے تھے، ایک مقام پر پہونچ کر نماز کا وقت ہوگیا، اُن بدویوں نے اس انگریز کی اطلاع یا اجازت کے بغیر دفعتۃً گھوڑے روک لئے اور اُتر کر وضو کرکے نماز پڑھنا شروع کردی۔ انگریز نے پشت کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ گھوڑے کھڑے ہیں اور

بدوی صف باندھے نماز پڑھ رہے ہیں، اس انگریز کے سامنے نماز پڑھنے کا یہ پہلا موقع تھا، وہ اس میں لکھتا ہے کہ میں اُس وقت اُن کی صف سے الگ کھڑا ہوا، خود اپنی نظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اپنے آقا کا سرکش غلام ہوں اور یہ فرمان بردار غلام ہیں، یہ شریف ہیں اور میں ذلیل ہوں، اُسوقت میں اپنی حالت کو ایک کتے سے بدتر پاتا تھا اور بے اختیار دل چاہتا تھا کہ میں بھی اُن کی صف میں داخل ہوجاؤں، پھر لکھتا ہے کہ اسی روز سے اسلام کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی اور فضائل اسلام پر یہ کتاب تصنیف کی۔ اس واقعہ سے مسلمانوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے، اگر یہ خود احکام اسلام اور شعائر اسلام کے پابند ہوجائیں تو دوسروں پر اس کا اثر خود بخود ہوگا، یہ بھی ایک نہایت زبردست تبلیغ ہے، ایک پادری نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کے سامنے شرمندہ نہیں، سرخرو ہیں، بخلاف دوسری قوموں کے، غرض دوسروں کو بھی اسلام کی خوبیوں کا اقرار ہے۔ (صفحہ۹۴-۹۵)

بلاضرورت گفتگو سے قلب پر ظلمت کا برپا ہونا

فرمایا، بلاضرورت کلام کرنے سے قلب پر ظلمت طاری ہوتی ہے اور ضرورت سے اگر کلام ہو، اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو، اُس سے ظلمت نہیں ہوتی، مثلاً ایک کنجڑہ سارا دن یہ کہتا پھرے کہ خربوزے لیلو، اس سے رائی برابر بھی ظلمت نہ ہوگی اور بلاضرورت اگر یہ بھی پوچھ لے کہ کب جاؤ گے تو اس سے بھی قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ (صفحہ۹۸)

گوشہ نشینی کے خیال کا غالب آنا

فرمایا، ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ تنہائی ہو اور اللہ اللہ ہو اور اسکے لئے جنگل تجویز کیا گیا کہ ایک جھونپڑی بنا کر اُس میں رہوں گا۔ اس لئے کہ بستی میں رہنے سے ہجوم کے سبب دل گھبراتا تھا، مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال ہوا کہ بزرگوں سے پوچھے بغیر کوئی کام کرنا اچھا نہیں، میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے دریافت کیا، حضرت نے اجازت نہ دی، دو وجوہ سے، ایک تو یہ کہ اس میں شہرت زیادہ ہوگی، دوسرے یہ کہ اپنے بزرگوں کے طریقہ کے خلاف ہے، میں نے عرض کیا کہ نقصان یہ ہے کہ

آنے والے دق کرتے ہیں، کام نہیں کرنے دیتے، اب اس کی دو صورتیں ہیں، اگر اُن کی طرف التفات کیا تو اپنا حرج ہوتا ہے اور اگر التفات نہ کیا جائے تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ سب کو جھاڑو مارو، اپنے کام میں لگے رہو، مطلب یہ ہے کہ ان کی دل شکنی کو دیکھیں یا اپنی دین شکنی کو۔ بزرگوں کے مشورہ میں بڑی برکت ہوتی ہے۔(صفحہ۹۹)

(واضح ہو کہ یہ متوسط صوفی کی حالت ہے، جسے لوگوں سے رابطہ اور ملاقات وغیرہ سے الجھن ہوتی ہے۔ اور اس پر گوشہ نشینی کا خیال غالب رہتا ہے۔ مرتب)

ملفوظات کی اہمیت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وعظ زیادہ نافع ہے یا ملفوظ، فرمایا، ملفوظ زیادہ نافع ہوتے ہیں، اسلئے کہ ملفوظ میں طالب کی خاص حالت پر گفتگو ہوتی ہے، البتہ وعظوں میں سے اگر اپنے حسب حال انتخاب کر لیا جائے تو اس سے بھی انشاء اللہ بہت نفع ہوگا۔ (صفحہ ۹۹)

روحانی امراض سے بے نیازی کا مرض

فرمایا، ایک تو ہوتا ہے کبر اور ایک ہوتی خجلت یعنی خلاف عادت ہونے پر جو انقباض ہو، اُس کو خجلت کہتے ہیں، وہ تکبر نہیں، مثلا ایک حالت اس کی عادت سے ارفع ہے جیسے اس شخص کا جلوس نکالیں تو اگر اس سے اسکو نفرت ہے تو اسکو تکبر نہ کہیں گے، خجلت کہیں گے اور اگر اسکا عکس ہو کہ بازار میں سر پر سامان رکھکر چلنے میں تو شرماتا ہے اور جلوس نکلنے سے نہیں شرماتا، اگر یہ بھی خلاف عادت ہوتو اس کو تکبر کہیں گے اور اگر دونوں میں شرمائے تو تکبر نہیں، حجاب ہے۔ فرمایا کہ آج کل روحانی امراض کو تو لوگ امراض ہی نہیں سمجھتے، میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ تم میں کبر کا مرض ہے، اپنی خبر لو، وہ نہیں مانا، پانچ برس کے بعد اس نے خود اقرار کیا کہ آپ سچ کہتے تھے، مجھ میں واقعی کبر کا مرض موجود ہے، میں نے کہا کہ بندۂ خدا، اگر اُسوقت مان لیتے تو جب سے تو کیا سے کیا ہوجاتا، مگر اتنے زمانہ تک گوگو حالت میں رہے، ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض لوگوں کو شیوخ

کی تقلید سے عار آتی ہے، وہ طریقت میں ہوتے ہوئے غیر مقلد ہوجاتے ہیں، مگر اس طریق میں سارا مدار اعتماد پر ہے، مگر بعض کو نہیں ہوتا، حالانکہ اعتماد بڑی چیز ہے۔(صفحہ ۹۹)

علماء وفقہا کو کسی کی شہادت سے دور رہنا چاہئے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علامہ شامی نے تو یہاں تک نقل کیا ہے کہ فقہا اور علماء کو کسی کی شہادت بھی نہ دینی چاہئے، اس کا راز یہ ہے کہ ان کو سب مسلمانوں سے یکساں تعلق رکھنا چاہئے، جب کہ شہادت میں وہ ایک فریق میں شمار ہوجائیں گے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ (وہ یعنی علماء کرام) کسی کی دعوت نہ کھائیں، اسکا راز یہ ہے کہ آج کل اس میں ذلت ہے، واقعی یہ حضرات فقہا حقیقت کو سمجھتے ہیں، یہ حکیم ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ والد صاحب کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے، ایسی تعلیمات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ تھے، جب کبھی کہیں دعوت ہوتی تو وہ ہم کو ساتھ نہ لیجاتے تھے، جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے کہ چھوٹے بچوں کو ساتھ لے لیتے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ ان کو عادت ہوجائے گی۔ (صفحہ۹۹)

حرص وغیرہ کا طبعی امور ہونا

فرمایا، حرص وغیرہ طبعی امور ہیں، طبعی امور کے تقاضہ پر ملامت نہ ہوگی، ہاں اگر فرد اسکے تقاضے پر عمل کرے گا تو ملامت ہوگی اور ایسے امور میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں، جو چیز درمیانی توجہ سے یا شیخ کی تنبیہ سے سمجھ میں آجائے، اسکا علاج کرلے، باقی جو چیز اصل ہے، یعنی توجہ الی اللہ، اُس میں لگنا چاہئے۔ (صفحہ۱۰۰)

غصہ کی، تکبر سے نسبت

(ایک سوال کے جواب میں)

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، کیا غصہ تکبر کی وجہ سے آتا ہے، فرمایا، نہیں، حضور ﷺ کو بھی غصہ آتا تھا تو کیا نعوذباللہ، وہاں بھی یہی منشا تھا، کبھی غیرت اسکا منشا ہوتا ہے، دینی یا دنیوی غیرت۔ کبھی طبعی کمزوری اس کا سبب ہوتا ہے، ان دونوں میں کبر کا کوئی دخل نہیں، البتہ اگر اُس غصہ کے تقاضے پر اس طرح عمل کیا جائے کہ وہ شرعی حدود سے گذر جائے تو وہ تکبر ہے، باقی طبعی امور میں

انسان معذور ہے۔ (صفحہ ۱۰۹)

باطنی اصلاح کے سلسلہ میں صحابہ کرام کی تدابیر

فرمایا، بیکار وقت کھوتے ہیں، کام کی ایک بات نہیں، ایک بزرگ نے بلاضرورت کسی سے کوئی سوال کر لیا تھا، اس پر تنبیہ ہوئی، تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے فضول سوال کیوں کیا، بڑی ضرورت ہے صحبت کامل کی، اس کے بغیر دین کی حفاظت مشکل ہے، بزرگوں نے حفاظت دین کا بڑا اہتمام کیا ہے، خود حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اس حفاظت کا کس قدر اہتمام تھا، حضرت علیؓ نے جمعہ کے روز نیا کرتہ پہنا، پھر قینچی لیکر کلائی پر سے استین کاٹ ڈالی، کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ محض اس لئے کاٹ دی کہ میں اس کو پہنکر اپنی نظر میں اچھا معلوم ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو لوگوں نے دیکھا کہ مشک لئے ہوئے گھروں میں پانی بھرے پھرتے ہیں، وجہ پوچھنے پر فرمایا، رومی قاصد نے میرے عدل کی مدح کی تھی، اُسکا علاج کر رہا ہوں، سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو حضرت عمرؓ نے اپنی زبان ہاتھ میں لئے مروڑتے دیکھا اور پوچھنے پر فرمایا، ھذا اوردنی الموارد آخر یہ کیا چیز ہے، اگر صحابہ سے یہ چیزیں منقول نہ ہوتیں تو خشک لوگ یہ کہتے کہ ان صوفیوں کو جنون ہوگیا ہے اور ان کو تو اب بھی کہتے ہیں، اتنا اہتمام تھا، حضرات صحابہ کو، جب کامیابی ہوسکی، اب ذرا وہ لوگ وجہ اس کی بتلائیں، جو اس طریق کو بدعت کہتے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ ہم نے امراض نفسانی کو پہچانا ہی نہیں، اگر پہچانتے تو کچھ تو اہتمام کرتے۔ (صفحہ ۱۱۱)

محبت پیدا کرنے کا طریقہ

فرمایا، محبت پیدا کرنے کا بہت ہی سہل طریقہ ہے، میں نے ایک امی بزرگ سے پوچھا تھا کہ خدا سے محبت کس طرح پیدا ہو، فرمایا کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی کو آپس میں ملا کر رگڑو، میں نے ایسا ہی کیا، دریافت فرمایا کہ کچھ گرمی معلوم ہوئی، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، گرمی معلوم ہوئی، فرمایا، بس یہی طریقہ ہے محبت پیدا کرنیکا، کثرت سے اللہ اللہ کرکے قلب کو رگڑا کرو، محبت پیدا ہوجائیگی۔ (صفحہ ۱۱۱)

بزرگوں کا عاقل ہونا

فرمایا، بعض بزرگ بھولے ہوتے ہیں، مگر بیوقوف نہیں ہوتے، بھلا جس نے اپنے مالک کو راضی کر لیا یا راضی کرنے کے اہتمام میں لگ گیا، اُس سے زیادہ کون عاقل ہوگا اور جو شب و روز اپنے مالک کی نافرمانی اور گستاخیوں میں لگا ہو، اس سے زیادہ کون بیوقوف ہوگا، غرض نہ وہ بیوقوف ہوتے ہیں، نہ دیوانے ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۱۱۱)

اللہ پر نظر رکھنا چاہئے

فرمایا، بھولے پن پر یاد آیا، ایک مرتبہ وہی امی بزرگ جن کا ذکر اوپر کے ملفوظ میں ہے، کانپور مدرسہ میں تشریف لائے، مدرسہ کا کام محض توکل پر تھا، میں نے کہا کہ حضرت، اس مدرسہ کی کوئی مستحکم بنیاد نہیں، دعا کیجئے، فرمایا کہ تم تو مولوی ہو، جانتے ہو کہ کائنات کا یہ سارا کارخانہ حق تعالیٰ کی قدرت سے چل رہا ہے، قدرت سارے عالم کو سنبھالے ہوئے ہے تو کیا جو قدرت اتنے بڑے عالم کے کارخانہ کو سنبھالے ہوئے ہے، وہ تمہارے مدرسہ کو نہ سنبھال سکی گی، اللہ پر نظر رکھو، یہ فرما کر دعا فرمائی، کیا ٹھکانہ ہے اس عقل کا۔ (صفحہ ۱۱۲ جلد دوم)

غصہ میں انتقام کی حالت کا پیدا ہونا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کبھی غصہ طبیعت کی کمزوری سے بھی ہوتا ہے، ہمیشہ تکبر ہی سبب نہیں ہوتا، جیسے چمار کبھی اپنے سے بڑے پر بھی غصہ کرتا ہے، حالانکہ وہاں تکبر کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تو اُسکا وہ غصہ بیحد اذیت پہونچنے کے بعد ہوتا ہے، البتہ اگر غصہ میں انتقام حد سے گذر جائے تو ناجائز ہے۔ اور وہ اکثر تکبر سے ہوتا ہے۔ (صفحہ ۱۱۵)

فضول خرچی سے بچنے کے ثمرات

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر آدمی فضول خرچی سے بچے تو بڑی برکت ہوتی ہے، فضول خرچی بڑی مضر چیز ہے، اس کی بدولت مسلمانوں کی جڑ ہی کھوکلی ہوگئی، میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ تھوڑے سے بخل کے بغیر انتظام نہیں ہوسکتا اور وہ اگرچہ بظاہر بخل ہے، لیکن حقیقی بخل نہیں اور اگر حقیقی بھی ہو تو وہ

بھی اسراف کی طرح بُرا ہے، مگر اسراف اُس سے زیادہ بُرا ہے، جس چیز کا انجام پریشانی ہو، وہ اس سے بُری ہے، جس سے پریشانی نہ ہو، جیسے یہی دونوں چیزیں ہیں، بخل اور اسراف کہ ایک سے پریشانی ہوتی ہے، ایک سے نہیں ہوتی، اسکے علاوہ ایک اور بات بھی ہے، وہ یہ کہ بخیل آدمی زیادہ حریص نہیں ہوتا، اس پر ممکن ہے کہ کوئی صاحب شبہ کریں کہ حریص تو ہوتا ہے اور میں بھی مانتا ہوں کہ ہوتا ہے، مگر ایسا حریص نہیں ہوتا کہ اپنے دین کو قربان کردے، جب کہ فضول خرچی کرنے والے سے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ دین نہ کھو بیٹھے، ایسے واقعات کثرت سے موجود ہیں کہ اسراف کا نتیجہ کفر ہوگیا، اس کا سبب یہ ہے کہ فضول خرچی والے کی ضروریات زیادہ ہوتی ہیں اور مال ہوتا نہیں، اس لئے وہ دین فروشی بھی کر لیتا ہے، جب کہ بخیل کو یہ اضطرار نہیں ہوتا، اسکے پاس ہر وقت پیسہ موجود ہوتا ہے، اگرچہ وہ خرچ نہ کرے، اضطرار اور عدم اضطرار میں بڑا فرق ہے، خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے حق داد خاں صاحب کو الہ آباد میں ایک تدبیر اُن کی تنگی کی شکایت پر بتائی تھی کہ ایک صندوقچی میں کچھ پیسے ڈالدیا کرو اور اس کو شدید ضرورت کے وقت کھولا کرو، اس تدبیر کی بدولت وہ حج بھی کر آئے، فرمایا، جی ہاں، انتظام عجب برکت کی چیز ہے، اس سے بڑی برکت ہوتی ہے۔ (صفحہ ۱۲۹)

اہل محبت کی بے چینی برداشت نہیں ہوتی

فرمایا۔ اہل محبت کے سلسلہ میں میری طبیعت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ جیسی ہے، کسی اہل محبت کی بے چینی اور بیقراری برداشت نہیں ہوتی، یہی حضرت کی حالت تھی کہ کسی اہل محبت کی بے چینی کو برداشت نہ فرما سکتے تھے، بشرطیکہ خلافِ شریعت نہ ہو۔ (صفحہ ۱۳۲)

شیخ کامل کی ایک علامت

فرمایا، شیخ کامل وہ ہے، جو طالب کی دلجوئی اور تسلی کرتا رہے اور اس کی مایوس سے مایوس حالت کو سنبھالتا رہے، اُس کے دل کو بڑھاتا رہے، اسمیں تو ہم نے اپنے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ کیسا ہی کوئی روتا

ہو آتا، ہنستا ہوا گیا۔ (صفحہ ۱۳۲)

اصلاح کے دو مؤثر طریقے

فرمایا، اگر اہل اللہ کی صحبت میسر آجائے تو بڑی دولت ہے، اسلئے کہ عشاق کے مجمع میں جاکر فرد عاشق ہوجاتا ہے، نمازیوں کے مجمع میں جاکر، وہ خود بخود نمازی ہوجاتا ہے، اسی طرح محبین کے مجمع میں جاکر وہ محبّ ہوجاتا ہے اور اگر کسی وجہ سے محبت پیدا نہ ہوتو اصلاح کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے، وہ خوف ہے، اسکی مثال ایسی ہے کہ اگر حاکم سے محبت پیدا نہ ہو اور خوف ہوتو فرد خوف کے سبب، اس کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا، خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ خوف کس طرح پیدا کیا جائے، فرمایا، یہ کوئی مشکل بات نہیں، جہاں مضرتوں یعنی نقصانات کا مراقبہ کیا، خوف پیدا ہوگیا، وہ مضرتیں یہ ہیں، مثلاً جہنم ہے، قبر ہے، محشر ہے، موت ہے، انکے دھیان اور مراقبہ سے خوف پیدا ہوسکتا ہے۔ بس اس کے لئے دو ہی طریقے ہوئے، ایک محبت، دوسرا خوف، ایک کا حاصل ترغیب ہے اور دوسرے کا حاصل ترہیب ہے۔ (صفحہ ۱۳۵)

مزاج کی شوخی، روح کے زندہ ہونے کی دلیل

فرمایا، ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مزاج کی شوخی دلیل ہے، روح کے زندہ اور نفس کے مردہ ہونیکی، خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور ﷺ بھی مزاح فرمایا کرتے تھے، فرمایا، ہاں، مگر ایک خاص حد تک، زیادہ نہیں، بہت کم، وہ بھی دوسروں کی قلب کی مصلحت سے، ایک مرتبہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے اونٹ مانگا، آپ نے فرمایا کہ تجھ کو اونٹنی کا بچہ دونگا، عرض کیا کہ حضور بچہ کیا کرونگا، فرمایا کہ اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ (صفحہ ۱۳۹)

خیال، اس کی قوت اور اس کے کرشمے

فرمایا، بعض اوقات سالک کو کسی کیفیت کے پیدا ہوجانے پر خیال ہوتا ہے کہ میری یہ حالت راسخ ہو چکی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا، بلکہ وہ خیالی قوت کا تصرف ہوتا ہے، جس کو دوام حاصل نہیں ہوتا، پھر طالب اسکے زوال پر افسوس کرتا ہے، ایک مولوی صاحب کے سوال پر فرمایا کہ خیالی قوت بڑی عجیب چیز ہے، بعض واقعات

حیرت انگیز ہوتی ہے، ایک پٹواری کی حکایت ہے، جو ایک ثقہ عالم سے سُنی ہے کہ وہ اپنے گاؤں سے تحصیل بوڑھانہ کو چلا، گھر سے بستہ بغل میں لیا اور دوات کا محض خیال ہوگیا کہ ہاتھ میں ہے تو جس طرح ہاتھ میں دوات ہوتی ہے، اسی طرح ہاتھ کو کئے ہوئے بوڑھانہ تک چلاگیا، پھر وہاں پر پہونچ کر اپنے خیال میں دوات، سرائے کی ایک کوٹھری کے طاق میں بھی رکھدی، پھر جب لکھنے کی ضرورت ہوئی تو ڈھونڈنا شروع کیا، وہاں تھی کہاں، بھٹیاری پر خفا ہوئے کہ تیری غفلت سے میری دوات کوئی لے گیا، پھر گھر آکر معلوم ہوا کہ دوات تو گھر ہی رہی، محض خیال ہی خیال تھا کہ دوات ہاتھ میں ہے، بعض واقعات میں خیال کی قوت کو اتنا بڑا دخل ہوجاتا ہے، پھر فرمایا کہ ایک حکایت خواجہ صاحب نے مجھ سے بیان کی تھی، عجیب حکایت ہے کہ ایک شخص باہر سے گھر میں آئے، چھڑی ہاتھ میں تھی، اسوقت ان پر نیند کا غلبہ تھا، سیدھے پلنگ کی طرف پہونچے اور چاہا کہ چھڑی کونہ میں رکھدیں اور خود چارپائی پر لیٹ جائیں، مگر خیال کے تصرف سے چھڑی کو تو پلنگ پر لٹا دیا اور خود مکان کے کونے سے لگ کر کھڑے ہوگئے، ایک شخص نے صاحب واقعہ کا نام بھی بتایا، جو بڑے فلسفی اور ڈاکٹر ہیں، یہ عجیب حکایت ہے، واقعی کسی غلبہ کے وقت ایسی ہی باتوں کا صدور ہوجاتا ہے، جو لوگ اہل حال پر معترض ہیں، وہ ان باتوں کو دیکھیں اور ایسی حالتیں کم وبیش سب کو پیش آتی ہیں، سو فرد حالت غلبہ کیوجہ سے اُسوقت معذور ہوتا ہے، کبھی اس قوت کا کسی ضرورت سے قصدا بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ بخار چڑھا ہوا تھا، نماز کا وقت آگیا، آپ نے لکڑی پر نظر کی، وہ بخار اس پر منتقل ہوگیا، وہ کھڑی کھڑی کانپ رہی تھی اور آپ نے نماز پڑھکر پھر دوسری نظر کرکے، بخار کو اپنے اوپر لے لیا، ایک فعل تصرف تھا ایک فعل عبدیت۔ (صفحہ۱۴۲)

مروجہ مشائخ کی دین فروشانہ روش

فرمایا، آج کل ساری خرابیاں اس وجہ سے ہورہی ہیں کہ جو مصلح اور مشائخ کہلاتے ہیں، وہ طالبوں کے حال پر توجہ کے بجائے چاہتے ہیں کہ لوگوں کی نظر میں

ان کے کمالات میں کوئی کمی نہ آجائے، کہیں لوگ معتقد نہ رہیں یا اموال میں کمی نہ آجائے، میرے نزدیک وہ شیخ خائن ہے، راہزن ہے، جو اللہ کی مخلوق کی راہ مارے اور اپنے اغراض اور مصالح کی بناء پر طالبین کی اصلاح وتربیت نہ کرے، ان لوگوں نے دکانیں جما رکھی ہیں، انہیں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کوئی بُرا نہ کہے، کوئی غیرمعتقد نہ ہوجائے، اچھی خاصی دین فروشی اور مخلوق پرستی ہے، سو ایسے لوگ خود ہی گمراہ ہیں، وہ دوسروں کو کیا راہ بتائینگے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جب آنے والوں کی بُری عادات پر روک ٹوک نہ کروگے، انکی اصلاح نہ کروگے تو پھر تم کس مرض کی دوا ہو، الغرض بے فکری کے مرض سے اس وقت مشائخ بھی خالی نہیں، الا ماشاء اللہ، یہ سب فساد بے فکری کی بدولت پیدا ہورہا ہے، اگر اپنی عاقبت اور دین کی فکر ہو تو ایسا ہرگز کریں اور اسی پر بس نہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھکر خلاف شرع باتیں کرتے ہیں اور انہیں رموز واسرار سمجھا جاتا ہے، اشرار کا نام اسرار رکھا ہے، شرعی احکام میں تحریف کرتے ہیں اور فن تصوف کی تو وہ گت بنائی ہے کہ الامان والحفیظ، مگر اب تو کچھ آنکھیں کھل گئیں، اللہ کا شکر ہے، اب بہت کم لوگ انکے جال میں پھنستے ہیں۔ (صفحہ۱۴۵)

مربی کی تعلیم کی مخالفت کے منفی اثرات

فرمایا، طالب کو مربی کی تعلیم کے کبھی خلاف نہ کرنا چاہئے، ویسے تو اس کی مخالفت سے وقتی نقصان تو ہوگا ہی، مگر اس کی تعلیم کی مخالفت کی وجہ سے خلاف عادت کام کرنے کی جو استعداد پیدا ہوگی، وہ اس قوت استعداد کو ہمیشہ کیلئے فنا کردیگی، پھر مصلح کی موافقت کی نظیر میں فرمایا کہ میرا کل ہی کا واقعہ ہے کہ حکیم صاحب نے مجھے ایک رقعہ لکھا کہ میں کل سے دوائیں چھوڑ دوں، میں نے ایکدم چھوڑدیں، قلب میں اس کا وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا کہ ایکدم سب دوائیں کیوں چھڑا دیں۔ (صفحہ۱۴۸)

نہی عن المنکر کے وقت ناصح کو

مخاطب سے کمتر سمجھنے کی شرط کا ہونا

فرمایا، آجکل غیر اہل فن بھی تو فن میں دخل دیتے ہیں، میں نے ایک صاحب

سے اُن کے دوسرے بے عمل شخص کو نصیحت کرنے پر باز پرس کی تھی تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ امر بالمعروف بھی تو عبادت ہے اور یہاں عبادت کے لئے ہی ٹھیرے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ عبادت کی کچھ شرائط اور حدود ہوتی ہیں یا نہیں، مثلاً نماز بھی تو عبادت ہے، اگر کوئی بے وضو پڑھانے لگے تو کیا صحیح ہوجائے گی، اسی طرح امر بالمعروف کی بھی شرائط ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عین امر بالمعروف کے وقت ناصح اپنے کو مخاطب سے کمتر اور بدتر سمجھے، ایسا شخص امر بالمعروف کرسکتا ہے، کیا تمہاری اُسوقت یہ حالت تھی، کہنے لگے، نہیں، میں نے کہا کہ جب شرط نہ پائی گئی تو پھر عبادت کہاں ہوئی۔ (صفحہ ۱۴۸)

تجویزوں اور غیر ضروری تعلقات کو
چھوڑے بغیر راحت میسر نہیں ہوسکتی

فرمایا، میرا مسلک تو تجویزوں اور تعلقات کو فنا کرنا ہے، تعلقات سے مراد غیر ضروری تعلقات ہیں، اس فناء کے بغیر طالب کو راحت کی زندگی میسر نہیں ہوسکتی۔ (صفحہ ۱۶۱)

کچھ صحابہ کرام کی قدوقامت
اور زیارت کے بارے میں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرات صحابہ کے قدر وقامت اس زمانہ کے لوگوں سے بہت بڑے ہونگے، فرمایا، مجھے بھی یہی خیال ہوا کرتا تھا، مگر مدینہ کے ایک شخص مجھ سے کہتے تھے، عرصہ ہوا، ایک مرتبہ مدینہ کے پہاڑوں میں پانی جمع ہو کر سیلاب کی صورت میں ایکدم چڑھ آیا اور اس نے بہت سے مقامات کو کاٹ ڈالا، مقامات کے علاوہ شہداء احد کی قبریں بھی اس سیلاب سے کٹ گئیں، کثرت سے لاشیں دیکھی گئیں، اُن میں کوئی تغیر نہ تھا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آج ہی دفن کی گئی ہیں، ہزاروں مخلوق نے دیکھا، لاشوں میں ذرہ برابر تغیر نہ ہوا تھا، فرمایا کہ شہید کو اُن ہی کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے، وہ لباس بالکل اسی طرح موجود تھا، کہتے تھے کہ موٹا کپڑا تھا، اسقدر موٹا کپڑا آجکل دیکھنے میں نہیں آتا، میں نے ان سے دریافت کیا کہ اُن حضرات کا قد کیا تھا، کہا کہ اِس وقت کے لوگوں سے زائد فرق

نہ تھا، میں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ میں بھی یہی خیال کرتا تھا کہ شاید اس زمانہ کے لوگوں سے زیادہ فرق ہوگا، مگر معلوم ہوا کہ کوئی زیادہ تفاوت نہیں، تھوڑا سا فرق تھا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ جن لوگوں نے شہداء احد کی لاشوں کی زیارت کی، اس کا حاصل یہ ہوا کہ انہیں صحابہ کی زیارت نصیب ہوگئی، کیا وہ تابعی ہوگئے، فرمایا کہ بعد وفات کے صحابہ کی زیارت کرنے سے فرد تابعی نہیں ہوسکتا۔ (صفحہ ۱۶۹ جلد دوم)

حجت الٰہی کا پورا ہونے کے لئے
انتباہ کا ہوتے رہنا

ایک ملازم لڑکے کے متعلق فرمایا کہ وہ آج پٹا ہے۔ اسکو کسی کام سے بھیجا جاتا تھا تو کئی گھنٹہ کے بعد واپس آتا تھا، پٹنے کے بعد ڈاکخانہ بھیجا، اسقدر جلد آیا کہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید ڈاکخانہ گیا بھی یا نہیں، معلوم ہوا کہ دوڑا ہوا گیا اور دوڑا ہوا آیا۔ ٹھیک ہوگیا۔ مگر یہ اثر دوچار روز تک رہیگا۔ پھر وہی حرکت کرے گا، فرمایا کہ یہی معاملہ بندہ کا حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ اسکو متنبہ کیا جاتا ہے، چند روز تک اثر رہتا ہے، پھر کچھ بھی نہیں اور پھر وہی حرکتیں شروع کردیتا ہے، مگر حجت الٰہی پوری ہوجاتی ہے، فرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو انتباہ نہ ہوا۔ (صفحہ ۱۷۰)

آج کل نقشبندیوں میں بدعات کا کثرت سے ہونا

ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا نقشبندی سلسلہ میں بھی بدعات ہیں اور مروجہ پیرزادگی کا سلسلہ ہے، فرمایا کہ ہاں بہت سے لوگ بدعات میں مبتلا ہیں، ان لوگوں نے محض چشتیوں کو بدنام کرنے کے لئے بدعت کو صرف سماع میں منحصر کردیا ہے، ورنہ آج کل نقشبندیوں میں کثرت سے بدعات ہوتی ہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے، ایک شخص کو حضرت مجدد صاحب کے مزار پر سجدہ کرتے ہوئے، بس اُن کے نزدیک صرف ایک سماع ہی بدعت ہے اور کوئی چیز بدعت نہیں۔ (صفحہ ۱۷۱)

اصلاح کے لئے بیعت ضروری نہیں

ایک نووارد صاحب نے حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی، حضرت والا نے فرمایا کہ بیعت کوئی ضروری چیز نہیں، اصل چیز تعلیم ہے اور یہ خیال کہ بغیر بیعت

نفع نہیں ہوسکتا، یہ خیال جہالت کا ہے، بیعت الگ چیز ہے، اُس کی بھی ایک خاص برکت ہے، مگر اسے اس درجہ کا دخل نہیں کہ اسکے ہونے یا نہ ہونے پر ضرر کا مدار ہو۔ (صفحہ۱۷۶)

حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی خدمت کا عجیب واقعہ

فرمایا، ہمارے بزرگوں کی عجیب شان تھی، کوئی اُنکی نظیر پیش نہیں کر سکتا، مولوی محمود صاحب رامپوری نے مجھ سے حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی ایک حکایت بیان کی، مجھ کو تو حیرت ہوگئی اور لوگ تو اپنا احترام، اپنی خدمت اور اپنی پرستش چاہتے ہیں اور ان حضرات کی یہ حالت تھی، کیا ٹھکانا ہے، اس بے نفسی کا، انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اور میرے ساتھ ایک ہندو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں دیوبند آئے، دیوبند پہونچکر اُس ہندو نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں ٹھہروگے، میں نے کہا کہ میں مولانا کے یہاں قیام کرونگا، وہ ہندو بولا کہ جی میں روٹی تو اپنے اقارب کے ہاں کھالوں گا، باقی سونے کے لئے مجھے اگر کوئی چھوٹی سی چارپائی مل جائے تو وہاں ہی ٹھہر جاؤنگا، میں نے کہا کہ مل جائے گی تو روٹی کھاکر آجانا، ایسا ہی ہوا، میں نے حضرت مولانا کی بیٹھک میں ایک چارپائی اُسکے لئے الگ بچھادی، ایک چارپائی پر میں لیٹ گیا، وہ ہندو تو پڑتے ہی سوگیا اور میں جاگ رہا تھا کہ حضرت مولانا دبے پیروں زنانہ مکان سے تشریف لائے اور اس ہندو کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانے لگے، میں ایکدم چارپائی سے کھڑا ہوگیا اور جاکر عرض کیا کہ حضرت چھوڑدیں، میں دبا دونگا، فرمایا کہ یہ تمہارا حق نہیں، میرا مہمان ہے، یہ خدمت میرے ذمہ ہے، میں نے اصرار کیا، اس پر فرمایا کہ جاؤ، تم کون ہوتے ہو، گڑبڑمت کرو، بیچارے کی آنکھ کھل جائے گی، تکلیف ہوگی، بس وہ ہندو تو پڑا ہوا خرخر کررہا تھا۔ (صفحہ۱۸۳)

وحی میں تاخیر

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں، اول وحی کے بعد حضورﷺ کے لئے دوسری وحی کو موخر کر دیا گیا تھا، اس کا حضور کو اسقدر رنج ہوا کہ اشتیاق کی وجہ سے پہاڑی پر چڑھ کر کئی بار جان دینا چاہا، جس پر گذرتی ہے، وہی

خوب جانتا ہے۔ (صفحہ۱۸۷)

دین اور عقل کی دوصفتوں سے کامیابی کا حاصل ہونا

فرمایا، جس شخص میں دوصفتیں ہونگی، دین اور عقل کی، وہ ہمیشہ غالب رہیگا، ایک بار ہرقل کے دربار میں سفیر اسلام آیا، اُس نے حضرت عمرؓ کے حالات دریافت کئے تو ان سفیر اسلام کا جواب سنئے، فرماتے ہیں کہ ہمارے امیر المومنین کا مختصر حال یہ ہے **لایخدع ولا یخدع**، ہرقل ان جملوں کو سن کر ششدر اور حیران رہ گیا اور دربار عام میں یہ بات کہی کہ ان خلیفۂ وقت میں یہ دوصفتیں ہیں کہ نہ کسی کو دھوکہ دیتے ہیں، جو دلیل ہے اُن کے دین کی، نہ کسی کے دھوکہ میں آتے ہیں، جو دلیل ہے، اُنکی عقل کی، سو جس میں یہ دوباتیں جمع ہونگی، ساری دنیا اُسکا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ (صفحہ۱۹۳)

احمقوں کی وجہ سے
رسول اللہﷺ کی سنت کو نہ چھوڑنے کی روش

فرمایا، صحابہ کے ایمان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت حذیفہؓ اپنی دارالحکومت میں تشریف رکھتے ہیں، بڑے بڑے رئیس اہل فارس دربار میں حاضر ہیں، کھانے کا وقت آگیا، کھانا شروع فرمایا۔

ایک لقمہ ہاتھ سے زمین پر گر گیا، آپ نے اس کو اٹھاکر اور صاف کرکے کھالیا، بعض خادموں نے کان میں کہا کہ یہ متکبر کفار ایسی بات کوتحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں، آپ نے بلند آواز سے جواب دیا کہ کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے اپنے رسول کی سنت چھوڑدونگا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ اگر زمین پر کھانیکی کوئی چیز گرجائے تو اسکا اٹھاکر کھالینا سنت ہے، جس کو آج کل معیوب سمجھا جاتا ہے، سبحان اللہ، صحابہ نے عشق اور حکومت کو جمع کرکے دکھا دیا۔ (صفحہ۱۹۸)

عذاب ابدی کی سزا کن کو ہوگی؟

فرمایا، حق تعالیٰ جس کو عذاب دیں گے، وہ بھی ایک درجہ کی معافی ہی ہے، مسند احمد میں ایک حدیث ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہنم میں وہی جائیگا، جس کے

متعلق میرا علم ہے کہ اگر اسکو دوبارہ دنیا میں بھیج دوں تو وہ پھر بھی ایسا ہی کریگا، ایک بات تو یہ ہوئی۔ دوسری بات کلیات سے ثابت ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد جو نافرمانی کرنے لگے، وہ پہلے سے زیادہ عذاب کا مستحق ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے ان اہل جہنم کو اُس زیادہ عذاب سے بچالیا تو یہ ایک قسم کی معافی ہی ہوئی۔ تو ایسے بداستعداد لوگوں کو جہنم میں بھیجا جائیگا، ورنہ کسی کو جہنم میں نہ بھیجیں گے، یعنی عذاب ابدی کیلئے اور غیرابدی عذاب تو حقیقت میں تزکیہ ہے۔ (صفحہ ۱۹۸)

کچھ تعویذ کی خرابیوں کے بارے میں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، ذہن کے لئے ایک تعویذ کی ضرورت ہے، فرمایا، ذہن کا تعویذ نہیں ہوتا، ذہن فطری چیز ہے، البتہ قوت حافظہ کا انحصار قوت دماغ پر ہے، اسمیں اگر کمی ہوتو اُسکا علاج طبیب کرسکتا ہے، پھر ان تعویذوں کے بارے میں فرمایا کہ بعض مرتبہ لوگوں کے عقیدہ میں غلو ہوتا ہے کہ اس سے ضرور نفع ہوگا، نہ ہواتو اسماء الٰہیہ سے غیرمعتقد ہوجاتے ہیں، حالانکہ تعویذ پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں، منصوص نہیں، اور نہ انکا کہیں وعدہ ہے، یہ سب گڑ بڑ جاہل عاملوں کی بدولت پیدا ہورہی ہے، اس سے عوام کے عقائد تو اس بارے میں نہایت ہی خراب ہیں، جن کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ (صفحہ ۲۰۰)

ادب، دوسروں کو اذیت سے بچانے کا نام ہے

فرمایا، میرے نزدیک ادب کی حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کو جس چیز سے تکلیف ہو، اُس سے اجتناب کرنا چاہئے، یہی ادب ہے، صرف تعظیم کا نام ادب نہیں، اسمیں بڑوں کی بھی تخصیص نہیں، چھوٹوں کا ادب بھی اس میں شامل ہے، وہ یہی ہے کہ ان کو تکلیف نہ پہونچائی جائے، اگرچہ وہ فعل تکلیف کے لئے موضوع نہ ہو، ایک پیر صاحب کی حکایت ہے کہ مرید اپنی جوتیاں ڈھونڈ رہا تھا، پیر صاحب نے اٹھا کر دیدیں، سو یہ فعل اگر موضوع نہیں تکلیف دینے کا، تاہم یہ اپنے مرید پر ظلم تھا کہ اسے تکلیف پہونچائی، علم صحیح اور عمل خالص ضروری چیز ہے، اسکے مقابلہ میں کہاں کی کرامت، کہاں کا کشف اور اگر کرامت ہی مطلوب ہے تو آفاقی کرامت

کی ضرورت نہیں، انفسی کرامت چاہئے۔ (صفحہ ۲۰۱)

مقصود تک رسائی کے لئے محض ذکر کافی نہیں

فرمایا، مقصود تک رسائی صرف ذکر وشغل سے نہیں، بلکہ عمل صحیح اور فہم سلیم سے ہوسکتی ہے اور اس میں بھی بڑی چیز فہم ہے، قلت فہم کی وجہ سے طریقت (یعنی تصوف مرتب) کی حقیقت بہت کم لوگ جانتے ہیں، حالانکہ طریقت میں قدم رکھنے سے پہلے تصوف کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ ہے کیا، آج کل اکثر لوگ وظائف اور کیفیات ہی کو مقصود سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے، آج کل یہی طریقت کی قدر رہ گئی ہے، جہل سے اللہ بچائے، حقیقت یہ ہے کہ اعمال تو طریقت ہیں اور اللہ کی رضا مقصود ہے اور یہ سارا ضروری علم صحبت شیخ سے حاصل ہوسکتا ہے، چنانچہ یہاں سے تعلق رکھنے والوں کے لئے تجربہ سے معلوم ہوا کہ چند روز یہاں پر آکر رہیں، پھر مناسبت پیدا ہوجانے کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع کریں، ایک صاحب سے جن کو مناسبت نہ ہوئی تھی، میں نے کہا تھا کہ آپ میں کبر کا مرض ہے، انہوں نے مجھ پر اعتماد نہیں کیا، پانچ برس کے بعد خود اقرار کیا کہ واقعی آپ کی تشخیص صحیح تھی، مجھ میں کبر کا مرض ہے، میں نے کہا، جا بندہ خدا، یہ زمانہ یوں ہی برباد کیا، ابتک تو کیا سے کیا ہوجاتا، پانچ برس کی مدت بڑی ہوتی ہے، کبر کے متعلق ایک صاحب کے جواب میں فرمایا کہ کبر کا کوئی ایک سبب نہیں ہے، کبھی مال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، کبھی جاہ کی وجہ سے، کبھی حسن وجمال کی وجہ سے، کبھی شجاعت سے، اسکی تشخیص کرنا، کامل فرد کا کام ہے، اسلئے کہ ہر ایک کا علاج جدا ہے اور اُس علاج میں نہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کی ضرورت ہے، جس کا نام بیعت ہے، نہ پاؤں پر پاؤں رکھنے کی، ہاں یہ ضرور ہے کہ جو شیخ کہدے اسکی اطاعت کی جائے، بس کافی ہے اور یہی حقیقت ہے بیعت کی، مگر عوام الناس نہیں سمجھتے، اس کا سبب یہ ہے کہ ہر شخص خود محقق بنا چاہتا ہے، تقلید سے عار آتی ہے پھر کام کیسے ہو۔ (صفحہ ۲۰۱)

شیطان کو اللہ کی طرف سے حاکمانہ جواب

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں، مقلد بنکر تقلید کی

برکت سے تو فرد محقق ہو سکتا ہے اور اس کے بغیر محقق نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ بچہ اگر الف بے تے شروع کرے اور وہ کہے کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ الف ہے یعنی ابتداء ہی سے محقق بننا چاہے تو بس وہ پڑھ چکا اور تم اُس کو پڑھا چکے، اس بچہ سے یہی کہا جائے گا کہ دلیل مانگنا اور محقق بننے کی کوشش کرنا فضول ہے، اسوقت تو تقلید ہی سے مان لو، اگرچہ گھڑ کر الٹی سیدھی دلیل بھی تراشی جا سکتی ہے اور اُسی سے اُسکا جواب بھی دیا جا سکتا ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ جواب مقبول بھی ہے یا مردود، دیکھئے، شیطان نے حق تعالیٰ کے سوال کے جواب میں بھی کہدیا تھا کہ خلقتنی من نار وخلقة، من طین آگ افضل ہے اور طین یعنی خاک ارذل ہے تو افضل کو ارذل کے سامنے جھکانا، خلاف حکمت ہے تو دیکھئے، جواب تو یہ بھی ہے، مگر یہ دیکھئے کہ اس جواب پر شیطان کا کیا حشر ہوا، کس کو معلوم نہیں اور حق تعالیٰ نے اس جواب پر جو جواب ارشاد فرمایا، وہ بھی معلوم ہے، وہ جواب یہ ہے اخرج منہا نکل جاؤ یہاں سے، یہ حاکمانہ جواب ہے، حق تعالیٰ اسکا حکیمانہ جواب بھی فرما سکتے تھے، مگر یہ اُسی وقت ہوتا، جبکہ یہ امید ہوتی کہ مخاطب میں فہم وانصاف ہے، کوڑ مغز نہیں اور جب یہ معلوم ہے کہ مخاطب بدفہم ہے سمجھیگا نہیں، یا اگر سمجھ بھی لے، مگر سوال میں نیت اچھی نہیں تو اس وقت حکیمانہ جواب نہ دیا جائیگا بلکہ حاکمانہ جواب دیا جائیگا، پس حاکمانہ جواب کا سنت اللہ ہونا بھی ثابت ہے۔ (صفحہ ۲۰۵)

جھگڑے کے وقت خاموش رہنے والوں کے لئے اجر

فرمایا، حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر فرد جھگڑے کے وقت خاموش ہوجائے، ایسی حالت میں کہ وہ حق پر تھا، مگر جھگڑے سے نفرت کی وجہ سے خاموش ہوگیا تو اسکا مکان جنت کے درمیاں میں بنے گا اور جو اس حالت میں خاموش ہوگیا کہ وہ باطل پر تھا تو اُسکا مکان جنت کے کنارے بنے گا۔ (صفحہ ۲۰۵)

موٹے عالم سے اللہ کی نفرت سے مراد

فرمایا، حدیث میں جو آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم سے نفرت رکھتے ہیں، اس سے مراد بے فکری سے ہے اسلئے کہ آخرت کی فکر وہ چیز ہے کہ بدن کو گھلا دیتی

ہے اور روح کو تازہ کرتی ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

صحت ایں حس زمعوری تن — صحت آں حس زتخریب بدن
صحت ایں حس بجوئید از طبیب — صحت آں حس بجوئید از حبیب
چند خوانی حکمت یونانیاں — حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

(اس ظاہری بدن کی ترقی تو بدن کو پالنے سے ہوتی ہے اور باطن کی ترقی ظاہری حالت کو بگاڑنے سے ہوتی ہے، اس بدن کی صحت تو طبیب کے پاس ڈھونڈو۔ اور باطن کی صحت محبوب کے پاس تلاش کرو، یونانیوں کی حکمت کب تک پڑھتے رہوگے۔ ایمانیوں کی حکمت کو بھی پڑھ لو۔)

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ رات کو سوتے نہ تھے، بیوی نے کہا کہ نہ سونے سے تکلیف ہوگی، فرمایا کہ جب سے یہ آیت تلاوت کی ہے یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس (اے ایمان والو، تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) نیند نہیں آتی او یہی فکر ہے، جس سے نفس کی لذتیں ضعیف ہوتی ہیں۔ (صفحہ ۲۰۷)

شیطان اور نفس کی واردات کی تفصیل

فرمایا، شیطان تو کمبختی میں بدنام ہی ہوگیا، ورنہ ہم جیسوں کے بہکانے کے لئے تو نفس ہی بڑی چیز ہے، شیطان کی بھی ضرورت نہیں، شیطان کی اولاد ہی کافی ہے، باقی اگر ان سب کی شرارتوں سے بچنا چاہو تو پہلے یہ معلوم کر لینے کی ضرورت ہوگی کہ مقابلہ پر کون سا دشمن ہے، یہ معلوم ہوجانے کے بعد مقابلہ آسانی سے ہوسکتا ہے، یعنی پہلے یہ معلوم کر لو کہ اس خاص گناہ کی طرف شیطان رغبت دلا رہا ہے یا نفس، سو اسکا معیار یہ ہے کہ جس وقت قلب میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہو تو یہ دیکھو کہ باوجود بار بار دفع کرنے کے اگر پھر وہی وسوسہ ہوتا ہے تو یہ نفس کی طرف سے ہے، اسلئے کہ نفس کو گناہ سے محض لذت مقصود ہے اور خاص وقت میں گناہ میں خاص لذت ہی ہے اور اگر دفع کرنیکے بعد قلب سے وہ وسوسہ نکل جائے اور دوسرے گناہ کا وسوسہ پیدا ہو تو سمجھو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے، اسلئے کہ شیطان کو کوئی خاص

لذت مقصود نہیں، بلکہ وہ عداوت کی وجہ سے مطلق گناہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، اسلئے فرد اگر ایک گناہ سے ہٹے گا تو وہ اسے دوسرے گناہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرے گا، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ زیادہ تر گناہ نفس کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں، مگر لوگ دھوکہ میں ہیں کہ ایسے خطرات کے وقت کثرت سے لاحول پڑھتے ہیں، مگر پھر بھی وسوسہ سے جان نہیں چھوٹتی، کیونکہ لاحول، نفس کا علاج نہیں، سو کتنی بڑی غلطی ہے، جس میں علم نہ کی وجہ سے لوگ مبتلا ہیں، نفس کا علاج کرو، جو گناہوں کے سلسلہ میں شیطان کی بھی اصل ہے، اس لئے کہ دوسروں کو تو شیطان بہکاتا ہے، مگر شیطان کو کس نے بہکایا تھا، ظاہر ہے کہ شیطان کو اُس کے نفس نے بہکایا تھا تو اصل کون ہوا، نفس ہی تو ہوا، البتہ حق تعالیٰ سے دور کرنے میں دونوں کو دخل ہے، جب یہ معلوم ہوگیا تو شیطان کا مقابلہ لاحول اور ذکر سے کرو اور نفس کا مقابلہ ہمت سے کرو، آجکل گڈمڈ ہے، سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنا چاہتے ہیں، جسکا نتیجہ ناکامی ہے، اس کے لئے کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہے، اسی کی صحبت سے ہی ایسے علوم حاصل ہو سکتے ہیں، اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے، کیونکہ وہ خود بھی اس کے مکر وفریب سے بچتا ہے تو دوسروں کو بھی حقائق بتا کر بچاتا ہے۔ (صفحہ۲۱۱)

حوصلہ وہمت کے لئے کچھ تدابیر

ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہئے اسی سے سب کچھ حاصل ہوجائیگا۔

دوست دارد دوست ایں آشفتگی　　کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

ایک شخص نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے شکایت کی کہ حضرت اعمال پر دوام حاصل نہیں ہوتا، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اس بات پر ہی دوام کرلو کہ کبھی ہوگیا، کبھی نہ ہوا، یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے، حضرت کا یہ فرمانا انکے حکیم ہونے پر دلیل ہے، اسمیں راز یہ ہے کہ اگرچہ یہ دوام مطلوب نہیں، مگر اسکو دوام میں داخل کردینے سے طالب کا دل بڑھیگا، اُس سے دوام مطلوب نصیب

ہوجائیگا، غرض اگرچہ یہ جواب تحقیقی نہیں، لیکن علاج ضرور ہے۔ (صفحہ۲۱۲ جلد دوم)

(واضح ہو کہ مبتدی ومتوسط طالب سے ذکر وفکر کے معمولات میں کمی وکوتاہی واقع ہوتی رہتی ہے، بعض اوقات مطلوبہ مقدار میں ذکر نہیں ہوتا، بعض اوقات ناغہ بھی ہوجاتا ہے، جس سے وہ سخت تشویش میں مبتلا ہوجاتا ہے، اگرچہ طالب کا یہ اضطراب بجا ہے، لیکن راہ سلوک میں یہ مدوجزر آتے رہتے ہیں۔ مرتب)

بیعت کیا ہے؟ سوال کا جواب

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ دونوں طرف سے اس بات کا خاص اہتمام ہوتا ہے کہ شیخ تعلیم کا وعدہ کرتا ہے اور مرید اُس تعلیم کی اتباع کا، بس یہی بیعت ہے۔ (صفحہ۲۱۲)

دوسروں کی اصلاح کے لئے اپنے اخلاق خراب کرنا

فرمایا، اخلاق کی درستگی کا انحصار سختی پر ہے، مصلح تھوڑی سی سختی کے بغیر دوسروں کی اصلاح نہیں کرسکتا، ایک بار مامون رشید کے پاس قاضی یحییٰ بن اکثم (امام بخاری کے شیخ) قیام فرمائے ہوئے، رات کے وقت مامون رشید نے کسی ضرورت کی تحت غلام کو آواز دی، اول تو وہ بولا نہیں اور جب بولا تو بہت ہی بگڑا کہ غلاموں کو زہر دیدو، تلوار سے سر قلم کردو، دن بھر تو راحت ملتی نہیں، رات کو بھی چین نصیب نہ ہو، یا غلام یا غلام ہر وقت یہی رہتا ہے، اسقدر گستاخی کے باوجود مامون رشید، غلام پر برہم نہیں ہوا، قاضی صاحب نے کہا کہ یہ بہت گستاخ ہوگئے ہیں، انکی اصلاح کی ضرورت ہے، مامون رشید نے کہا کہ پہلے میں اپنے اخلاق خراب کروں، اس کے بعد ان کے اخلاق درست ہوں اور انکی اصلاح ہو، سو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ میں ان کی وجہ سے اپنے اخلاق خراب کروں اور بغیر مواخذہ ومحاسبہ کے اصلاح ہو نہیں سکتی، پھر فرمایا، میرے یہاں اصلاح کیلئے مواخذہ تو ہے، مگر بحمداللہ عین مواخذہ کے وقت بھی قلب میں کسی کی تحقیر نہیں ہوتی، ہاں مجھ سے ہر ایک کی بنتی بھی نہیں اور یہ عدم موافقت کسی نقص کی بناء پر نہیں ہوتی، بلکہ عدم مناسبت اس کا اصل سبب ہے دیکھئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ عدم مناسبت ہی کی بناء پر

تھا، جس پر ھذا فراق بینی وبینک یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے، کہا گیا، ورنہ موسیٰ علیہ السلام میں کس قسم کا شبہ ہو سکتا ہے، نعوذ باللہ، ایسے ہی یہاں پر ہے کہ میں کسی نقص کی بناء پر فراقی جواب نہیں دیتا، بلکہ عدم مناسبت ہی اس کا اکثر سبب ہوتا ہے۔ (صفحہ ۲۱۴)

قلب کو فضولیات سے
خالی رکھنے کی ضرورت

فرمایا، میں تو اس بات کا خاص اہتمام رکھتا ہوں کہ قلب فضولیات سے خالی رہے، کیونکہ فقیر کو تو برتن خالی رکھنا چاہئے، نہ معلوم کس وقت سخی کی نظر عنایت ہوجائے، ایسے ہی قلب کو خالی رکھنے کی ضرورت ہے، نہ معلوم کس وقت نظر رحمت ہوجائے اسی کو فرماتے ہیں۔

یک چشم ززن غافل ازاں شاہ بناشی　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ بناشی

(ایک پل بھر کو اس شاہ کی طرف سے غافل نہ ہو، ممکن ہے کہ کسی وقت نظر عنایت ہو اور بوجہ غفلت کے تم کو خبر بھی نہ ہو تو محروم رہ جاؤ۔)

غرضکہ قلب کو خالی رکھنا چاہئے، فضولیات اور معصیت سے تو خالی رکھنا ضروری ہے، بعض سالکین تو قلب کو مباحات سے بھی خالی رکھتے ہیں، مگر اس میں غلو کرنا نقصان دہ ہے، کیونکہ شیطان خالی گھر دیکھ کر، اس پر اپنا تصرف کرنے لگتا ہے، اس لئے اگر طاعات سے پُر رکھنا مشکل ہے تو مباحات نافعہ سے پُر رکھے، مثلا دوستوں سے ملنا، کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنا یا کتاب دیکھ لینا، خواہ وہ طاعات کی قسم سے نہ ہو، تفریح ہی ہو، یہاں پر تفریح سے مراد تھیٹر اور سینما وغیرہ نہیں، بلکہ مباحات ہیں، جن کا اوپر ذکر ہوچکا ہے، حاصل یہ ہے کہ وہ مباح نافع ہو اور اُس میں معصیت نہ ہو، یہ سب دین کی درستگی کی تدابیر ہیں، اس لئے تو یہ فن بڑا دقیق ہے، یہاں شبہ ہوسکتا ہے کہ مباح کا دین سے کیا تعلق، اسی طرح اگر خلوت میں نشاط جاتا رہے، ہنسنا بولنا، مجمع میں آکر بیٹھ جانا ضروری ہے، صوفیا نے جو سمجھا ہے بڑے سے بڑے فلاسفروں کی تحقیق اس کے سامنے گرد ہے، افلاطون کو کسی نے خواب میں دیکھا

تھا، بعض حکماء کا نام لیکر پوچھا، کیا یہ حکماء ہیں، جواب نفی میں دیا، پھر پوچھا، اچھا بایزید اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کے بارے میں بتاؤ۔ کہا، اولٰئک ھم الفلاسفة حقا. میں ایک مثال بیان کرتا ہوں، جو فی نفسہ تو مباحات کے درجہ میں ہے، لیکن بعض اوقات وجود کے درجہ میں ہوجاتا ہے، مثلا بیوی کے ساتھ ہنسنا بولنا کہ بیوی سے ہنسنے بولنے میں اجنبی عورت کی طرف میلان نہیں ہوتا تو یہ کتنی بڑی مصلحت ہے، نواب ڈھاکہ سے ایک درویش کہہ گئے تھے کہ بیوی کے ساتھ مشغول رہنے میں حق تعالیٰ سے غفلت ہوتی ہے، انہوں نے مجھ سے پوچھا، میں نے کہا کہ بیوی سے جتنی زیادہ محبت ہوگی، اتنا ہی اجر اور ثواب وقرب حق ملتا ہے، یہی تو اسلامی شریعت کی خوبی ہے، اگر شریعت نہ بتاتی تو فرد، سلیم طبع سے بھی یہی تجویز کرتا، مگر شریعت کی تعلیم کے باوجود پھر بھی کسی جاننے والے کی اب ضرورت ہے مثلا طبیب کے پاس جاکر کہا جائے کہ یہ مصالحہ ہے، وہ کہتا ہے کہ دھنیہ اور اتنا بڑھا لیا جائے۔ (صفحہ ۲۱۷)

اخلاص نیت کے ساتھ ہونے والے
کام کے اثرات اور برکتیں

فرمایا، جب نیت خالص ہو اور محض حق تعالیٰ کے لئے کوئی کام ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت وامداد فرماتے ہیں، مولوی رحم الٰہی صاحب منگلوری مرحوم کا ایک عجیب واقعہ ہے، یہ بات سب کو معلوم ہے کہ یہ سنت اللہ ہے کہ جہاں اللہ والے ہوتے ہیں، وہاں اُن کے مخالف بھی ہوتے ہیں، لہٰذا مولوی صاحب کے پڑوس میں اُنکے مخالف بھی رہتے تھے، جہاں برہمن وہیں قصائی، پھر مخالفین میں بھی بعض کی طبعیتوں میں فساد ہوتا ہے، اُن کا دل اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ دوسروں کو حالت تکلیف میں دیکھیں، ان اہل محلّہ نے یہ شرارت کی کہ مولوی صاحب کے گھر سے مسجد جانے کے چوک کی شکل میں جو راستہ تھا، اُس میں گانے بجانے کا انتظام کیا اور ایک طوائف کو بلاکر رقص کی مجلس قائم کی، مولوی صاحب گھر سے نماز کے لئے مسجد کو چلے تو راستہ میں یہ طوفان بے تمیزی برپا دیکھا، چونکہ نماز کا

وقت قریب تھا، صبر کئے ہوئے مسجد پہونچ گئے، فارغ ہونے کے بعد جب گھر کو واپسی ہوئی، دوبارہ دیکھ کر صبر نہ ہو سکا، آخر صبر اور ضبط کی بھی تو کوئی حد ہے، اب مولوی صاحب نے سوچا کہ جڑ ہی کی خبر لینا چاہئے، جوتہ نکال کر مجمع سے پھاندتے ہوئے اور بیچ مجمع میں پہونچکر، طائف کے سر پر جوتہ بجانا شروع کر دیا، مگر اہل مجلس میں سے کسی کی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ کوئی کچھ بولتا، یہ ہیبت حق ہے، جو اہل اللہ کو عطا فرمائی جاتی ہے اور مولوی صاحب کا جوش اور ہمت تمامتر محض حق کے لئے تھی، اس واقعہ کے بعد جلسہ تو ختم ہوگیا اور شریر لوگوں نے اُس عورت سے کہا کہ ہم روپیہ صرف کرینگے اور گواہی دیں گے تو مولوی صاحب پر دعوٰی کر، اُس نے کہا کہ روپیہ تو میرے پاس بھی بہت ہے اور گواہ تم ہو ہی، مگر دیکھنا یہ ہے کہ جس شخص کا مقابلہ کرنے کی تیاری کا مشورہ دیا جا رہا ہے، وہ خالص اللہ والا ہے، اس لئے کہ اگر اس شخص کے قلب میں دنیا کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوتا تو مجھ پر اُسکا ہاتھ ہرگز نہ اٹھتا، اس سے ثابت ہوا کہ یہ شخص محض اللہ والا ہے تو اس کا مقابلہ حقیقت میں اللہ تعالٰی کا مقابلہ کرنا ہے، میں کہتا ہوں کہ مولوی صاحب کا تو کمال تھا ہی، مگر اس عورت کا بھی معتقد ہونا پڑتا ہے، پھر اس پر ہی بس نہیں کیا، وہ عورت مولوی صاحب کے مکان پر پہونچی اور معافی کی درخواست کی اور کہا کہ مجھ کو اس فعل سے توبہ کرادیجئے اور کسی نیک شخص سے میرا نکاح کرادیجئے، مولوی صاحب نے توبہ کرا کر، کسی بھلے آدمی سے نکاح کرادیا، وہ پردہ میں بیٹھ گئی اور بھلی بی بی بن گئی، یہ سب، حق تعالٰی کا فضل اور مولوی صاحب کے خلوص اور جوتیوں کی برکت تھی، اگر ہر شخص خلوص سے ہمت کر کے، دین کے کاموں کو سرانجام دے تو انشاء اللہ برکت ہو اور کامیابی نصیب ہوگی، آج کل خلوص کا تو کہیں نام ونشان نہیں، محض فلوس کی فکر ہے۔

عجیب حکایت ہے، اس سے کام کرنیوالوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے، میں اس واقعہ پر یہ تصریح بھی کیا کرتا ہوں کہ کسی کی تحقیر نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ہر شخص کے متعلق بدرجۂ احتمال یہ اعتقاد رہنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ اس میں خدا کے نزدیک کوئی بات ہم سے بہتر ہو، دیکھئے، اس عورت کے اس فہم وخلوص کی کس کو خبر تھی، پھر مولوی صاحب کی للہیت کی برکت کے متعلق ایک صاحب کے سوال کے جواب میں

فرمایا کہ برکت کا اثر بھی ہر شخص پر نہیں ہوتا، دیکھئے، انبیاء کی برکت ابوجہل اور ابو طالب کے لئے کارگر نہ ہوئی تو اور کس کا منہ ہے کہ ایسی غیر مستخلف برکت کا دعوٰی کرے، پس برکت کی بھی ایک حد ہے، اسکو بھی بلکہ ہر چیز کو اپنی حد پر رکھنا چاہئے، غلو ہر چیز میں بُرا ہے۔

اُس عورت کی حکایت کی مناسب سے ایک اور حکایت حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے نقل فرمائی، گنگوہ میں ایک بے قید درویش آیا، اس کی شہرت ہوئی، ایک آوارہ عورت کو بھی معلوم ہوا، اُس نے اپنے آشنا سے کہا کہ چلو، ہم بھی اللہ والے کی زیارت کر آئیں، دونوں گئے، مرد تو جاکر شاہ صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور یہ عورت بوجہ شرمندگی ایک طرف بیٹھ گئی، شاہ صاحب نے پوچھا، یہ کون ہے، اُس نے کہا کہ بازاری عورت ہے، آپ کی زیارت کو آئی ہے، مگر بوجہ اس پیشہ کے شرمندگی کے سبب پاس آنے سے رُکتی ہے، وہ شاہ صاحب، کیا کہتے ہیں کہ بی، پاس آجاؤ، شرمندگی کی کونسی بات ہے، وہی کرتا ہے اور وہی کراتا ہے۔ یہ الفاظ سُن کر اُس عورت کے سر سے پیر تک آگ لگ گئی اور کھڑی ہوگئی اور اُس آشنا یعنی اپنے ساتھی سے کہا کہ بھڑوے تو تو اسکو بزرگ بتاتا تھا، یہ تو مسلمان بھی نہیں، یہ کہہ کر وہاں سے چلدی، میں کہتا ہوں کہ ان الفاظ سے اس حقیقت تک کسی مفتی کا ذہن تو پہونچ سکتا تھا، مگر بیچاری جاہل نے کیسا سمجھا، یہ فہم کی بات ہے اور اس میں فہم تو تھا ہی، بغض فی اللہ کس درجہ تھا کہ بیٹھ نہ سکی، خاموش نہ رہ سکی، چلدی، بھلا ان واقعات سے کیا کوئی کسی کی تحقیر کرسکتا ہے اور حقیر سمجھ سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ میرے ایک دوست تھے قنوج میں، وہ شاعر بھی تھے ان کا ایک ماہوار رسالہ بھی نکلتا تھا، اب انتقال ہوگیا ہے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ آپ میرے نام پر ہنسو گے میرا نام ہے بھگو خان، میں نے لکھا کہ میں ہنسوں گا نہیں، یہ تو ففروا الی اللہ کا ترجمہ ہے، اللہ کی طرف بھاگنے والا، اس پر خط آیا، مسرت کا اظہار کیا، غرض کسی کے نام پر کسی کے اعمال پر کسی کے لقب پر کسی کی ظاہری حالت پر ہرگز تحقیر نہ کرنا چاہئے، مگر اتنی بھی رعایت نہ چاہیئے، جیسے ان شاہ صاحب نے کی کہ اُس عورت کے فعل گناہ کو توحید میں داخل کیا، نعوذ باللہ منہ۔ ص (صفحہ ۲۱۹ـ ۲۲۰)

افلاس کی وجہ سے ایمان کو لاحق خطرات
اس کی تدبیر کی ایک صورت

فرمایا، آج کل اس قسم کے خطوط بصورت دھمکی کے اکثر آتے رہتے ہیں کہ یا تو افلاس کا علاج اور تدبیر بتاؤ، ورنہ مذہب کی تبدیلی کی نوبت آجائیگی، میں ایسے موقع پر نہ تو سختی کرتا ہوں، اس لئے کہ اس سے اشتعال پیدا ہوگا اور اشتعال میں بگڑنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے اور نہ نرمی کرتا ہوں، نرمی سے چاپلوسی کی سی صورت معلوم ہوتی ہے، یہ بھی مضر ہے، اکثر لکھدیتا ہوں کہ اسقدر تکلیف پہونچی ہے کہ جواب دینے کی ہمت نہیں، تجربہ سے یہ جواب بہت ہی مفید ثابت ہوا ہے، اکثر جواب میں ندامت اور توبہ ہی لکھی ہوئی آتی ہے، یہ وہ زمانہ ہے کہ ایمان کو خطرات لاحق ہو گئے ہیں کہ افلاس کی وجہ سے لوگ اسلام سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہیں، اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں پیسہ کی قدر کرنی چاہئے اور مسلمانوں کو فضول اخراجات سے سخت اجتناب کرنا چاہئے، آج کل فضول خرچ کرنیوالے کو سخی سے تعبیر کرتے ہیں، جو غلط ہے، وہ شخص مسرف ہے، جو خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو بے موقع اور بے محل صرف کرتا ہے اور یہ مصیبت کا ایک سبب ہے۔ (صفحہ ۲۲۴)

عقل کی حیثیت

فرمایا، عقل ایسی ضعیف چیز ہے کہ وہم کا تو مقابلہ کر نہیں سکتی، وہ حق تعالی کے احکام کا مقابلہ کرے، دوسرے مدرکات کی طرح عقل کا دائرہ بھی ایک خاص تک ہے، آگے وحی کی ضرورت ہے، اسکی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کو پہاڑ پر چڑھنا ہے تو گھوڑا تو دامن کوہ تک جا سکتا ہے اور آگے فرد کو خود طے کرنا پڑتا ہے، اسی طرح بیچاری عقل کا پہاڑ کے اوپر گذر نہیں، یہ حقیقت ہے عقل کی، جس پر اتنا بڑا ناز ہے۔ (صفحہ ۲۲۵)

وسوسوں کا قوت ایمانی کی دلیل ہونا

فرمایا، غیر اختیاری وسوسے، چاہے کفر ہی کیوں نہ ہوں، اگر فرد صراط مستقیم سے نہ ہٹے تو ایسے وسوسے گمراہی نہیں، بلکہ میں تو آگے بڑھکر کہتا ہوں کہ یہ قوت ایمانی کی عین دلیل ہے کہ نفس کی مخالفت کے باوجود فرد راہ پر لگا ہے، ایسی حالت

میں گھبرانا نہیں چاہیے اور قوت وہمت کے ساتھ راہ پر چلتے رہنا چاہئے، اس کا بڑا اجر ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان کی کوئی بھی غیر اختیاری چیز ایسی نہیں کہ جو بہتر نہ ہو اور اسپر اسکو اجر اور ثواب حاصل نہ ہو، اسی کو فرماتے ہیں۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست   بر صراط مستقیم ایدل کسے گمراہ نیست

(حق تعالی کے راستہ میں سالک کے آگے جو کچھ آئے وہ خیر ہی خیر ہے۔ سیدھے راستہ پر چلتے ہوئے کوئی گمراہ نہیں ہوتا)۔

کام میں لگے رہنے کی ضرورت ہے، لگے رہو، جو کچھ ہوسکے، کئے جاؤ، مجھے ایک صاحب کا مقولہ بہت ہی پسند آیا کہ وہ تو ایسی دربار ہے کہ کئے جاؤ اور لئے جاؤ، واقعی وہاں کیا کمی ہے، کوئی لینے والا چاہئے، مگر محض قیل وقال سے کام نہیں چلتا، کام کرتے رہو، پھر دیکھو، کیا کچھ عطا ہوتا ہے، کام کرنے اور نہ کرنے پر ایک مثال یاد آئی، ایک شخص کہتا ہے کہ میں بھوکا ہوں، مگر مجھے جو روٹی دیجائے، اسکا قطر چار انگشت کا ہو، اس سے معلوم ہوگا کہ اُسکو بھوک نہیں، ورنہ وہ قیل وقال نہ کرتا، ارے بھائی روٹی چاہئے، وہ ایک بالشت کی ہو یا چار انگشت کی ہو، اسی طرح جنت میں تو پہونچ جاؤ، چاہے وہ درجہ داہنے ہو یا بائیں، نیچے ہو یا اوپر۔ (صفحہ ۲۲۶)

حسن معاشرت

فرمایا، اگر کسی شخص سے میرا کوئی کام متعلق ہو اور اتفاق سے وہ شخص میرے پاس آجائے تو میں اسوقت اس سے اپنے کام کی فرمائش نہیں کرتا، تاکہ اس سے اُسکو آئندہ کے لئے یہ وہم نہ ہو کہ وہاں جب بھی جاؤنگا، ممکن ہے کہ کوئی کام کہدے اور آتے وقت اس پر بار ہو، بلکہ میں خود اس شخص کے پاس جاکر، جو کام ہوتا ہے، کہدیتا ہوں، یہ حسن معاشرت ہے۔ ایک عالم غیر مقلد یہاں پر قیام کئے ہوئے تھے اور میرے پاس بیٹھے تھے، مجھے ایک کتاب کی ضرورت تھی، میں کتب خانہ سے خود جاکر لے آیا تو ان پر بڑا اثر ہوا، اپنے دوستوں سے کہتے رہے کہ ہم لوگوں کو تو محض اتباع سنت کا دعویٰ ہی ہے، باقی اتباع سنت تو فلاں شخص میں ہے اور کتاب لانے کا قصہ بیان کیا، میں نے کہا کہ یہ بھی کوئی بڑے کمال کی بات تھی،

مجھے تو اسکا وسوسہ بھی نہیں کہ میں نے کوئی کام کیا، یہ تو حسن معاشرت ہے۔ (صفحہ۲۲۹)

تربیت کے سلسلہ میں مربی کی طرف سے
طالبوں کا امتحان۔ مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ

فرمایا، آجکل تو محبت وعقیدت کا دعوٰی ہی دعوٰی ہے، محبت اور عقیدت تو اسکو کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو اپنے ساتھ کھانا کھلارہے تھے، مولانا شیخ محمد صاحب تشریف لے آئے، دیکھ کر فرمایا کہ آہا، آج تو مرید کے حال پر بڑی نوازش ہورہی ہے، کھانا ساتھ کھلایا جارہا ہے، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقعی ہے تو نوازش، ورنہ مجھ کو یہ حق تھا کہ ان کے ہاتھ پر ایک روٹی اور اسپر دال رکھ کر کہتا کہ وہاں الگ بیٹھ کر کھاؤ، حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت، یہ فرما کر میری آنکھوں سے میرے چہرہ کو دیکھ رہے تھے، کسی نے حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اُسوقت آپ کی کیا حالت تھی، فرمایا، خدا کی قسم، اسوقت قلب پر اس بات کا استحضار تھا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ ذلیل وحقیر ہوں، جو حضرت میری نسبت فرمارہے ہیں۔ (صفحہ۲۳۰)

شیخ کی شفقت کی مثال

فرمایا، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں جب سب حضرات یہاں حاضر ہوتے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو ذرا نازک تھے، جب شب میں اٹھتے تو حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے، تم ابھی لیٹے رہو، جب وقت ہوگا، ہم خود جگا دینگے، یہ شفقت ہے، شیخ کی، مطلب یہ تھا کہ کام وہ کرنا چاہئے، جس میں مداومت ہو سکے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طریق میں رہبر کامل کی سخت ضرورت ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو ۔۔۔ پیش مردے کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑو۔ اور مرد حال بنو۔ اور کسی مرد کامل کے آگے پامال ہوجاؤ۔) (صفحہ۲۳۳)

اہل یورپ کا شفقت کی صفت سے محروم ہونا

فرمایا، ایک صاحب کہتے تھے کہ اہل یورپ میں کفر کے علاوہ باقی ساری خوبیاں موجود ہیں، میں نے کہا کہ ان کی ایک خوبی تو میں بھی بیان کرتا ہوں، ان میں کسی پر شفقت نہیں، سوائے اپنے مطلب کے (یعنی وہ شفقت کی صفت سے محروم ہیں)۔ (صفحہ۲۳۵)

عجب اور کبر میں فرق

فرمایا، عجب اور کبر دونوں میں فرق صرف یہ ہے کہ عجب میں فرد دوسرے کو حقیر نہیں سمجھتا، اپنے کو عظیم سمجھتا ہے، جب کہ کبر میں دوسرے کو حقیر بھی سمجھتا ہے۔ (صفحہ۲۳۵)

ایک دوکرامتوں سے بزرگی کی رجسٹری ہوجانا

فرمایا، آج کل رسمی پیرون کی بدولت لوگوں کے قلب میں طریقت (تصوف) کی عظمت وقدر باقی نہیں رہی، بلکہ رسم کا غلبہ ہوگیا ہے، ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں، سادات کی عظمت بھی رسم کے ماتحت ہے، بلکہ قرآن شریف کی عظمت بھی وہی رسمی نوعیت کی ہے، اگر حقیقی عظمت ہوتی تو اُسکی تعلیم پر تو عمل ہوتا، حالانکہ دونوں چیزوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے یعنی عظمت بھی ہونی چاہئے اور عمل بھی، اسی طرح بزرگی کا معیار بھی رسمی رہ گیا ہے، جہاں ایک دوکرامت ظاہر ہوئی، خواہ حقیقی یا خیالی اور بزرگی کی رجسٹری ہوئی، کیا خرافات ہے اور اگر کہیں کسی بزرگ نے لڑکے لڑکی، بیوی اور نوکر سے کنارہ کرلیا، پھر تو تارک دنیا ہی ہوگئے، اگر غلبہ حال سے ایسا ہو، تب بھی کمال نہیں، سالک تو وہ ہے کہ وہ مقام میں آگے بڑھتا رہے اور اُسکا حال مغلوب ہو۔ (صفحہ۲۳۵)

قلبی کیفیت کی حقیقت سے صرف عاشقوں کا آشنا ہونا

فرمایا، قلبی کیفیت کی حقیقت سے عشاق ہی کچھ آشنا ہوتے ہیں اور آخر وہ کیا چیز تھی، جس سے حضور ﷺ پہاڑی پر چڑھ کر جان دینے کو تیار تھے، آخر کوئی تو چیز تھی اور اُس کیفیت میں شعور ہوتا ہے، اختیار نہیں ہوتا۔ (صفحہ۲۴۰)

طالب کی حالت چھپائے نہیں چھپتی

فرمایا، آج کل طلب ہی نہیں، اگر طلب ہو تو طالب سخت سے سخت شرائط اور باتیں بھی منظور کر لیں اور سارے شبہات بھی سب عدم طلب کی بناء پر ہی پیدا ہوتے ہیں، جب طلب ہوتی ہے تو طالب کی شان ہی کچھ اور ہوجاتی ہے، اگر وہ زبان سے، اپنے حال کا اظہار نہ بھی کرے، تب بھی چھپا نہیں رہتا۔ (صفحہ ۲۴۱)

حالت مجبوری میں قرضہ لینے والوں کی ادائیگی حق تعالیٰ کر لیتے ہیں

گناہوں سے پرہیز میں یہ خاصیت ہے کہ موت کے وقت آسانی ہوتی ہے کیونکہ مرنے کے وقت بشارت نصیب ہوگی، جس سے موت سہل ہوجائے گی۔ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا شدید ضرورت کے وقت قرض لینا جائز ہے، جیسے جہاد کے لئے یا کفن ڈالنے کے لئے یا کپڑے پھٹ گئے ہوں چھپا ہوا ظاہر ہونے لگا، اُس کے چھپانے کے لئے وغیرہ ایسے شخص کے قرض کی ادائیگی کے کفیل حق تعالیٰ ہیں۔ (صفحہ ۲۴۱)

مولویوں میں نئے نئے القاب کی بدعت

فرمایا، مولویوں میں یہ نئے نئے لقب کہاں سے آئے، ہمارے اکابر اتنے بڑے بڑے گذرے ہیں، کسی کا کوئی لقب نہ تھا، نہ امام الہند، نہ شیخ الہند، نہ شیخ الحدیث، نہ شیخ التفسیر، نہ ابوالکلام، نہ امیرالکلام، محض سادگی تھی، ہمیں تو وہی طرز پسند ہے، ایک صاحب نے عرض کیا کہ دیوبند میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر جو کتبہ ہے، اسپر حضرت کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام لکھا ہے، فرمایا کہ میں نے یہ بات پہلی بار آپ کی زبانی سنی ہے، مگر خیر یہ لقب پُرانا ہے اس میں نئے القاب کی سی ظلمت نہیں، ہمارے بزرگوں کی سادگی کی تو یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ پاؤں دبوار ہے تھے، ایک گنوار آیا، اُس نے نہایت بیباکی سے کہا کہ مولوی جی، دل بڑا خوش ہورہا ہوگا کہ ہم ایسے

ہیں کہ لوگ ہمارے پاؤں دبا رہے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی، راحت سے تو دل خوش ہوتا ہی ہے، اُس نے کہا، کیا دل میں نہیں آتا کہ میں بڑا ہوں، فرمایا، الحمدللہ، بڑے ہونیکا تو قلب میں وسوسہ تک بھی نہیں آتا، اُسنے کہا کہ مولوی جی تو پھر تم کو پاؤں دبوانا جائز ہے، اس واقعہ سے حضرت کی بے نفسی، سادگی اور اُس شخص کی بھی بے تکلفی اور سادگی کا پتہ چلتا ہے، آجکل کے مدعیانِ تہذیب اس واقعہ سے سبق حاصل کریں، اگر یہ نہیں تو میں تو آج کل کی تہذیب کو تعذیب کہا کرتا ہوں۔ (صفحہ ۲۴۴ جلد دوم)

بزرگوں کے اخلاص وللھیت کے بعض عجیب واقعات

فرمایا، ہمارے بزرگوں کی جیسی شان تھی، وہ اُن کے واقعات سے معلوم ہوسکتی ہے، ایک شخص نے حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ایک صاحب ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت حاجی صاحبؒ نے سماع کی اجازت دی ہے، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اگر ایسا ہوا بھی ہو تو حجت نہیں، حضرت حاجی صاحبؒ جس فن کے امام ہیں، اُس میں ہم اُن کے غلام ہیں، باقی یہ مسائل فقہیہ ہیں، اس میں فقہاء کا اتباع کیا جائیگا۔ دیکھئے، حضرت مولانا ہمیشہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام خطوط میں اپنے نام کے ساتھ یہی لکھتے تھے کہ کمترین، غلام، کمینہ، خدام، مگر اس موقعہ پر صاف حقیقت ظاہر کردی، بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ان مسائل میں حضرت کو ہم سے فتویٰ لیکر عمل کرنا چاہئے، نہ کہ ہم آپ کے قول پر عمل کریں، حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ میں انتظامی شان بڑی زبردست تھی، جس کو بعض بدفہموں نے نخوت سے تعبیر کیا، نخوت نہ تھی، بلکہ صفائی تھی، جو ایک مجتہدانہ ومحققانہ شان کی مظہر تھی۔

اسکے بعد ایک واقعہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کا بیان فرمایا کہ جب حضرت شاہ صاحب، ہجرت کر کے تشریف لیگئے تو اجمیر کی طرف سے ارادہ فرمایا، اس وقت ریل گاڑی نہ تھی، یہی چھکڑے تھے، اجمیر میں شاہ صاحب کے ایک شاگرد عالم تھے، اُنکو لکھا کہ میں مکہ جارہا ہوں اور اجمیر کی طرف سے جاؤنگا اور وہاں پر ٹھیرونگا اور حضرت خواجہ صاحبؒ کی زیارت کرونگا، شاگرد لکھتے ہیں کہ آپ یہاں تشریف نہ

لایئے، آپ کی تشریف آوری سے انتظام شریعت میں گڑ بڑ ہوگی، اس لئے کہ میں یہاں پر تبلیغ کر رہا ہوں اور سفر کرکے قبر کی زیارت کرنے کو انتظاما منع کرتا ہوں، آپ کے آنے سے میرا سب انتظام بگڑ جائیگا، شاہ صاحب نے شاگرد کو اسکا جو جواب لکھا، وہ قابل غور ہے، لکھا کہ اس انتظام شریعت کے محفوظ رہنے کی ایک تدبیر ہے، وہ یہ کہ میں جب اجمیر آؤں تو تم مجمع کرکے وعظ کہنا اور یہ کہنا کہ بعض لوگ بڑے بڑے عالم کہلاتے ہیں، مگر بزرگوں کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرکے آتے ہیں، جو جائز نہیں اور اُن کا یہ فعل حجت نہیں، میں اسی مجمع میں کہوں گا کہ آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں، مجھ سے غلطی ہوئی، پھر ایسا نہ کرونگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، کیا ٹھکانہ ہے، ان حضرات کی حق پرستی کا، یہ لوگ شریعت کے عاشق تھے، آجکل تو کوئی ایسی بات کرکے دکھائے۔

ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے حدیث کی سند لینے جایا کرتے تھے، کسی نے اُن سے پوچھا، آپ کو کیا حاجت ہے، آپ وہاں جاتے ہیں۔ کہنے لگے معقول تو ہمارے گھر کی لونڈی ہے، اُسمیں تو ہم کسی کے محتاج نہیں، البتہ حدیث میں بزرگوں کا معمول ہے کہ برکت کیلئے سند لیتے ہیں، سند ہی کیلئے میں جایا کرتا ہوں، شاہ صاحب کا کشف بڑھا ہوا تھا غالبا ان پر اسکا انکشاف ہوگیا، جب یہ حاضر ہوئے، اُن کا دعویٰ توڑنے کیلئے فرمایا، آج سبق رہنے دو، کچھ تفریح کے لئے معقولات میں گفتگو کریں، اول انہوں نے ادب کی بنا پر عذر کیا، پھر راضی ہوگئے، جب گفتگو کی، رائے ٹھہر گئی، اُسوقت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے لئے تو چٹائی مسجد کے حصہ میں بچھوائی اور مولوی فضل حق صاحب کیلئے مسجد سے باہر کے حصہ میں۔ گفتگو شروع ہوئی تو تھوڑی ہی دیر میں مولوی فضل حق صاحب کو خاموش کر دیا، خیر، یہ کمال تو ظاہر ہے، باقی ایک اور دقیق کمال اس واقعہ میں قابل غور ہے، وہ چٹائیوں کے مواقع کا اختلاف ہے، سو میں یہ سمجھا ہوں کہ مسجد عبادت کے لئے ہے، شاہ صاحب کی نیت گفتگو میں اصلاح کی تھی، جو عبادت ہے، اس لئے مسجد کے اندر بیٹھے اور مولوی صاحب کی نیت اظہار علم تھا، اسلئے انکو مسجد سے باہر بٹھایا۔ واللہ اعلم (صفحہ ۲۴۵_۲۴۶)

علی گڑھ کالج میں میری کی گئی ایک تقریر

فرمایا، ایک مرتبہ وقار الملک کے بلانے پر علیگڑھ کالج میں جانا ہوا، وہاں مجھے ایک سائنس کے کمرہ کی بھی سیر کرائی گئی، اُس میں بجلی بھی دکھلائی گئی تھی، اس کے بعد جمعہ کی نماز پڑھکر میرا بیان ہوا، میں نے ایک موقع پر یہ بھی کہا کہ ممکن ہے کہ آپ کو اسپر شبہ ہو کہ جو برق کی حقیقت حضور نے حدیث شریف میں بیان کی ہے، وہ اس برق پر صادق نہیں آتی، میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ برق کی دو قسمیں ہوں، ایک برق سماوی اور ایک برق ارضی تو حضور نے جس برق کی حقیقت بیان فرمائی ہے، وہ سماوی ہے، جب کہ برق کی یہ قسم ارضی ہے، اسی طرح میں نے اور بھی بعض چیزیں بیان کیں، سامعین حیرت سے مُنہ تکتے تھے، آنکھیں کھل گئیں اور اُس تقریر کا بیحد اثر ہوا، علی گڑھ میرا پھر کبھی جانیکا اتفاق نہیں ہوا، کیونکہ پھر بلایا نہیں گیا، اس کا سبب یہ تھا کہ نئی روشنی کے بعض اخباروں نے لکھا کہ اگر یہ شخص ایک دو مرتبہ کالج میں اور آگیا تو سرسید کے کعبہ کو منہدم کردے گا۔ یہ ہے حقیقت ان کی تحقیقات اور فہم کی۔ (صفحہ ۲۴۸ جلد دوم)

طلب کی بنا پر
عطا ہوتا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کی عادت یہی ہے کہ طلب کے کچھ بغیر نہیں ہوتا، بندہ کی طرف سے طلب ہو پھر اس طرف سے سب ہی کچھ ہوتا ہے، اسپر میں ایک مثال دیتا ہوں کہ باپ بچے کو پچاس قدم کے فاصلے پر کھڑا کرکے اسکی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے، اس بچہ نے ابھی کھڑا ہونا سیکھا ہے، چل نہیں سکتا، مگر باپ کے ہاتھ پھیلانے پر وہ اس طرف آنے کے لئے حرکت کرتا ہے مگر گر جاتا ہے، اب باپ دوڑ کر اسے آغوش میں لے لیگا، جو مسافت یہ بچہ سال بھر میں بھی طے نہ کرسکتا تھا، وہ باپ کی توجہ سے ایک منٹ میں طے ہوگئی خلاصہ یہ ہے کہ طلب شرط ہے پھر استعداد تو اس کے چاہنے سے پیدا ہوگی اور اگر طلب نہیں تو طلب پر تو یہ فرماتے ہیں کہ انلزمکموها وانتم لها کرهون. ہم اس دعویٰ یا دلیل کو تمہارے گلے مڑھ دیں۔ (صفحہ ۲۱ جلد سوم)

سالہا تو سنگ بودی دلخراش   آزموں را یک زمانے خاک باش،

(برسوں تک تو سخت پتھر رہا ہے امتحان کیلئے چند روز کے لئے خاک بن کر دیکھ لے۔)

اگرچہ اس صورت میں محض صورت ہی صورت ہوگی مگر اسمیں بھی برکت ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ، صاحب، صورت تو پھر معنی سے قریب ہے، خود نام میں بھی برکت ہے دیکھئے کھٹائی میں تو یہ اثر ہو کہ نام لینے سے منہ میں پانی بھر آئے اور اللہ کے نام میں اثر نہ ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ (صفحہ ۳۳ جلد سوم)

مقبول بندوں کی شکل وصورت

اختیار کرنا بھی برکت سے خالی نہیں

فرمایا، کبھی صورت پر بھی فضل ہوجاتا ہے کہ فرد کیا سے کیا ہوجاتا ہے اور وہ تو حقیقی کریم ہیں، مجازی کریموں کو دیکھ لیجئے، اگر اُن کے پاس کنجڑا اصلی خربوزہ لیجاتا تو چار آنے ملتے، لیکن اگر مٹی کا بنا کر لیجائے تو دو روپیہ مل جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ چاہے صورت ہی اختیار کی جائے، مگر نیت عجز ونیاز کی ہو تو اسپر بھی فضل ہوجاتا ہے، دعویٰ وناز نہ ہو، بلکہ بزرگوں نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اہل اللہ کی صورت اختیار کرنے والے صوفی کی قدر کرو، اس لئے اس نے اس طریقہ کی عظمت کی ہے تب تو مشابہت اختیار کی ہے یہی راز ہے غیروں کی مشابہت کے مذموم ہونے کی، اس لئے کہ اس نے کفار کی عظمت کی ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں من تشبہ بقوم فھو منھم (جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی میں سے ہے۔) کیونکہ بغیر اعتقاد عظمت کے تشبہ نہیں ہوسکتا اور کفار کی عظمت کا اعتقاد حرام ہے۔ اسی طرح صوفیہ کا یہ فرمانا کہ صوفی کی صورت کی قدر کرو، وہ اس لیے کہ اس مشابہت کا مطلب قلب میں اس جماعت کی عظمت ہے، یہی ٹھکانہ ہے ان حضرات کی عمیق نظر کا، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ مقبول بندوں کی وضع اختیار کرو، شکل بناؤ، اسی وقت ایک اور یہ بات ذہن میں آئی، کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا دل نہیں چاہے گا کہ میری اُمت میرے طرز پر رہے، اہل محبت کیلئے تو یہی کافی ہے، خواہ کچھ فائدہ نہ بھی

ہو، لیکن اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو اور فائدہ ہی مطلوب ہو تو اسی نیت سے اختیار کرو، تب معلوم ہوگا کہ کیا ہوتی ہے برکت ہوتی ہے، عمل سے پہلے محض عقل سے حقیقت کا ذہن میں آنا مشکل ہے اور یہ واقعہ ہے کہ شریعت کی مصلحتیں عمل کرنے کے بعد ہی معلوم ہوتی ہیں، جیسے طبیب کامل کے نسخہ کی خاصیتیں استعمال کے بعد ہی معلوم ہوتی ہیں۔ (صفحہ ۳۴)

فضل اور رحمت کی باتیں سن کر گناہوں پر دلیر ہونا

فرمایا آجکل لوگ فضل ورحمت کے نصوص سنکر گناہوں پر دلیر ہوگئے ہیں، بے شک نجات کا مدار تو فضل ہی پر ہے، مگر اعمال صالحہ کا اختیار کرنا یہ بھی تو فضل ہی ہے، بغیر اعمال کے تو فضل کی توقع رکھنا بالکل ایسا ہے جیسے یہ سنکر کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے اور اُن سے حوا علیہا السلام پیدا ہوئیں اور حضرت مریم علیہا السلام سے بغیر شوہر عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، یہ سنکر فرد نکاح نہ کرے اور اولاد کی توقع رکھے۔ (صفحہ ۳۶)

ذکر وفکر سے اصل مقصود

نماز اور قرآن کی استعداد کا پیدا ہونا ہے

فرمایا تلاوت قرآن اور کثرت نوافل افضل عبادت ہے اور یہ مقاصد ہیں، ان دو چیزوں کی صلاحیت پیدا کرنے کیلئے سلوک میں ذکر وفکر کی تعلیم ہوتی ہے اور وہ سب مقدمات ہیں اور اصل شیخ کی بھی ضرورت ہے، اسلئے کہ سلوک میں بعض اوقات خطرات بھی درپیش آتے ہیں، جب کہ مقاصد میں کوئی خطرہ نہیں، پھر یہ دونوں چیزیں ذکر اللہ پر بھی مشتمل ہیں، ان دونوں کی بھی روح اعظم ذکر ہی ہے جو خود ان میں مضمر ہے، باقی مستقل اذکار مثلاً سبحان اللہ۔ یا لاالہ الا اللہ ان سب سے زیادہ افضل تلاوت قرآن اور نماز ہے، آج کل اکثر مشائخ کے دل میں نماز اور قرآن کی وقعت وعظمت نہیں، سارا زور ذکر پر دیا جاتا ہے، حالانکہ ان دونوں میں ایک لطیف فرق بھی ہے، وہ یہ کہ جب کوئی فرد زیادہ ذکر کرتا ہے تو اسمیں عُجب۔ (تکبر کی ایک صورت) پیدا ہوجانے کا خطرہ ہے، جب کہ نماز اور تلاوت قرآن

سے عجب کم پیدا ہوتا ہے، اسکا اصلی سبب یہ ہے کہ عام لوگ ذکر کو خواص کا فعل سمجھتے ہیں اور نماز وتلاوت قرآن کو عوام کا فعل سمجھتے ہیں، تھوڑی سی دیر بیٹھکر ذکر کر لیا الا اللہ الا اللہ یا اللہ اللہ، بس، خواص میں داخل ہوگئے۔ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا، ایسی حالت میں ذکر وشغل چھوڑ دینا چاہئے، مگر یہ سارے معاملات شیخ کی تجویز سے تعلق رکھتے ہیں کہ کس وقت کیا مناسب ہے، چنانچہ بعض اوقات وہ یہ مشورہ دیگا کہ خاص ہیئت سے بیٹھکر ذکر نہ کیا جائے، چلتے پھرتے ذکر کیا جائے، کیونکہ اس سے کوئی فرد ذاکر نہ سمجھے گا، یہ گردن جھکا کر بیٹھنا اور ادھر ادھر گردن ہلانا، اس سے لوگ ذاکر سمجھتے ہیں، غرضہ کہ ہر حالت میں، شیخ کامل کی ضرورت ہے اپنے کو اسکے سپرد کردینے کے بعد فرد کو مطمئن ہوجانا چاہئے۔ (صفحہ۳۷)

امراء کی صحبت قید خانہ ہے

فرمایا، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امراء کے پاس جب تک بیٹھا رہتا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے قید خانہ میں بند کردیا ہو (صفحہ۳۹)

امراء کی صحبت سے دنیا کے رنگ کا غالب آنا

فرمایا، امراء کے پاس بیٹھکر قلب میں دین کا اثر کمزور ہوجاتا ہے اور دنیا کا اثر قوی ہوجاتا ہے اور یہ اثر اسوجہ سے ہوتا ہے کہ فرد ان کے پاس تابع بن کر جاتا ہے اور جو شخص کسی کے پاس قصد کرکے جائیگا، اس پر اسی کا اثر ہوگا، چنانچہ اگر امراء قصد کرکے اہل دین کے پاس آئیں تو ان پر دین کا ضرور اثر ہوگا اور اگر اہل دین امراء کے پاس قصد کرکے جائیں گے تو ان پر دنیا کا اثر ہوگا، غرض اثر تابع پر ہوا کرتا ہے، متبوع پر اثر نہیں ہوا کرتا، یہی قاعدہ صحبت بد ونیک کا ہے اگر بُرا آدمی نیک شخص کی صحبت اختیار کرے یعنی اسکا تابع بن کر اُسکے پاس رہے تو اسپر اثر ہوگا اور اس میں دینی استعداد پیدا ہوگی اور اگر نیک آدمی بدصحبت اختیار کرے گا اور تابع بن کر اسکے پاس رہے گا تو اس پر اثر برائی کا اثر ہوگا۔ (صفحہ۳۹)

انتظام کے لئے کچھ بخل کا ہونا

فرمایا، خرچ کے انتظام کیلئے تھوڑے سے بخل کی ضرورت ہے، اگرچہ وہ بخل

لغوی ہے شرعی نہیں، اس کے بغیر انتظام ہونا دشوار ہے، یہ تجربہ کی بات ہے، اس سے حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک قول کی تائید ہوتی ہے کہ افعال بُرے جذبات بھی اپنی ذات میں مذموم نہیں، اسکو اگر صحیح جگہ میں صرف کیا جائے تو محمود ہے۔ (صفحہ۴۱)

ڈھولک اور سارنگی پر
ہونے والے وجد کی حیثیت

فرمایا، صوفیوں کو قوالی اور ڈھولک وسارنگی پر بڑا وجد ہوتا ہے، جو مطلق نفسانی نوعیت ہے کا درحقیقت وجد کے قابل تو یہ چیز یہ کہ جب علوم مبارکہ کا بیان اور تحقیق تو اسوقت طالب میں ایک عجیب لطف اور کیفیت پیدا ہو اور جب علم میں یہ لطف ہے تو عمل میں کیا کچھ نہ ہوگا اور پھر حال میں کیا ہوگا اور پھر مقام میں کیا ہوگا۔ (صفحہ۴۵)

ناز سے بچنا چاہے۔ایک عجیب غریب واقعہ

حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مرید نے ایک واقعہ نقل کیا ہے اور عجیب واقعہ ہے، غالبا یہ واقعہ میں نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت غوثؒ اعظم تہجد کی نماز کے لئے معمول کے موافق اُٹھے اور خانقاہ سے صحرا کی جانب چلنے لگے اور یہ خادم بھی ساتھ ہو لیا، تھوڑی دور چل کر ایک شہر میں پہونچے، یہ مرید بھی ہمراہ رہے، وہاں ایک مکان میں داخل ہوئے، اُس مکان میں ایک مجمع ہے، وہ لوگ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے، آپ مسند پر بیٹھ گئے، یہ مرید بھی کسی گوشہ میں جا بیٹھے، قریب کوئی کوٹھڑی ہے، اس میں سے کسی مریض کے کراہنے کی آواز آرہی ہے، تھوڑی دیر کے بعد وہ آواز بند ہوگئی، پھر ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی مریض کے غسل کے وقت پانی گر رہا ہے، پھر وہ آواز بھی بند ہوگئی، اور چار شخص ایک جنازہ لئے ہوئے نکلے، ان کے ساتھ ایک بوڑھے شخص بھی ہیں اور وہ جنازہ حضرت کے سامنے لاکر رکھدیا گیا، آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہمراہی لوگ جنازہ کو لیکر چلے گئے اور حضرت پھر اُسی طرح اپنی جگہ پر آبیٹھے، کچھ دیر گزری تھی، ایک نصرانی حاضر ہوا، حضرت نے اُس کے گلے سے صلیب اتارلی اور اُسکا زنار توڑ کر اسے کلمہ پڑھا کر اُس مجمع سے فرمایا کہ یہ ہے وہ

شخص، اس کے بعد آپ ایک وہاں سے واپس مکان پر تشریف لے آئے اور تہجد کی نماز میں مشغول ہوگئے، شب گذر جانے کے بعد مرید نے صبح کے وقت حضرت سے سوال کہ رات کیا معاملہ تھا، حضرت نے فرمایا کہ وہ موصل کا شہر تھا اور وہ ابدال کی جماعت تھی اور وہ بیمار بھی اسی جماعت کا ایک فرد تھا، اُس جماعت نے باطنی طور پر مجھے اطلاع دی تھی کہ یہ مرنے کے قریب ہیں، انکی جگہ کسی کو معین فرمادیجئے، اسلئے میں وہاں گیا تھا، جب انکا انتقال ہوگیا، میں نے جناب باری تعالیٰ سے اُن کی جگہ کسی کو مقرر کرنے کیلئے عرض کیا، حکم ہوا کہ روم میں ایک نصرانی کنیسہ میں صلب پرستی میں مشغول ہے، اُس کو انکی جگہ بٹھایا جائے، میں نے عرض کیا کہ اس کو کیسے حاضر کیا جائے، سو وہ خرق عادت کے طور پر حاضر ہوگیا اور اسی وقت اسے مسلمان کر کے، ابدال کے رتبہ پر فائز کردیا گیا، اس طرح یہ بتا دیا گیا کہ کوئی کسی کو حقیر نہ سمجھے اور اپنے کمال پر ناز نہ کرے، سب کچھ ہمارے فضل پر منحصر ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واقعی یہی بات ہے، انسان اپنے کسی کمال یا عبادت پر کیا ناز کرے، اس کی عبادت اور کمال ہی کیا ہے۔ (صفحہ ۴۸۔۴۹ حصہ سوم)

آج کے پیروں کی حالت

فرمایا، جاہل صوفیوں کے علوم بھی عجیب غریب ہیں، جو جی میں آیا کرلیا، جو منہ میں آیا بک دیا، چنانچہ نفس کی نسبت اکثر کہتے ہیں کہ نفس کافر ہے، مگر معلوم بھی ہے کہ نفس کون ہے، تم ہی تو ہو، اگر وہ کافر ہے تو تم کون ہوگے، اسی طرح بہت سی باتیں واہی تباہی گھڑ رکھی ہیں، جن کے سر ہے نہ پیر ہے، یہ علوم ہیں یہ اسرار ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

ایک پیر صاحب کی حکایت ہے کہ اُن کے ایک مرید نے اُن سے ایک خواب بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں شہد میں بھری ہوئی ہیں اور میری پاخانہ میں، پیر صاحب نے مُرید کا خواب سن کر فرمایا کہ کیوں نہ ہوتُو تو دنیا کا کتا ہے اور ہم بزرگ اللہ والے ہیں، مرید نے کہا کہ، حضرت ابھی خواب پورا بیان نہیں ہوا، کچھ باقی ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ تمہاری

انگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں، یہ سن کر پیر صاحب بہت اچھلے کودے، واقعی مرید نے حقیقت کا اظہار کیا، خواہ خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، وہ حقیقت یہ تھی کہ پیر کا تعلق تو مُرید سے دنیا کی وجہ سے تھا، جو مثل پاخانہ کے ہے اور مرید کا تعلق پیر سے دین کی وجہ سے تھا، جو مثل شہد کے ہے۔ (صفحہ ۴۹ حصہ سوم)

نااہل کو ممبر بنانا، باز پرس کا موجب ہوگا

ایک صاحب نے مدرسہ دیوبند کے فتنہ حاضرہ کا ذکر کیا اور اپنی رائے کا بھی اظہار کیا کہ اگر ایسا ہوجائے تو فتنہ بند ہوجائے، حضرت والا نے سُنکر فرمایا کہ اگر آپ یہ مشورہ کارکنان مدرسہ کو دیں تو مناسب ہے، مجھے سنانے سے کیا فائدہ، مگر اتنا بتا دیتا ہوں کہ یہ مدرسہ دیوبند میں نیا فتنہ نہیں ہے، اس سے پہلے بھی متعدد بار ایسا ہو چکا ہے، مگر فتنے دفع ہوگئے اور وہ فتنہ اہل قصبہ کی طرف سے تھا، اہل قصبہ کمیٹی میں اپنا ایک ممبر بڑھانا چاہتے تھے، اس پر میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا کہ اگر ایک ممبر بڑھ جائے تو ضرر ہی کیا ہے، کثرت تو آپ کے خدام ہی کی ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو مدرسہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے، حضرت نے جواب لکھا کہ مدرسہ مقصود نہیں، مقصود رضاء حق ہے اور نااہل شخص کو ممبر بنانا، اور اس کے کام سپرد کرنا، یہ دین کے خلاف ہے، سو اس پر تو مواخذہ نہ ہوگا کہ مدرسہ کیوں ٹوٹ گیا، اس کے ذمہ دار اہل فتنہ ہوں گے، مگر اس پر باز پرس ہوگی کہ نااہل کے کام سپرد کیوں کیا گیا۔ (صفحہ ۵۷ جلد سوم)

نیک عمل کی قبولیت کی علامت

فرمایا، ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی نیک عمل کر لینے کے بعد پھر جب دوسرے نیک عمل کی توفیق نصیب ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ پہلا عمل قبول فرمایا گیا ہے، تب ہی تو دوسرے عمل کی توفیق نصیب ہوئی ہے، حضرت، اپنے فن کے امام تھے، مجتہد تھے، مجدد تھے، عجیب وغریب تحقیقات ہوتی تھیں، ایک شخص نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت ذکر وشغل کرتا ہوں، مگر

کچھ نفع نہیں ہوتا، فرمایا، بھائی ذکر میں مشغول ہوکر اللہ اللہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی گئی ہے، کیا یہ تھوڑا نفع ہے۔ (صفحہ۶۳)

نیک کام کی تشہیر میں نفس کے مکر کا شامل ہونا

ایک صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ میں نے فلاں مقام پر ایک مدرسہ کا افتتاح کیا ہے، اسکے یہ انتظامات ہیں اور مدرسہ کی طرف سے جلسہ کیا گیا اور بڑی دیر تک اُس کی تعریف کرتے رہے، حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ جتلاتے کیوں ہو کہ میں نے مدرسہ کا اجرا کیا ہے اور جلسہ کیا ہے، کچھ خبر بھی ہے، اس میں نفس کی آمیزش شامل ہوجاتی ہے، عرض کیا کہ بیان سے یہ مقصود نہیں، فرمایا، کیا خبر اپنے نفس کی، نفس وہ چیز ہے کہ بعض اوقات اس کا مکر اہل نظر کو بھی محسوس نہیں ہوتا، ایک بزرگ کسی درویش کے مہمان ہوئے، اُس درویش نے خادم سے کہا کہ اُس صراحی میں سے پانی لاؤ، جو ہم دوسرے حج کے موقعہ پر لائے تھے، اُن بزرگ نے فرمایا کہ بندہ خدا تو نے دونوں حجوں کا ثواب برباد کیا تو کام کرکے تشہیر نہیں کرتے اور اگر دعا مقصود تھی تو اس تفصیل کی ضرورت نہیں، بعض اوقات اپنے نفس کی خبر نہیں ہوتی مزید فرمایا دوسرے لوگ روایتی اخلاق کے وجہ سے کچھ نہیں بولتے، مجھ سے ایسے روایتی اخلاق اختیار نہیں کئے جاتے، میں تو کہتا ہوں کہ یہ بھی نفس کی شرارت ہے کہ دعا کے بہانے سے اپنی روئداد سُنادی، حضرت، نفس کے مکر نہایت ہی مخفی ہیں، عرض کیا کہ غلطی ہوئی، فرمایا کہ اتنی سختی کے بعد آپ نے تسلیم کیا۔ (صفحہ۶۵)

اصل ادب وتعظیم، راحت رسانی ہے

فرمایا، میں تو دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ اصل چیز راحت رسانی ہے، خواہ اس کا نام ادب رکھئے یا تعظیم، دیکھئے، حضورﷺ نے حضرات صحابہ کو اپنے لئے کھڑے ہونے سے منع فرمادیا تھا، کیا صحابہ کرام کا دل نہ چاہتا ہوگا، مگر جب یہ معلوم ہوا کہ حضورﷺ کی راحت اس میں ہے تو اس کے خلاف نہیں کرتے تھے، یہ ہے اصل ادب اور تعظیم۔ (صفحہ۶۶)

سماع میں نفس کی چاہت کا ہونا

فرمایا، ان جاہل صوفیوں کی بدولت تصوف بدنام ہوگیا ہے، ورنہ تصوف بالکل بے غبار اور واضح ہے، اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص مجھے صوفی آلہ باد میں ملے، صاحب تصنیف تھے، اُنہوں نے مجھ سے سماع کے متعلق سوال کیا، میں نے سوچا کہ انکے ساتھ فتووں سے تو کام چلے گا نہیں، اسلئے میں نے اُن کے مذاق کے مطابق ان سے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ تصوف کی روح کیا ہے جو اس کا حاصل ہے، اس نے کہا کہ مجاہدہ، میں نے کہا کہ مجاہدہ کی حقیقت کیا ہے، کہا کہ نفس کی مخالفت، میں نے کہا کہ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا نفس سماع کو چاہتا ہے یا نہیں، کہا کہ چاہتا ہے، میں نے کہا کہ ہمارا نفس بھی چاہتا ہے، مگر فرق یہ ہے کہ تم نفس کی چاہت پر عمل کرتے ہو اور ہم نہیں کرتے تو اس حالت میں صاحب مجاہدہ تم ہوئے یا ہم، درویش تم ہوئے یا ہم، صوفی تم ہوئے یا ہم، چپ رہ گئے اور کچھ سکوت کے بعد کہا کہ آج غلطی پر متنبہ ہوا اور بات سمجھ میں آگئی پھر تائب ہوگئے۔ (صفحہ۶۷)

اتباع سے حضورﷺ کا خوش ہونا

فرمایا، محبت تو عمل ہی سے پیدا ہوسکتی ہے، محض زبانی جمع خرچ سے کیا ہوتا ہے، بروت میں ایک بزرگ رہتے تھے وہ محبت کے جوش میں مولد شریف بہت کرتے تھے، انہوں نے ایک بار خواب میں حضور اقدسﷺ کی زیارت کی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اُس فرد سے زیادہ خوش نہیں ہوتے، جو ہماری بہت تعریف کرے، ہم تو اُس سے خوش ہوتے ہیں، جو ہمارا اتباع کرتا ہے۔ (صفحہ۶۹)

قیل وقال والوں سے کنارہ کش ہوجانا

فرمایا، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی عجیب وغریب تحقیقات ہوتی تھی اور حکمتیں بھی، ایک بار مجھے فرمایا، جب کوئی شخص کسی معاملہ میں تم سے قیل وقال وبحث وجدال کرے تو تم سب رطب ویابس اسکے سپرد کرکے الگ ہوجاؤ، کیسی پاکیزہ تعلیم ہے۔ (صفحہ۶۹)

علماء کے لئے چندہ مانگنا زیبا نہیں

فرمایا، حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص معزز ہے کہ پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہو، مگر سوال نہ کرے، بخلاف اسکے جو عبا قبا پہنکر سوال کرے، وہ معزز نہیں، ایک صاحب کسی مقام پر بدل کرگئے، پرانی وضع کے آدمی تھے، چوغہ وعمامہ زیب تن، تھا محض براہ اخلاق ایک رئیس سے ملنے گئے، اس نے دور سے دیکھ کر یہ سمجھا کہ چندہ مانگنے والے ہیں، گھر میں گھس گئے، پھر اس اطلاع پر کہ سب جج صاحب ہیں، تب باہر آئے، یہ حالت ہوگئی ہے، ان مانگنے والوں کی بدولت، مجھے تو ایسی باتوں سے طبعی نفرت ہے، جس کام کے لئے چندہ کی ضرورت ہے، اُس کام کی صرف عام اطلاع کردینا کافی ہے، اس پر اگر کوئی امداد کرے تو قبول کرنا چاہئے، ورنہ خیر، علماء کو تو ان امراء کے دروازوں پر جاکر اُن سے سوال کرنا نہایت ہی ناپسندیدہ بات ہے، اگر علماء چند روز بطور امتحان ہی ایسا کرکے دیکھیں تو یہ امراء خود انکے دروازوں پر آئیں اور قدموں میں سر رکھنے کو تیار ہوجائیں۔ (صفحہ ۸۹)

اللہ کی اپنے بندوں پر رحمت

فرمایا، میں نے ایک روایت دیکھی ہے کہ جب بندہ نافرمانی کرتا ہے تو آسمان کہتا ہے کہ میں اس پر ٹوٹ پڑوں، زمین کہتی ہے کہ میں اسکو نگل جاؤں، مطلب یہ کہ اسکو فنا کردیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم اسکو بناتے اور پھر ایسی درخواست کرتے، تب جانتے، اپنی بنائی ہوئی چیزوں سے محبت ہوتی ہے، کہیں اختیاراً کہیں اضطراراً وہاں اضطرار تو ہے نہیں، صرف اختیار ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سے جب قوم غرق ہوگئی، حکم ہوا مٹی کے برتن بناؤ، کئی سال تک برتن بنوائے گئے اور پھر حکم دیا کہ توڑ دو۔ دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ توڑ دیئے، ارشاد ہوا کہ کچھ رنج ہوا، عرض کیا کہ بہت رنج ہوا، ارشاد ہوا، دیکھو اپنی بنائی ہوئی چیز سے ایسی محبت ہوتی ہے، مگر ہم نے تمہارے کہنے سے اپنی مصنوعات کو ہلاک کردیا۔ (صفحہ ۹۰)

حب دنیا کا علاج

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حُب دنیا کے علاج

میں یہ مراقبہ نہایت مفید ہے کہ قبر میں اس طرح کفن گل گیا، اعضاء منتشر ہوگئے۔ موت سے لوگ گھبراتے ہیں، مگر موت مومن کیلئے بڑی مسرت کی چیز ہے، یہی وہ پُل ہے، جس سے گذر کر محبوب تک رسائی ہوگی، باقی طبعی تکلیف ایسی ہے جیسے بچے کو آپریشن کرایا جاتا ہے، وہ اُس پر روتا ہے، چلاتا ہے، مگر ماں باپ خوش ہیں کہ یہ اب اچھا ہوجائے گا۔ (صفحہ ۹۰)

وسوسوں کا علاج، اللہ سے محبت پیدا کرنا

ایک صاحب نے ایک شبہ پیش کرنا چاہا، حضرت والا نے فرمایا کہ شبہات کا ازالہ محض قیل وقال سے نہیں ہوا کرتا، کام کرنے سے اکثر شبہات خودبخود دور ہوجاتے ہیں، پہلے کام میں کوشش کرو اور اصلاح کا ارادہ کرو، پھر اگر کوئی شبہ ہو، پیش کرو، کام کرنے سے قبل سوچ سوچ کر باتیں کرنا، محض وقت کو بیکار کھونا ہے، مجھے حضرت استادی مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا ایک جواب بیحد پسند آیا ہے، دوران درس میں ایک طالب علم نے ایک حدیث پر شبہ ظاہر کیا تھا، اُس کا جواب مولانا نے دیا تھا، وہ حدیث یہ ہے کہ جو اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ لایحدث فیھما نفسہ یعنی ان رکعات میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے یعنی نفس سے گفتگو کے طریقے پر، جیسے ہم لوگ ادھر ادھر کی باتیں سوچا کرتے ہیں، اُس سے وہ نماز بالکل خالی ہو، باقی اگر بے سوچے وسوسے آئیں تو کوئی حرج نہیں، حاصل یہ ہے کہ خطرات کو آنے دینا اور انہیں باقی نہ رکھنا دونوں اس کی طرف سے نہ ہوں تو جو شخص ایسی دو رکعت پڑھیگا غفرانہ ماتقدم من ذنبہ یعنی اسکے سارے گذشتہ گناہ معاف کردے جائیں گے۔ ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت، کیا ایسی نماز ممکن ہے کہ جس میں خیالات یا وسوسے نہ آئیں، اول تو اُس طالب علم نے سوال ہی غلط کیا، حدیث تو یہ ہے لایحدث فیھما نفسہ نہ کہ لاتحدث فیھما نفسہ مگر مولانا نے اس پر گفتگو نہیں فرمائی، بلکہ عجیب جواب دیا، وہ یہ کہ میاں تم نے کبھی ایسی نماز پڑھنے کا ارادہ بھی کیا تھا، جس میں ناکامی ہوئی ہو، کبھی پڑھکر بھی دیکھی تھی، اگر پڑھکر دیکھتے اور ناکامی رہتی، تب پوچھتے اچھے معلوم ہوتے، کبھی ارادہ

کیا نہیں، پہلے ہی حدیث پر شبہ کر بیٹھے، شرم نہیں آتی، عمل کر کے دیکھا ہوتا، اس پر بھی ناکامی رہتی، تب اعتراض کیا ہوتا، یہ ہے جواب اور میں کلی طریق پر کہتا ہوں کہ حکومت کے قانون میں کبھی وسوسہ نہیں ہوتا، اسلئے کہ وہاں ہیبت ہے، اسی طرح محبوب کی باتوں میں کبھی وسوسہ نہیں ہوتا، اسلئے کہ وہاں محبت ہے، بس وسوسہ صرف دین میں ہی آتا ہے، کیونکہ وہاں نہ ہیبت ہے نہ محبت، بس یہ دو چیزیں پیدا کر لو، یہی دو چیزیں جو وسوسوں کو روکنے کی ہیں، اس پر اگر شبہ ہو تو وہ عمل کرنے سے زائل ہو سکتا ہے، نری عملی تحقیقات سے کام نہیں چل سکتا، بس اس کا ایک ہی علاج ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ سے ہیبت یا محبت پیدا کرو اور اس ہیبت ومحبت کے پیدا کرنیکا سہل طریقہ اہل خشیت واہل محبت کی صحبت اختیار کرنا ہے، نری صحبت سے بھی کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اپنے کو اُس کے سپرد کردو۔ اسی کو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو، پیش مردے کاملے پامال شو

(قیل وقال کو چھوڑ کر اپنے اندر حال پیدا کرو اور کسی مرد کامل کے پاس کر اپنے آپ کو فنا کردو۔) (صفحہ ۱۰۰۔ ۱۰۱ جلد سوم)

شریعت کے اکثر احکامات کے انوار کا
عمل سے ظاہر ہونا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں، بعض اشیاء کی خاصیت عمل کرنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ شریعت کے اکثر احکام ایسے ہی ہیں کہ اُن کے انوار عمل کرنے کے بعد معلوم ہوتے ہیں، جیسے طبیب کے نسخہ لکھنے کے وقت اُسکی حکمت اور اسرار نہیں معلوم ہوتے، بلکہ استعمال کے بعد اُسکا نفع معلوم ہوتا ہے۔ (صفحہ ۱۰۱)

دوسرے خداؤں کی نفی کرنا

فرمایا، جاہ کا مرض بھی عام ہوگیا ہے، رات دن لوگ اسی کی فکر میں ہیں کہ کوئی بُرا نہ کہے، ان باتوں میں کیا رکھا ہے، کام میں لگو، خدا سے صحیح تعلق پیدا کرنے کی فکر کرو، میں تو کہا کرتا ہوں کہ ایک خدا کو اختیار کر لو، لوگوں نے پچاس

خدا اختیار کر رکھے ہیں، کہیں نفس، کہیں برادری، کہیں قوم، کہیں جاہ، کہیں عزت، کہیں روپیہ، کہیں کچھ، کہیں کچھ، سو سب کو راضی نہیں کر سکتے، ایک کو ہر طرح پر راضی رکھ سکتے ہو، بس ایک کو لیلو۔ (صفحہ ۱۰۱)

کچھ جدید سائنسی تحقیق کے حوالے سے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ آجکل یورپ میں اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ مریخ ستارہ تک پہونچیں اور وہاں کے حالات معلوم کریں، فرمایا کہ میں نے بھی ایک اخبار میں دیکھا تھا، میں نے تو دیکھکر یہ کہا تھا کہ جس روز ایسا ہوگیا، انشاء اللہ تعالیٰ دو رکعت نماز نفل بطور شکر ادا کرونگا، کیونکہ آخر یہ بھی تو اُن ہی طبقات کے طے کر کے مریخ تک پہونچیں گے، جنکو حضور اقدس ﷺ کیلئے جسمانی معراج کو دشوار کہتے ہیں، تعجب ہے کہ اُنکی کوئی تکذیب نہیں کرتا، جب کہ شریعت کی تکذیب پر تیار ہیں۔ ہوائی جہاز کے ذکر پر فرمایا کہ اب حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر اعتراض کا جواز نہیں رہا۔ اس بدفہمی کا کچھ علاج ہے کہ جو یہ کریں، وہ ہو جائے اور جو خدا چاہے وہ نہ ہو، کس قدر ظلم عظیم ہے اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ تمام صنعتیں حق تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں، اس لئے کہ جن دماغوں کی یہ ایجاد ہیں، وہ دماغ بھی تو اُن کے ہی بنائے ہوئے ہیں، مگر عقل کے دعوے کے باوجود اتنا نہیں سمجھتے، میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ لوگ عاقل نہیں آکل ہیں، عقل کی ایک بات بھی نہیں، ہر وقت اکل (کھانے) کی فکر ہے۔ ان مادیات میں پڑ کر خدا اور آخرت سب کو بھلا دیا، فرعون ہوگئے، بلکہ اُس سے بھی زیادہ، کیونکہ وہ فرعون بے سامان تھا، یہ فرعون باسامان ہیں، اُسکے پاس تکبر کے اس قدر سامان کہاں تھے، جو انکے پاس ہیں۔ (صفحہ ۱۰۳)

مسلمانوں کی کمروزی کا سبب
نظم کا نہ ہونا ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا مسلمانوں کی کمزوری کا سبب انکی بدنظمی ہے، اگر ان میں نظم موجود ہو تو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے، دوسری قوموں میں

نظم ہے وہ اسکی بدولت کامیاب نظر آتی ہیں بحمداللہ مسلمان اس قدر کمزور نہیں، مگر ساری کمی نظم کی ہے، انتظام کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، اگر نظم ہو تو ساری قومیں ان کو بیٹھی دیکھا کریں۔ (صفحہ ۱۰۹)

بیعت کو ذریعہ نجات
سمجھنا محض جہل ہے

فرمایا، بیعت کو اگر ضرورت کے درجہ میں سمجھا جائے تو ٹھیک نہیں، البتہ مصلحت کا درجہ سمجھنا صحیح ہے، وہ بھی اس وقت جب فرد کام کے لیے تیار ہو (یعنی ذکر وفکر کے ذریعہ راہ عشق میں چلنے پر آمادگی ہو۔ مرتب) کام کے بغیر مطلق بیعت کو آخرت میں نجات کا ذریعہ سمجھنا، محض جہل ہے۔ (صفحہ ۱۰۹)

کچھ آداب زندگی
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے حوالے سے

ایک نووارد صاحب نے حاضر ہو کر کسی معاملہ میں حضرت والا سے سفارش کی درخواست کی، حضرت والا نے فرمایا کہ سفارش کے متعلق ایک تمہید سنو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حق تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جاکر علوم سیکھو، آپ خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے پوچھا کون، فرمایا موسیٰ، فرمایا بنی اسرائیل کا موسیٰ، پوچھا، کیسے آئے ہو، فرمایا ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا یعنی میں علوم سیکھنے کے لئے آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، اتنے بڑے نبی اُلو العزم اور خضر سے فرماتے ہیں، ہل اتبعک میں تمہارے ساتھ رہوں، کچھ علوم سکھا دیجئے، یقینی بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے علوم کے سامنے خضر علیہ السلام کے علوم کیا چیز تھے، مگر خیر، جو کچھ بھی تھے، اُن کے سیکھنے کی درخواست کی، خیر یہ تو قصہ ہے، مگر اسمیں دیکھنا یہ ہے اور کتنی عجیب بات ہے کہ اس گفتگو میں یہ نہیں فرمایا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں، یہ فرماتے تو اعلیٰ درجہ کی سفارش ہوتی، سو اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ آجکل جو سفارش لکھوانے کا رواج ہے یا کسی کا نام لینے کا، اس سے بعض اوقات دوسرے پر بار ہوتا ہے، حق یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم

السلام ہی حقیقی علوم کے حامل ہیں، دیکھئے یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ میں حق تعالیٰ کے ارشاد سے آیا ہوں، کیونکہ یہ سن کر کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، پھر چوں وچرا نہ کرے گے، آزادی نہ رہے گی، چنانچہ خضر علیہ السلام نے نہایت آزادی سے شرطیں لگائیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر اذن کے کسی کی صحبت سے استفادہ حاصل نہیں کرنا چاہئے، نیز دوسرے کے پاس جاکر یہ نہ کہے کہ میں فلاں شخص کا بھیجا ہوا ہوں۔ (صفحہ ۱۱۰)

دین کے سارے کاموں میں
آسانی کے لئے وظیفہ کی طلب

ایک نووارد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت والا سے کوئی ایسا وظیفہ بتادیں، جس سے دین کے سارے کام آسان ہوجائیں، فرمایا کہ میں تو اخلاقی اور روحانی امراض کا علاج کرنے والا ہوں، وظیفہ بتانے والے اور بہت سے پیر ہیں، وظائف اُن سے پوچھو، یہاں پر تو نفس میں موجود کھوٹ اور خرابیاں جس سے گناہ صادر ہوتے ہیں، ان کا علاج ہوتا ہے اور اللہ اور رسول کے احکام کا اتباع کرایا جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۱۳ حصہ سوم)

مسلمانوں کی کمزوری میں فضول خرچی کے عمل کا دخل ہونا

فرمایا، اس وقت جو مسلمان کمزور نظر آتے ہیں اور دب گئے ہیں، اس کا ایک قوی سبب افلاس بھی ہے، جس نے انہیں سب کے سامنے جھکا دیا ہے اور پہلے کے لوگوں قیاس نہیں کرنا چاہئے، اُن میں ایمانی قوت تھی، وہ افلاس سے پریشان نہ ہوتے تھے اور اِس وقت مسلمانوں میں دین کی قوت تو ہے نہیں، اگر مال کی بھی نہ ہو تو ذلت کے سوا اور کیا ہوگا، اب تو یہ ہورہا ہے کہ ایک طرف حکام مسلمانوں کو الگ دبا رہے ہیں، دوسری طرف برادران وطن۔ اس افلاس کا زیادہ تر سبب مسلمانوں کا فضول خرچی میں مبتلا ہونا ہے، ایک دانشمند شخص نے خوب کہا کہ آمدنی جو افراد کے اختیار میں نہیں، لوگ اس کی تو کوشش کرتے ہیں اور جو چیز اختیار میں ہے یعنی اخراجات میں کمی کرنا، اس کی فکر نہیں، واقعی خوب کام کی بات کہی۔ (صفحہ ۱۱۵)

لوگوں کی موجودہ بے حسی کی حالت میں تحریک کیا شروع ہو؟

فرمایا، لوگوں کی عدم استقلال کی حالت دیکھ کر کسی کام کرنے کو کیا جی چاہے گا، اور کیا ہمت بڑھے گی، معترض کہتے تو ہیں کہ یہ (یعنی مولانا تھانویؒ۔ مرتب) کسی کام میں شرکت نہیں کرتا، اگر یہ شرکت کرے تو سارے کام آسان ہوجائیں، مگر ان باتوں کو تو میں ہی سمجھتا ہوں، مجھے لوگوں کی حالت کا تجربہ ہے، میں اپنے تجربات کو دوسروں کے کہنے سے کیسے فراموش کردوں، مثال کے طور پر ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، یہاں پر ایک دینی کام کے سلسلہ میں چندہ ہوا تھا، خاص احباب میں، وہ بھی میں نے نہیں کیا، خود احباب نے تحریک شروع کی، مگر میں نے منع نہیں کیا، اس میں میری اس درجہ کی ضرور شرکت تھی چند افراد نے رقم کا ذمہ لیا تھا، رمضان المبارک سے قبل کا واقعہ ہے، اب تک ایک پیسہ بھی جمع نہیں ہوا، ایک خط اطلاع کے طور پر سب کو لکھا گیا، اس کا بھی کوئی جواب نہیں، یہ حالت ہے لوگوں کی اور تماشہ یہ ہے کہ سب لوگ بیعت کا تعلق رکھتے ہیں، جنکی یہ حالت اسکے مصداق ہے۔

گر جان طلبی مضائقہ نیست، گر زر طلبی سخن دریں ست،

(اگر جان مانگو تو حاضر ہے اگر روپیہ مانگو تو اس میں ذرا تردد ہے۔)

کسی ظریف کا قول ہے محبت رکھیں پاک، لینے دینے کے منہ میں خاک، ان واقعات کی وجہ سے مجھے آجکل کے چندہ سے بیحد نفرت ہے، لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم نے یوں چندہ وصول کیا اور اس ترکیب سے وصول کیا، بھیک مانگنے میں کیا عزت ہے، اسمیں تو ذلت ہی ذلت ہے اور اگر جبر سے یا اثر سے کام لیا تو یہ ڈکیتی ہوئی، اسمیں کونسی عزت ہے اور اگر ڈکیتی میں عزت ہے تو پھر کھلم کھلا ڈکیتی ہی کرو، عزت کا کام تو کرنا چاہئے، ایک بہت بڑے علامہ سے میری گفتگو ہوئی، تحریک خاص پر کہ یہ جائز نہیں، پوچھا کہ کیا دلیل ہے، میں نے حدیث پڑھی الا لایحل مال امریء مسلم الا بطیب نفس منہ یعنی کسی مسلمان کا مال اُسکی رضامندی کے بغیر جائز نہیں تو کہتے ہیں، ہاں یہ تو ٹھیک ہے، مگر اس درجہ کا حرام نہیں، میں نے دل میں کہا کہ کل کو یہ کہے گا کہ اگرچہ مال حرام ہے، مگر اس درجہ کا حرام نہیں، یہ تو گرانی کی تسلیم پر گفتگو تھی اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ لوگ ہمارے مرید

ہیں، مرید کو گرانی نہیں ہوتی، سو اسکا اندازہ ایک حدیث سے ہوسکتا ہے، حضور ﷺ ازواج مطہرات سے فرماتے ہیں مجھے اپنے بعد تمہارا بہت خیال ہے کہ تمہاری خدمت کون کرے گا، غور کرنے کی بات ہے کہ صحابہ کے متعلق حضور کا یہ حال، اسکے بعد کسی پیر یا شیخ کو اپنے مرید پر کس طرح اعتماد ہوسکتا ہے کہ تحریک خاص پر گرانی نہ ہوگی، کیا منہ ہے کسی کا، جبکہ حضور کا یہ خیال ہے کہ ہزاروں میں سے کم ایسے ہونگے، جو خدمت کرسکیں گے، باوجود اس کے کہ صحابہ جان نثار تھے، قربان جایئے، حضور ﷺ کے، کیسی پاکیزہ تعلیم فرما گئے۔ (صفحہ ۱۲۳۔۱۲۴)

دین پر عمل کرنے سے
راستوں کا کھلتے جانا

فرمایا، آجکل لوگوں کو دین سے وحشت ہے، اس کا سبب جہل وسستی ہے، اگر علم صحیح وطلب صادق ہو تو دین میں کوئی دشواری اور تنگی پیش نہیں آسکتی، مجھے تو اس پر اسقدر شرح صدر حاصل ہے کہ میں اس پر قسم کھا سکتا ہوں کہ دین میں جو بھی دشواریاں نظر آرہی ہیں، اگر عمل شروع کردیا جائے، میں سچ عرض کرتا ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ساری دشواریاں دور ہوں، میں اس سلسلہ میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ جنگل میں دیکھا ہوگا یا کسی پختہ سڑک پر کہ راستہ کے دونوں طرف درخت ہوتے ہیں اور دور سے نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر دونوں طرف کے درخت آپس میں ملے ہوئے ہیں اور راستہ بند ہے، اب اگر فرد اس کو دیکھکر ہراس زدہ ہوجائے، کہ راستہ بند ہے، منزل مقصود پر کیسے پہونچونگا جاننے والا اسے کہتا ہے کہ جہاں تک راستہ کھلا ہے، وہاں تک تو چلو اور پہنچو پھر آگے دیکھنا، اب وہاں پہونچکر جس راستہ کو وہ بند سمجھتا تھا، اتنا ہی اور راستہ بھی کھلا ہوا نظر آیا، لیجئے، کام بن گیا، جب تک چلنا شروع نہ کیا تھا، اسوقت تک راستہ بند نظر آرہا تھا، اگر چلنا شروع کردو، درخت اور پہاڑ خود بخود سب ہٹتے نظر آئیں گے اور واقع میں وہ پہاڑ تھے ہی نہیں، محض خیال اور وہم تھا۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

اے خلیل این جا شرار ودود نیست جز کہ سحر وخدعہ نمرود نیست

(اے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) یہاں شعلے اور دھواں نہیں ہے، سوائے نمرود

کے مکر وفریب کے اور کچھ نہیں ہے۔)

طلب ہمت پر جو خلوص کیساتھ ہو بڑے بڑے پہاڑ ھباء منثورا ہو کر میدان بن جاتے ہیں۔ (صفحہ۱۲۴)

انگریزی پڑھنے والوں کے لئے
دین کی حفاظت کی صورت

فرمایا، میں نے ایک وعظ میں کہا تھا کہ میں انگریزی پڑھنے کو روکتا نہیں، اگر ضرورت ہو پڑھو اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ عربی پڑھکر سب علامہ بن جائیں، البتہ دین کی حفاظت کرنا، ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، سو اُس کی ایک صورت بیان کرتا ہوں کہ انگریزی پڑھکر بھی دین کی حفاظت ممکن ہو،وہ صورت یہ ہے کہ تعطیلات کے زمانہ میں نصف حصہ لہوولعب میں صرف کرو اور کم از کم نصف حصہ اہل اللہ کی صحبت میں صرف کرو، یہ صحبت بڑی چیز ہے، اس صورت میں دین محفوظ رہے گا، ورنہ خالی انگریزی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جیسے دیوبند کا ایک قصہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے ایک ڈپٹی صاحب تھے، اُن کے باپ پرانی وضع کے سادہ مزاج گاڑھا پوش تھے، وہ اپنے بیٹے سے انکی ملازمت کی جگہ ملنے گئے، ان کے دوست احباب نے پوچھا کہ آپ کی تعریف، اسے باپ کہتے ہونے عار آئی، کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پڑوسی ہیں، اُن بڑے میاں نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے، میں اس کی ماں کا پڑوسی ہوں، وہ میری بغل میں رہا کرتی ہے، لوگ سمجھ گئے کہ بڑے میاں ڈپٹی صاحب کے باپ ہیں، ایک اور واقعہ ہے، ایک صاحب ولایت سے امتحان پاس کر کے آئے، باپ سے ملے تو مصافحہ کرتے وقت پوچھا کہ او بڈھا، تم اچھا ہے، (انگریزی پڑھنے اور اس ماحول میں رہنے کے بعد) ادب کا تو نام نہیں رہتا۔ (صفحہ۱۲۸ حصہ سوم)

سائل کی مدد کے سلسلہ میں
سرسید احمد خان کا ایک واقعہ

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آجکل سائل سوال کرتے پھرتے ہیں، بظاہر نہایت تندرست اور ہٹے کٹے ہوتے ہیں ان کو کچھ دینا جائز ہے یا نہیں، فرمایا

نہیں، آجکل تو لوگوں نے مانگنے کا پیشہ بنا لیا ہے، اس پر ایک سائل کا قصہ بیان فرمایا کہ مجھ سے ایک صاحب نے بروایت محسن الملک کے بیان کیا کہ سرسید احمد خان اپنی کوٹھی میں بیٹھے تھے، اسمیں شیشے کے کیواڑ تھے، ایک شخص آئینوں میں سے نظر آیا، نہایت بوسیدہ اور میلے کپڑے پہنے ہوئے کوٹھی سے باہر آ کر بیٹھا، سرسید شیشہ کی دریوں سے اسے دیکھ رہے تھے، محسن الملک بھی سرسید احمد خان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، سرسید نے اُن سے کہا کہ دیکھو یہ ایک مکار سائل ہے اور اب اپنا لباس بدلے گا اور پھر آ کر سوال کریگا، مگر میں اسکو ایک کوڑی نہ دونگا، ایسا ہی ہوا، اُس نے اپنی گٹھری میں سے چوغہ، عمامہ اور تسبیح نکالی اور بن ٹھن کر کوٹھی پر آیا اور دستک دی دروازہ کھلا، اس نے اندر داخل ہو کر سلام کیا، اُسوقت سرسید احمد خاں لیٹے ہوئے تھے، اسے نہایت بے رخی سے جواب دیا اور بیٹھے بھی نہیں،اُس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر کہا کہ مجھے فلاں ضرورت ہے، اعانت چاہتا ہوں، سرسید اسی طرح بے التفاتی کیساتھ لیٹے رہے، دوران گفتگو اس کی زبان سے نکلا کہ میں حضرت شاہ غلام علی صاحب (نقشبندی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ جن سے ترکی میں نقشبندی سلسلہ فروغ پذیر ہوا ہے۔ مرتب) کا دیکھنے والا ہوں، اُسکا یہ کہنا تھا کہ سرسید احمد خان نہایت اضطراب کے ساتھ اُٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے، وہ جو حالات بیان کرتا رہا سرسید بہت توجہ سے سنتے رہے، پھر اُسکے لئے نہایت ادب واحترام کے ساتھ کھانا منگایا اور کھانے کے بعد پچاس روپیہ پیش کئے، جب وہ چلا گیا تو محسن الملک نے پوچھا کہ یہ کیا خبط تھا، خود ہی کہہ رہے تھے کہ یہ شخص مکار سائل ہے، پیشہ ور ہے، اسکو ایک کوڑی نہ دونگا، یا اب ایسے معتقد ہوئے، جیسے اُس نے جادو کردیا، آخر آپ کو یہ کیا سوجھی تھی، سید احمد خان نے کہا کہ تم کو خبر نہیں اس شخص نے کس کا نام لیا، اگر یہ اسوقت جان بھی طلب کرتا تو میں عذر نہ کرتا، حضرت شاہ صاحب کی اسقدر عظمت تھی کہ نام سن کر ازخودرفتگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ (صفحہ۱۳۰)

مشورے دینے والوں کا کام کے وقت بھاگ جانا

فرمایا، کہہ دینا بہت آسان ہے، مگر جب کچھ کام کا وقت آتا ہے تو سب کام

سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں، یہ مرض نیچریوں میں زیادہ ہے، مجھے جب کوئی مشورہ دیتا ہے تو میں قبول کر کے ایسا طریقہ عمل بتاتا ہوں، جس سے ان کو بھی کچھ کام کرنا پڑے، اگرچہ وہ کام آسان ہی ہوتا ہے مگر سب فرار ہوجاتے ہیں۔ (صفحہ۱۳۲)

بزرگوں کی عظمت سے دین میں رسوخ کا پیدا ہونا

فرمایا، بزرگوں کی عظمت قلب موجود ہو تو اُس سے نور پیدا ہوتا ہے، ایمان قوی ہوتا ہے اور دین میں رسوخ پیدا ہوتا ہے۔ (صفحہ۱۳۲)

سلسلہ نقشبندیہ کی ایک خصوصیت

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں علوم کے سلسلہ میں نقشبندیوں کا معتقد ہوں ان میں بڑے بڑے علماء گذرے ہیں اور چشتیوں میں اسقدر علماء پیدا نہیں ہوئے، البتہ جانباز چشتیوں میں زیادہ ہیں، یہ بات دوسروں میں اس درجہ کی نہیں۔ (صفحہ۱۳۲)

اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کی پریشانیوں سے بچائے

فرمایا، اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں پریشانیوں سے بچائے، دنیا کی وہ پریشانی چاہے قلت مال سے ہو یا صحت کی خرابی سے ہو یا اولاد کی نافرمانی سے ہو۔ اور آخرت کی پریشانی تو ظاہر ہے کہ صرف معصیت سے ہے، اللہ تعالیٰ سب سے بچائے۔ (صفحہ۱۳۳)

حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی فکر مندی

فرمایا، مجھے یہ حکایت ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوئی کہ حضرت مولانا دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ جس وقت مالٹا میں تشریف فرما تھے، ایک روز بیٹھے ہوئے رو رہے تھے، ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا حضرت گھبراتے ہیں۔ یہ لوگ سمجھے کہ حضرت کو گھر بار یاد آرہا ہوگا یا جان جانے کا خوف ہوگا، فرمایا میں اس وجہ سے نہیں رو رہا ہوں، جو تم سمجھے ہو، بلکہ اس وجہ سے سے رو رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، یہ اللہ ہاں مقبول بھی ہے یا نہیں۔ (صفحہ۱۳۳)

اللہ کے محبوب ہونے کا مراقبہ

فرمایا، جب بندہ نافرمانی کرتا ہے تو آسمان کہتا ہے کہ میں اس پر گر جاؤں زمین کہتی ہے کہ میں اسکو نگل جاؤں، فرشتے کہتے ہیں کہ ہم اس کو ہلاک کردیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے اس کو بنایا نہیں، اس وجہ سے ایسا کہتے ہو، میں نے بنایا ہے، اس کی قدر میں جانتا ہوں، اللہ کی کس قدر رحمت ہے، اور اپنے بندوں سے کس قدر محبت ہے، میں نے اس سے استنباط کر کے ایک بار دوستوں سے کہا تھا کہ عنداللہ اپنے محبوب ہونیکا مراقبہ کیا کرو، اس سے بڑا نفع ہوگا، کیونکہ اس سے تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجائیگی، پھر یہی مراقبہ میں نے ایک کتاب میں بھی دیکھا، ایک بزرگ نے بھی یہی لکھا ہے اس وقت دیکھکر دل بڑا خوش ہوا کہ جو چیز قلب میں آتی ہے الحمداللہ اسکی تائید بزرگوں سے بھی نکل آتی، ہے میں اس میں اتنی قید اور لگایا کرتا ہوں کہ صاحب مراقبہ شریف طبیعت کا ہو، ورنہ وہ بُرا اثر قبول کرے گا کہ عجب ناز پیدا ہوگا اور تعطل بھی۔ (صفحہ۱۳۳)

محض لیکچروں سے
مسلمانوں کے حالات میں بہتری کی کاوش کا ہونا

فرمایا، آجکل لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لیکچروں یا وعظوں سے مسلمانوں کی حالت میں بہتری پیدا ہو اگرچہ یہ اچھی بات ہے، مگر عملی کام کے بغیر نرے وعظوں اور لیکچروں سے بہتری کی صورت پیدا نہیں ہوسکتی۔ (صفحہ۱۳۴ جلد سوم)

دوسری قوموں کے علوم کی حقیقت

فرمایا، علوم میں ساری دنیا مسلمانوں کی محتاج ہے اور ہمیشہ سے رہی ہے، دوسری قوموں کا علوم سے عدم مناسبت کے سلسلہ میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ مولوی نور الحسن صاحب کاندھلوی سے ایک انگریز نے سوال کیا، گنگ، مولوی صاحب نے سوال کو مہمل سمجھ کر، جواب میں بطور تمسخر کہہ دیا، سنگ، بس قافیہ ملا دیا، جن صاحب نے مولوی صاحب کی انگریز سے ملاقات کرانے کی کوشش کی تھی، اُن سے مولوی صاحب نے کہا کہ یہ کیا واہیات آدمی ہے، کیا لغو حرکت کی، وہ کہنے لگے۔ وہ انگریز

مجھ سے کہتا تھا کہ مولوی صاحب بہت بڑا عالم ہے، ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ دریائے گنگ کہاں سے نکلا ہے، انہوں نے کہا کہ پہاڑوں سے، بس یہ ہے دوسری قوموں کے علوم کی حقیقت اور خیر یہ تو محض مہمل بات تھی، جو تحقیقات ان کے یہاں مایہ ناز ہیں، وہ بھی اسلامی علوم کے سامنے محض لچر ہے۔ (صفحہ۱۲۴)

ایک ہندو کے پیام کے جواب میں

فرمایا، ایک معزز ہندو نے ایک شخص کے ذریعے کہلا بھیجا تھا کہ میں اپنے مذہب کی تعلیم پر پوجا پاٹ کرتا ہوں، مگر قلب کو اطمینان نہیں ہوتا، تذبذب ہی رہتا ہے، دعاء کیجئے کہ مجھ پر حق واضح ہوجائے اور کوئی چیز پڑھنے کو بھی بتادیجئے، میں نے کہلا بھیجا کہ اھدنا الصراط المستقیم کثرت سے پڑھو اور ایک بات اور کہلا کر بھیجنے کا ارادہ ہے، وہ یہ کہ تم نے وہاں تو پوجا پاٹ کرکے امتحان کیا، اطمینان حاصل نہیں ہوتا، اور یہاں بغیر عمل کے امتحان کرنا چاہتے ہو، اُس پوجا پاٹ کے بجائے یہاں تلاوت قرآن، نماز وغیرہ کرکے دیکھو، اگر پھر بھی اطمینان نہ ہو تو پھر اطلاع کرو اور انشاء اللہ تعالیٰ ممکن نہیں کہ اطمینان نہ ہو اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ کنجے بے دو بے دام نیست جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

(دنیا کا کوئی کونہ بغیر خطرہ کے نہیں ہے۔ خلوت گاہ حق میں ہی آرام ہے۔)

وہاں تو عمل اور یہاں محض زبانی، اسکا کیا اثر ہو۔ (صفحہ۱۳۵) (یعنی ہندومت میں عمل کرکے دیکھا اور یہاں محض زبانی باتیں۔ مرتب)

اسلامی احکام میں
حکمتیں اور اسرار معلوم کرنے کا مرض

فرمایا، آجکل ہر حکم کی حکمتیں اور اسرار معلوم کرنے کا مرض عام ہوگیا ہے اور یہ سبق زیادہ تر نیچریوں سے لوگوں نے حاصل کیا ہے، اس سے بچنا چاہئے۔ حضرت مجدد صاحبؒ کا قول ہے کہ احکام میں حکمتوں اور اسرار کا تلاش کرنا مرادف ہے انکار نبوت کا، یہ نبی کا اتباع نہیں ہے بلکہ حکمت کا اتباع ہے، جب نبی کو نبی مان لیا، پھر لم۔ کیف۔ کیسا؟ سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے پورے حقوق اسی وقت ادا ہوتے ہیں

جب اللہ سے عشق کا تعلق قائم ہو۔ اسکے بغیر خطرہ ہی خطرہ رہتا ہے، اگرچہ خطرہ کا مقابلہ اختیاری ہے۔ (صفحہ۱۴۸ جلد سوم)

درویشوں کا مالداروں سے تعلقات کا ہونا

فرمایا، آجکل درویشوں کی دو قسمیں ہیں، ایک حق پر گامزن دوسرے باطل پر۔ حق پر گامزن ہونے والوں کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک محقق دوسرے غیر محقق، باستثناء محققین کے کہتا ہوں کہ آج محقق بھی کوشش کرتے ہیں کہ امراء سے ان کا تعلق قائم ہو اگرچہ انکی نیت بُری نہیں، باوجودیکہ وہ اہل حق ہیں، دکاندار نہیں، مگر پھر بھی وہ مالداروں سے تعلق کے لئے کوشاں ہیں، اس لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس سے بہت سختی سے منع کرتے تھے، لوگوں کو معلوم نہیں کہ مالداروں سے تعلقات رکھنے میں اگرچہ حب دنیا نہ بھی ہو، تب بھی بڑی خرابی ہے، جس کا اکثر مشاہدہ ہورہا ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ اہل بصیرت کے علاوہ اس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، ایک صاحب کے اس سوال پر کہ اگر کسی جائز مصلحت کیلئے مالداروں سے تعلق رکھا جائے تو کیا حرج ہے، فرمایا کہ سلیم طبع افراد کو ہر جائز چیز سے رغبت نہیں ہوتی، مثلاً اوجھڑی کا کھانا جائز ہے، مگر لطیف المزاج کو اس سے طبعی طور پر کراہت ہے، اکثر مدرسہ والے بھی مالداروں سے تعلق کا رجحان رکھتے ہیں، ان کے مقاصد اور نیت بُری نہیں، مگر اس کا انجام دیکھکر مجھے تو اس طریقہ کار سے طبعی نفرت ہے۔ (صفحہ۲۲۸)

(مرتب عرض کرتا ہے کہ مالداروں میں مال کی بہتات کی وجہ سے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کشش موجود ہے، منتہی صوفی بھی اگر شعوری طور پر ان سے قرب حاصل کرنے کی تمنا کرے گا اور اس کے لئے کوشاں ہوگا تو مال کے حوالے سے اس کے بشری تقاضے جو مجاہدوں سے دبے اور کمزور ہوجاتے ہیں، وہ ابھر کر سامنے آئیں گے، آئے دن کے مشاہدے ہیں کہ بزرگی کے منصب پر فائز افراد مالداروں سے قرب کی وجہ سے مال کی فکر سے مغلوب ہوگئے، اگرچہ مالداروں کی طلب کی وجہ سے ان کی ذات سے ان کو فیض بھی مل رہا ہے، لیکن ان کا اپنا اخلاص اور قرب حق

خطرہ میں ہے، اس لئے اس معاملہ میں اکابر بزرگوں کا لگ بھگ اجماع ہے۔ مرتب)

حضرت حاجی صاحبؒ کا ایک غیر مقلد کے ساتھ معاملہ

فرمایا، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ایک غیر مقلد نے بیعت کی درخواست کی اور یہ بھی شرط لگائی کہ میں غیر مقلد ہی رہوں گا، حضرت نے منظور فرمالیا اور اللہ کا نام بتایا، حضرت، ذکر کے عاشق تھے، یہ چاہتے تھے کہ ساری دنیا ذکر اللہ میں لگ جائے، چاہے کوئی غیر مقلد ہو، مقلد ہو، وہابی ہو، مطلب یہ تھا کہ ذاکر بنیں، سب کی حق تعالیٰ سے غفلت دور ہو، اسی وجہ سے حضرت نے اُس غیر مقلد کو بھی بیعت کر کے کچھ تعلیم فرما دیا، ایک دو روز کے بعد کسی نے حضرت کو بتایا کہ آپ کی برکت سے اُس نے غیر مقلدی سے توبہ کرلی ہے، آمین بالجھر اور رفع یدین سب چھوڑ دیا ہے، حضرت نے اسے بلا کر دریافت فرمایا کہ تم نے آمین بالجہر اور رفع یدین وغیرہ چھوڑ دیا، عرض کیا، ہاں، حضرت، سب چھوڑ دیا ہے، فرمایا، اگر خود تمہاری تحقیق اور رائے بدلی ہے تو میں مزاحمت نہیں کرتا، کیونکہ عدم جہر وعدم رفع بھی سنت ہے اور اگر یہ چیزیں میرے تعلق کی وجہ سے چھوڑی ہیں اور سنت اُسی سابق عمل کو سمجھتے ہو تو میں ترک سنت کا وبال اپنے ذمہ نہیں لیتا، سبحان اللہ، کیا شان ہے تحقیق کی، عادل یہ حضرات ہیں، عدل اُنکی گھٹی میں ڈالا جاتا ہے، یہ محقق ہی کی شان ہوسکتی ہے اور غیر محقق تو قیامت تک بھی اتنی وسعت اختیار نہیں کرسکتا، حضرت نہ غیر مقلد تھے، نہ بدعتی تھے، محقق تھے، محقق کی یہی شان ہوتی ہے۔ (صفحہ۲۳۴)

متکلمین کی طرف سے
ہونے والی نصرتِ حق کا عبادت ہونا

فرمایا، متکلمین نے کلامی مسائل میں جتنے دعوے کئے ہیں، اس میں بعض پر تنقید نہیں کرنا چاہئے، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ رؤیت بے کیف ہوگی، بے جہت ہوگی، اس میں صحابہ کا تو مذہب یہ تھا کہ کیا خبر کیسی ہوگی، واللہ اعلم، ان تفصیلات کی وجہ سے بعض متقدمین، ان متکلمین کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں، جیسے بدعتی کے پیچھے، مگر الحمدللہ، میری سمجھ میں اس کا فیصلہ آ گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر ان تفصیلات کو

باطل فرقوں کے دعووں کے مقابلہ میں منع کے درجہ میں رکھا جائے، دعویٰ نہ کیا جائے، اگر بصورت دعوے ہوں، مگر دعویٰ کا مقصود نہ ہو تو بدعت نہیں اور واقعی دعوی خطرناک چیز ہے، میں تو اسی توجیہ کی بناء پر متکلمین کا بیحد معتقد ہوں کہ انہوں نے حق کی بڑی نصرت کی ہے اور یہ نصرت بڑی عبادت ہے۔ (صفحہ۲۴۱ جلد سوم)

تسبیح چلانے والوں کو سب کچھ سمجھنا

فرمایا، آجکل اعتقادِ فساد کا بہت غلبہ ہے، تسبیح چلانے والوں کو سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ان کے قبضہ میں ہے، جہاں تعویذ دیا یا دم کر دیا، بس آرام ہوگیا، طبیب کے یہاں سے نسخہ لاکر کبھی نہیں سمجھتے کہ ایک ہی نسخہ پیکر آرام ہوجائے گا، وہاں تو کہتے ہیں کہ کوئی کھیل ہے، کم از کم تین دن تو پی لیں، پھر اطلاع دیں گے، ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، بزرگوں سے حسن اعتقاد کی وجہ سے غالباً ایسا سمجھتے ہونگے، فرمایا کہ یہ حسن اعتقاد نہیں، شریعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اعتقادی فساد ہے۔ (صفحہ۲۴۲)

بادشاہ وقت التمش کا مثالی کردار

فرمایا، حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے عجیب بات فرمائی تھی، شمس الدین التمش نے چند دیہات کا فرمان لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجدیا کہ یہ آپ کی خانقاہ کے اخراجات کیلئے تجویز کر دیا گیا ہے، اُسکے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں تو تم سے محبت ہے اور ہم سمجھتے تھے کہ تمہیں بھی ہمارے ساتھ محبت ہوگی، مگر افسوس کہ ہمارا خیال غلط ثابت ہوا، ہم سے محبت ہوتی تو ہمارے لئے ایسی چیز تجویز نہ کرتے، جو اللہ کی مغبوض ہے، یعنی دنیا، خیر یہ تو درویش تھے، مگر اسوقت کے سلاطین کی حالت سنئے، قطب الدین صاحبؒ کاکی بختیار کا انتقال ہوا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے، جس میں یہ تین شرطیں موجود ہوں، ایک تو یہ کہ کبھی کسی غیر محرم پر نظر نہ کی ہو اور دوسرے عصر کی نماز کی مستحب چار رکعتیں ناغہ نہ ہوں تیسری شرط یاد نہیں رہی، اسوقت جنازہ پر بڑے بڑے علماء اور مشائخ عظام کا مجمع تھا، خادم نے اس وصیت کا اعلان کیا، کوئی بھی آگے نہ آیا،

بالآخر سلطان شمس الدین نے کہا کہ آج حضرت قطب الدینؒ نے مجھے رسوا کیا، الحمدللہ، اللہ تعالٰی نے مجھے یہ دولت نصیب کی ہے اور نماز پڑھائی، یہ اسوقت کے سلاطین کی حالت تھی۔ پھر فرمایا کہ ان بزرگوں کے ذکر کے وقت میری حالت قابو میں نہیں رہتی، مجھے تو ان حضرات کیساتھ عشق کا درجہ ہے اور زیادہ عشق کا سبب یہ ہے کہ غلبہ محبت کے باوجود وہ حدود شریعت کا پوری طرح لحاظ کرتے تھے۔ (صفحہ۲۵۰)

حضرت نظام الدین اولیاء اور وقت کے قاضی کا عجیب واقعہ

فرمایا، محقق چونکہ بڑا عالم ہوتا ہے، اسکی نظر وسیع ہوتی ہے، اسلئے ضروری مواقع کے علاوہ اس میں تشدد نہیں رہتا، وہ اکثر مواقع پر ڈھیلا ہوجاتا ہے، قاضی ضیاء الدین سنامی رحمتہ اللہ علیہ مصنف الاحتساب الاحتساب کا ایک واقعہ سُنا ہے، وہ واقعہ حضرت سلطان نظام الدین صاحبؒ کے ساتھ ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ قاضی ضیاء الدین صاحبؒ سلطان جی کو سماع سے منع فرماتے تھے، ایک بار سلطان جی نے غلبۂ حال میں قاضی صاحب کی حاضری کے وقت قوال کو ارشارہ کیا کہ سماع شروع ہو، ہو، سماع شروع ہوتے ہی سلطان جی بے ساختہ کھڑے ہوگئے، قاضی صاحب نے ہاتھ پکڑ کر بٹھادیا، سلطان جی دوبارہ کھڑے ہوئے، پھر قاضی صاحب نے بٹھایا، سلطان جی سہ بارہ کھڑے ہوئے قاضی صاحب پھر بٹھانا چاہتے تھے، مگر خود ہی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے، جب وہ کیفیت دور ہوئی تو قاضی صاحب نے فرمایا، پھر آ کر احتساب کرونگا، کسی نے قاضی صاحب سے اس کا راز پوچھا تو فرمایا، جب پہلی بار کھڑے ہوئے تو ان کی روح آسمانِ دنیا تک پہنچی، میں نے اسے وہاں سے واپس لاکر بٹھایا، دوسری بار، تحت العرش تک پہونچے، میں اسے وہاں سے بھی لوٹا لایا، تیسری بار فوق العرش پر پہونچے، میں نے جانا چاہا تو ملائکہ جلال نے مجھے روکدیا کہ یہاں صرف نظام الدین کے قدم جاسکتے ہیں، تم نہیں جاسکتے، وہاں انوارِ جلال دیکھکر میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا، میں بدعتی کے سامنے تھوڑا ہی کھڑا ہوا، دیکھئے، شریعت کا کس قدر اہتمام کیا۔ (صفحہ۲۵۶)

کفر اور بدعت والوں کے مقابلہ کے وقت لائحہ عمل

فرمایا، جو ملازمتیں ناجائز ہیں، اُن میں خرابی ضرور ہے، مگر جس شخص کو جائز ملازمت نہ ملے، اس کے لئے اسے چھوڑ دینے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں وہ افلاس میں مبتلا نہ ہوجائے، بعض اوقات کفر تک کی نوبت آجاتی ہے تو یہ معصیت کفر کی معاون ہوجاتی، اس معاون پر ایک چیز یاد آگئی، کان پور کے علاقہ میں ایک گاؤں گجنیر کے نام سے ہے، وہاں پر ایک مسلمان رئیس تھا، اُس کا نام ادھار سنگھ تھا، میں نے سنا کہ اس گاؤں کے لوگ آریہ ہونیوالے ہیں، چند لوگوں کی جماعت لے کر میں وہاں گیا، ادھار سنگھ سے ملاقات ہوئی ان سے اسکا ذکر آیا تو اس نے جواب میں کہا کہ ہم آریہ کسطرح ہوسکتے ہیں، ہمارے یہاں تو تعزیہ بنتا ہے، میں نے کہا کہ تعزیہ بنانا مت چھوڑنا، بعد میں بعض لوگوں نے مجھ پر اعتراض کیا کہ میں نے اسے تعزیہ نہ چھوڑنے کا کہا، میں نے کہا، تم نے غور نہیں کیا، یہ شخص جب تک تعزیہ بنائیگا، کافر نہ ہوگا، تعزیہ بیشک معصیت اور بدعت ہے، مگر اس کے لئے تو یہ معصیت اور بدعت کفر سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ (صفحہ۲۶۰)

اہل تشیعت اور اہل ہنود کی لڑائی کا اسلام اور کفر کی لڑائی کا ہونا

فرمایا، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک زمانہ میں اجمیر تشریف رکھتے تھے، اتفاق سے عشرہ محرم میں ایک مقام پر تعزیہ داروں اور ہندوؤں میں جھگڑا ہوگیا، وہاں کے سنی عمائد نے علماء سے استفتاء کیا کہ ہندوؤں اور تعزیہ داروں کا جھگڑا ہے، ہمیں کیا کرنا چاہئے، علماء نے جواب دیا کہ کفر اور بدعت کی لڑائی ہے، تمہیں الگ رہنا چاہئے، پھر وہ لوگ مولانا محمد یعقوبؒ کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آئے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بدعت اور کفر کی لڑائی نہیں ہے، بلکہ اسلام اور کفر کی لڑائی ہے، کفار، بدعت سمجھ کر تھوڑا مقابلہ کررہے ہیں وہ تو اسلامی شعائر سمجھکر مقابلہ کررہے ہیں، جاؤ، ہندوں کا مقابلہ کرو، غرضکہ سارے مسلمان متحد ہو کر لڑے، انہیں فتح ہوئی تو ان

چیزوں کو سمجھنے کیلئے فہم اور عقل کی ضرورت ہے، معاملہ کے صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہیں کرنا چاہئے۔ (صفحہ ۲۶۱)

تحریک خلافت کے حوالے سے ایک اہم واقعہ

فرمایا، ایک مولوی صاحب سے گفتگو ہوئی، میں نے کہا کہ دوسری بات تو بعد میں ہوگی، پہلے ترکوں کی سلطنت کو اسلامی سلطنت تو ثابت کر دیجئے، اس کے بعد دوسروں کو ان کی نصرت کی ترغیب دیجئے گا اور میں نے اُس نے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ مجموعہ کفر اور اسلام کا کیا ہوگا، کہا کہ کفر، میں نے کہا کہ اب یہ بتاؤ کہ ترکوں کی حکومت جو اسوقت ہے، وہ شخصی ہے یا جمہوری، کہا جمہوری، میں نے کہا اس میں جو پارلمینٹ ہے، وہ کفار اور مسلمانوں سے مرکب ہے یا خالص مسلمانوں کی جماعت ہے، کہا کہ مسلم اور کافروں کی مشترک ہے، میں نے کہا کہ اس کا مجموعہ کیا ہوا، پھر نصرت کیسی، کیا ہم سے غیر اسلامی سلطنت کی نصرت کراتے ہو۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے، کہنے لگے کہ یہ تو کچھ اور ہی نکلا، سارا بنا بنایا قصر ہی منہدم ہوگیا، میں نے کہا کہ اگر آپ جواب نہ دے سکیں تو اپنے علماء اور لیڈروں سے پوچھکر اس کا جواب دو، وہ بیچارے خاموش رہے، میں نے کہا کہ جاؤ، جن کو مخالف سمجھتے ہو اور خشک ملا کہتے ہو، اس کا جواب بھی انہی کے پاس ہے، ہم کہتے کہ اس کے باوجود ان کی نصرت واجب ہے، اسلئے کہ کفار تو اسکو اسلامی سلطنت سمجھکر ہی مقابلہ کر رہے ہیں، اسلئے اسوقت ترکوں کی نصرت کرنا، اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کرنا ہے، اس پر وہ بیحد خوش ہوئے اور دعائیں دیں اور خوشی میں مجھے کچھ نقد نذرانہ بھی دیا۔ (صفحہ ۲۶۱ جلد سوم)

حضرت مولانا محمود الحسنؒ سے میری شکایت اور ان کا جواب

فرمایا، بعض لوگوں نے اس زمانہ تحریک میں میری شکایت حضرت مولانا دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ سے کی کہ وہ اس تحریک میں شریک نہیں، حضرت مولانا نے فرمایا، ہمیں اس پر بھی فخر ہے کہ ایسی باہمت شخصیت بھی ہم میں موجود ہے، جس نے سارے ہندوستان بلکہ دنیا کی پرواہ نہ کی، اس کی رائے میں جو چیز حق ہے، وہ اس پر استقلال سے قائم ہے اس نے کسی کے دباؤ یا اثر کو ذرہ برابر بھی حق کے مقابلہ

میں قبول نہ کیا، پھر تحریک ختم ہونے کے بعد کثرت سے لوگوں کے معافی کے خطوط آئے، میں نے لکھادیا کہ معافی کے متعلق تو عذر نہیں، بقول غالب۔

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آلگا غالب، خدا سے کیا ستم وجور ناخدا کہیے

(صفحہ ۲۶۱)

توبہ قبول ہونے کی بڑی علامت

فرمایا، حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ کا مقولہ میں نے خود دیکھا ہے، فرماتے ہیں کہ جس گناہ سے فرد نے توبہ کر لی ہو، اس کے باوجود وہ گناہ پھر یاد آئے تو اس صورت میں یہ دیکھو کہ یاد آکر گناہ سے لذت آتی ہے یا نفرت پیدا ہوتی ہے، اگر لذت آتی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ توبہ قبول نہیں ہوئی اور اگر گناہ سے نفرت معلوم ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ توبہ قبول ہو چکی (مگر نظر ثانی کے وقت اچھی طرح یاد نہیں کہ یہ مقولہ حضرت سلطان جی کا ہے یا کسی اور کا۔ (صفحہ ۲۷۳)

عطا کے لئے طلب کا ہونا شرط ہے

فرمایا، حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے، فرد کا کام صرف یہ ہے کہ وہ کام میں لگا رہے (اس سے جو بھی ذکر وشغل ہو سکے) کرتا رہے، وہ طلب کو دیکھتے ہیں، اگر ادھر طلب موجود ہے تو ادھر علم بھی ہے، قدرت بھی ہے، رحمت بھی، اسلئے سب کچھ عطا ہو کر رہے گا۔ (صفحہ ۲۷۳)

وسوسوں اور شبہات کا سبب عظمت ومحبت کا نہ ہونا

فرمایا، دو چیزیں ہیں، اگر انسان میں پیدا ہوجائیں تو پھر کبھی شبہات پیدا نہیں ہو سکتے، ایک عظمت، دوسری محبت، شبہات کا پیدا ہونا عدم محبت اور عدم عظمت کی دلیل ہے، باقی محبت وعظمت کے بغیر محض سوالوں یا تحقیقات سے شبہات کا کبھی ازالہ نہیں ہو سکتا، وسوسوں اور شبہات سے بچنے کا یہ طریقہ ہی نہیں، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس محبت اور عظمت کے پیدا ہونے کا طریقہ کیا ہے تو میں عرض کرتا ہوں کہ وہ طریقہ اہل محبت کی صحبت ہے اور بعد تجربہ کے اس میں کوئی شبہ نکال ہی نہیں سکتا۔ (صفحہ ۲۷۳)

وقت نہ ہونے والوں کے لئے اصلاح کا طریقہ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر فرد کے پاس اتنا وقت نہ ہو کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہ سکے تو کم ازکم ان سے خط وکتابت ہی رکھے اور جب بھی موقع ملے، چاہے دوچار روز کیلئے ہی کیوں نہ ہو، ان کے پاس آ کر رہے اور بزرگوں کے حالات کا مطالعہ کرتا رہے، غرض کوئی کام ایسا نہیں، جس کی کوئی راہ نہ ہو، مگر کام کرنے والا چاہئے، راہیں سب نکل آتی ہیں۔ (صفحہ۲۷۳)

دنیا کی ترقی کا نتیجہ تنزل کی صورت میں ظاہر ہونا

فرمایا دنیا کی ترقی کا نتیجہ تنزل ہی ہے، اسی طرح دنیا کی راحت بھی تکلیف ہی ہے، یہ تکلیف چاہے دوسروں کی ہو، ایک صاحب کو سرکاری ملازمت ملی اور اس کی تنخواہ پانچ سو روپے ہوگئی، اس نے خط کے ذریعہ گھر والوں کو اس کی اطلاع دی، گھر میں خط پڑھنے والا کوئی نہیں تھا، سوائے میاں جی کے، جو ان کے بچوں کا استاد تھا یہ خط میاں جی کو دیا گیا کہ وہ خط پڑھکر بتائے، خط پڑھکر وہ رونے لگے، ان کے بچوں نے پوچھا کہ کیا لکھا ہے، انہوں نے کہا کہ خط میں رونے کی بات ہے، تم سب روؤ تو پھر بتاؤں گا، گھر کے سب افراد رونے لگے، ان کے رونے کی آواز سن کر محلہ والے جمع ہوئے، انہوں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے، میاں جی نے کہا کہ تم روؤ تو پھر بتاؤں، وہ رونے لگے، اس کے بعد میاں جی نے بتایا کہ اب ان کی پانچ سو روپے تنخواہ ہوگئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کم بخت، اس میں رونے کی کیا بات ہے، انہوں نے کہا کہ اتنی بڑی تنخواہ ملنے کے بعد اب وہ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیں گے تو سب سے پہلے وہ مجھے نکالیں گے، یہ تو میرے رونے کی بات ہے، بیوی کے رونے کا سبب یہ ہے کہ وہ اب نئی شادی کریں گے، اس بیوی کو نکالیں گے، پڑوسیوں کے رونے کا سبب یہ ہے کہ وہ گھوڑے کا اصطبل بنانے کے لئے ان سے محلہ خالی کرائیں گے۔

عورت کو شوہر کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرنا چاہئے

فرمایا، عورت کو شوہر کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرنا چاہئے، حدیث میں

تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر عورت اپنا مال بھی صرف کرے تو وہ بھی شوہر کے مشورے کے بغیر نہ کرے۔ (صفحہ۲۸۶)

جدید تحریکات سے قلب میں ظلمت کا پیدا ہونا

فرمایا، میں دیکھتا ہوں کہ ان نئی چیزوں میں سے اکثر میں نور نہیں ہوتا، بلکہ ظلمت محسوس ہوتی ہے، اب یہ تحریکات حاضرہ ہیں، ان کے سوچنے سے قلب پر ظلمت اور کدورت معلوم ہوتی ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی بنیاد میں اسلامی اصول اور اسلامی احکام شامل نہیں، اس لئے اس میں ظلمت ہے۔ (صفحہ۲۸۶)

(راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اگر جدید تحریکوں میں اللہ کی محبت کا داعیہ شامل ہو تو اس سے باطنی امراض سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوگی، اس سے حقیقی حمیت دین بھی پیدا ہوگی، اس طرح جدید تحریکیں باعث خیر ثابت ہوں گی، عشق ومحبت کے اجزاء کے بغیر جدید تحریکوں کے افراد کا ظلمت سے بچنا مشکل ہے۔ مرتب)

باطنی کیفیات سے محروم افراد کی باتوں کا اعتبار نہ ہونا

فرمایا، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ جن افراد میں باطنی کیفیت موجود نہیں، ان کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں، خلوص جس کا نام ہے، وہ اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی کئے بغیر پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ (صفحہ۲۸۷۔ جلد سوم)

نفس کا کبھی فرشتہ ہونا کبھی شیطان ہونا

فرمایا، میں تو کہتا ہوں فرد اپنے اوپر پوری طرح اعتماد نہ کرے، مراد یہ ہے کہ نفس کسی وقت میں فرشتہ ہے اور کسی وقت میں شیطان۔ (صفحہ۲۹۰)

(راقم عرض کرتا ہے کہ نفس کی حالت میں یہ تغیر عام طور پر مبتدی اور متوسط طالب میں رہتا ہے، جب کہ منتہی صوفی کی نفس کی شرارتوں کا زور ٹوٹ جاتا ہے، تاہم اگر وہ اصولوں کی خلاف ورزی کرے گا، یعنی ذکر ومراقبہ بالکل ترک کردے گا یا مالداروں سے تعلقات رکھنے کی فکر میں رہے گا تو اس کے لئے بھی نفس اور شیطان کی زد سے بچنا مشکل ہوگا۔ ایسا منتہی صوفی چاہے بزرگی کے کتنے ہی مقام پر فائز ہو، وہ ہزاروں مریدوں کا پیر کیوں نہ ہو، اگرچہ۔ ہزاروں مریدوں کو ان سے محبت

وعقیدت کی وجہ سے فیض کیوں نہ ملتا ہو، لیکن وہ خود اصولوں کی خلاف ورزی کی وجہ سے محروم ہی رہے گا، یہ وہ نکتہ ہے جسے سمجھنے کی سخت ضرورت ہے، اہل اللہ کی جوتیاں درست کرنے اور زندگی بھر کے تجربات ومشاہدات سے اس عاجز پر یہ نکتہ واضح اور مشاہد ہوا ہے)۔

علماء کرام کا باطنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہونا

فرمایا، علماء اکثر درس وتدریس میں مشغول رہتے ہیں، باطنی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دیتے، درس وتدریس بھی اگرچہ بڑی عبادت ہے، مگر اس کی بھی تو ضرورت ہے، بلکہ خود درس وتدریس وغیرہ۔ اس سب کا مقصود اللہ کی محبت ومعرفت کے ارتقائی مراحل طے کرنا ہے۔ (صفحہ۲۹۵)

جدید طرز سے قرآن کی تشریح
کرنے والے ایک مولوی صاحب سے گفتگو کی تفصیل

ایک نئے خیال کے مولوی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہاں پر آئے تھے، میں نے مہمان سمجھ کر اچھا برتاؤ کیا، وہ کھلے تو مجھ سے کہا کہ مجھے تنہائی میں کچھ کہنا ہے، میں نے ان کو تنہائی کا وقت دیا، مختلف باتیں ہوتی رہیں، میں نے ان سے کہا کہ آپ کو اس بات کی کیا ضرورت درپیش ہوئی کہ آپ نے ترجمہ قرآن پڑھانے کا ایک نیا طرز نکالا ہے، جو متقدمین کے خلاف ہے، کہنے لگے کہ اب جدید لوگوں میں نئے شبہات پیدا ہونے لگے ہیں، اُن نئے شبہات کا جواب اس طرز جدید کے بغیر نہیں ہو سکتا، میں نے کہا کہ پرانے طرز کی تفسیروں کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو ان میں سارے شبہات کا جواب موجود ہے اور میں نے یہ بھی کہا کہ اس کا ایک امتحان ہے، وہ یہ ہے کہ دو گریجویٹ منتخب کئے جائیں، ایک کو میں پُرانے اصول پر ترجمہ پڑھاؤں اور ایک کو آپ اپنے نئے اصول پر پڑھائیں، پھر کوئی شخص جدید شبہات دونوں کے سامنے پیش کرے اور دونوں اپنے اپنے طرز پر جواب دیں، پھر اس سے پوچھ لیا جائے کہ بتاؤ، کس کے جوابوں سے تسلی ہوئی، کہنے لگے کہ پُرانے طرز سے تسلی کر دینا یہ آپکے ساتھ مخصوص ہے دوسرے نہیں کر سکتے، میں نے کہا کہ

میں کیا چیز ہوں، مجھ سے بڑے بڑے اکابر موجود ہیں اور اگر یہی فرض کر لیا جائے تو جن کو آپ پڑھاتے ہیں، یہاں بھیجدیا کریں، آپ کیوں پڑھاتے ہیں، اسکا کوئی شافی جواب نہ دے سکے۔ (صفحہ۲۴۲ جلد سوم)

(واضح ہو کہ موجودہ دور میں جدیدیت سے متاثر بعض مفکروں اور انقلابی ذہنیت کے مذکورہ مولانا صاحب نے قرآن کی جو تشریح کی ہے، اس کا محض اسلوب بیان اور طرز ہی جدید نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کی نصب العینی تعلیمات اور اس کے بنیادی اہداف ہی کو تبدیل کر دیا گیا ہے اور فرض کو نصب العین اور نصب العین کو فرض کی حیثیت دی گئی ہے، مذکورہ مولانا صاحب کی فکر کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد سرمائیداروں اور مالداروں سے جنگ جوئی اور جہاد ہے، ایمان وعقائد، اصلاح نفس، تزکیہ نفس، فکر آخرت اور اخلاق حسنہ وغیرہ ان سب کی حیثیت ذیلی نوعیت کی ہے، اس فکر پر سینکڑوں کتابیں تیار ہو کر سامنے آئی ہیں۔ مرتب)

راہ سلوک کی دشواریاں

شیر کی تصویر بنوانے والے کی واویلا کرنے کی مثال

فرمایا، فردین میں جسم پر شیر کی تصویر بنانے کا رواج تھا، ایک شخص ماہر کے پاس آیا اور کہا کہ میری کمر پر شیر کی تصویر بنادو، اس نے سوئی سے جسم پر چرکہ دیا، جس پر اس نے کہا، ہائے مر گیا، کیا بناتا ہے، ماہر نے کہا، دم بنا رہا ہوں، اس نے کہا کہ دم نے تو میرا دم ہی نکال دیا ہے، دم کو چھوڑ دو، کیا دم کے بغیر شیر نہیں بنتا۔ اس نے دم کو چھوڑ کر دوسری طرف سوئی چبھو دی، اس نے پوچھا، اب کیا بناتا ہے، ماہر نے کہا، کان، اس نے کہا، کیا کان کے بغیر شیر نہیں ہوتا۔ کان کو چھوڑ دو، ماہر نے تیسری طرف چرکہ دیا، اس نے پوچھا، کیا بناتا ہے، ماہر نے کہا پیٹ، اس نے کہا کہ پیٹ کے بغیر شیر بناؤ، ماہر نے چوتھی طرف چرکہ دیا، اس نے کہا کیا بناتے ہو، کہا شیر کا سر بناتا ہوں، اس نے کہا، کہ سر کے بغیر بھی تو شیر بن سکتا ہے۔ ماہر نے سوئی پھینک دی۔

اسی سلسلہ میں مولانا رومی فرماتے ہیں۔

شیر بے گوش وسرواشکم کہ دید — این چنیں شیرے خدا ہم نا قرید
گر بہر زخمے تو پُر کینہ شوی — پس کجا صیقل چو آئینہ شوئ
چوں نداری طاقت سوزن زدن — پس تواز شیر ژیاں ہم دم مزن

بے کان، بے سر اور بے پیٹ کے شیر کس نے دیکھا ہے۔ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا۔ (آگے مولانا فرماتے ہیں کہ) اگر تو ہر کچو کے پر ناراض ہوگا۔ تو آئینہ کی سی صفائی تیرے اندر کہاں سے آئے گی، اگر تو ایک سوئی چبھنے کو بھی برداشت نہیں کر سکتا تو پھر شیر نر کی تصویر بنوانے کا ارادہ ہی مت کرو۔ (صفحہ ۳۷ حصہ سوم)

مسلمانوں کے مستقبل کی فکر مندی
آپس کے جھگڑوں سے فرصت نہیں

فرمایا، مسلمانوں کی موجودہ حالت دیکھ کر کھانا تک اچھا نہیں لگتا، اس قدر غم ہے، بس یہ فکر ہے کہ معلوم نہیں مسلمانوں کا مستقبل کیا ہوگا، اسلئے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جب ان کے ہم جھگڑے ہوتے ہیں تو بہت سے احباب اگرچہ دل سے محبت کرتے ہیں، مگر بعض مقامات پر جا کر میں نے ان کے آپس کے جھگڑوں کے متعلق کچھ انتظام کیا، تا کہ ان میں صلح وصفائی رہے، لیکن کوئی اثر نہیں ہوا (یعنی صلح کی کوششوں کے باوجود صلح نہ ہوسکا) جب اُن کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے تو آنا جانا سب بند ہوجاتا ہے، یہ ان کی حالت ہے، جو عاشق کہلاتے ہیں، ان سے اتنا بھی کام نہیں ہوتا، اب بتاؤ کہ کس بل بوتے پر مسلمانوں کو آگ میں دھکا دیدوں، جب اُن کی یہ حالت ہے، سوائے اس کے کہ خدا سے بہبود اور فلاح کی دعا کی جائے۔ اس فلاح کی تدابیر بتانے کیلئے میں نے ''حیات المسلمین'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کے لکھنے میں بھی مجھ کو بہت تکلیف ہوئی، پھر اس کے انتخاب اور سہل بنانے میں بھی، مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان کی طرف بھی مسلمانوں کو التفات نہیں، تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بعض فتنے ایسے ہیں جو دور ہو ہی نہیں سکتے۔ (صفحہ ۲۶۸ حصہ سوم)

اخلاص اور تواضع کے بغیر محروم رہنا

فرمایا، اللہ کے ہاں تو خلوص اور تواضع کی قدر ہے، اگر یہ نہیں تو پھر چاہے کتنی ہی بڑی شخصیت ہو، اس کی ذرہ برابر قدر نہیں ہوتی اور سمجھ لینا چاہئے کہ میں محروم ہوں، اسے نہ کوئی نفع ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اسے اپنے عدم نفع کا ادراک نہ ہو، جیسے بعض علمی اداروں میں تکبر اور رفع کو خود داری سمجھا جاتا ہے، اب اگر کسی کے یہاں صفات مذمومہ ہی کمالات سمجھے جائیں اور باعث فخر ہوں تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ مریض اپنے امراض ہی کو کمال سمجھے اور اس پر فخر کرے تو طبیب بیچارہ کیا تیر لگائے گا، مگر اس کا انجام کار ہلاکت ہی ہے۔ (صفحہ ۴۶ جلد پنجم)

مذہبی حمیت کو بیدار کرنا ہی سارے مسائل کا حل ہے

فرمایا، میں اپنے دوستوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں اور خود بھی اس پر عامل ہوں کہ حق تعالیٰ سے اپنی بہبود اور فلاح کی دعا کریں اور یہ بڑا عمل ہے اور اس سے بڑا عمل یہ ہے کہ اللہ کی رضا کی فکر میں لگ جائیں، اگر مسلمان ایسا کریں تو انشاء اللہ چند روز میں کایا پلٹ ہوجائے، مالک حقیقی حق تعالیٰ ہی ہیں، مُلک ان کی مِلک ہے، انہیں سے مانگو اور اس کا صحیح طریقہ یہ یہی ہے کہ ان کو راضی کرو اور راضی کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ گذشتہ نافرمانیوں سے تائب ہو کر آیندہ کے لئے اعمال صالحہ کا عزم لیا جائے، کیونکہ ذہنوں میں تدابیر بھی وہی پیدا فرماتے ہیں اور پھر ان تدابیر کو موثر بھی وہی بناتے ہیں تو ان کو راضی کرنے سے تدبیریں بھی ذہن میں صحیح اور موثر آتی جائیں گی اور یہ بات یقین کے درجہ کی ہے کہ اگر مسلمان ایسا کریں تو اُن کے سارے مصائب اور آلام ختم ہوجائیں، یہ مصائب، اللہ کو ناراض کرنے کی وجہ سے آرہے ہیں اور جو تدابیر اسوقت اختیار کی جارہی ہیں، چونکہ وہ اکثر غیر شرعی ہیں، اس لئے کامیابی کے بجائے الٹی ذلت اور ناکامی کا سامنا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ انگریزوں نے شروع سے فیصلہ کیا، ہندوستان کو نکما بنایا جائے اس کی تدبیر یہ تھی کہ مذہبی حمیت کو برباد کیا جائے، میں کہتا ہوں کہ آپ مذہبی حمیت کو بیدار کرو، پھر

دیکھئے کیا اثر ہوتا ہے، اسوقت کثرت سے لوگوں کو مذہب سے بیگانہ کردیا گیا ہے، یہ نہایت خطرناک حربہ ہے، بس اسکے مقابلہ میں کرنیکا کام یہ ہے کہ قلوب میں مذہب کی اہمیت پیدا کی جائے، مگر مشکل یہ ہے کہ جو کام کرنے کے ہیں، ان کو تو مسلمان کرتے نہیں، دوسرے جھگڑوں اور قصوں میں پڑکر، اپنا مال، اپنی جان اور اپنا وقت برباد کررہے ہیں، حقیقی تدابیر سے بھاگتے ہیں، صاحبو، اگر اعتقاد سے نہیں کرتے تو آزمانے کی خاطر کرکے دیکھ لو، اسی کو فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش　　　آزموں رایک زمانے خاک باش

(برسوں تک تو سخت پتھر بنارہا آزمائش کے لئے کچھ روز خاک ہوکر بھی دیکھ۔) (صفحہ ۴۷ جلد پنجم)

فقہاء کی قدر نہ کرنا اور اس کے نتائج

فرمایا، علماء نے کہ علم کلام کو ایسا مدون کیا کہ ساری دنیا منہ بند کردیا، کوئی آج تک اس کا توڑ نہ کرسکا، اسی طرح فقہاء نے احکام دین کی تدوین کی اور نصوص کی جگہوں کو ظاہر کیا، مگر کم فہموں نے شکر گذاری کے بجائے الٹا اُن پر اعتراض کیا کہ یہ لوگ تاویلیں کرکے نصوص کو ترک کرتے ہیں، چنانچہ ایک غیرمقلد نے دہلی میں وعظ کہا، اس میں بیان کیا کہ قرآن وحدیث سب ظاہر ہیں، کہیں تاویل جائز نہیں، ایک طالب علم مولوی عبدالحق تھے قصبہ جلال آباد کے، انہوں نے کہا، کیوں صاحب، کہیں تاویل نہ کی جائے گی، کہا کہ ہاں، کہیں نہیں کی جائے گی، انہوں نے کہا کہ بہت اچھا تو میں کہتا ہوں کہ اس قاعدہ کی بناء پر تو کافر ہے، کہنے لگا یہ کیوں، انہوں نے کہا کہ قرآن میں ہے ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی (ترجمہ، اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو کر اٹھیگا) یہ غیرمقلد واعظ اندھا تھا، کہنے لگا، اس کا تو یہ مطلب نہیں، بلکہ مجازی معنی مُراد ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ تو تاویل ہے اور تاویل بقول آپ کے باطل ہے، بڑا پریشان ہوا، فرمایا کہ واقعی اگر ضرورت دلیل سے بھی تاویل نہ کی جائے گی تو ایسا ہوگا، جیسے ایک شخص نے شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کے اس شعر کا مطلب سمجھا تھا۔

دوست آں باشد کہ گیرد دوست دوست　　　در پریشان حالی ودر ماندگی

دوست وہ ہے جو دوست کی پریشان حال اور عاجز ہونے کے وقت مدد کرے۔

واقعہ یہ ہوا کہ اس شخص کا دوست کسی سے لڑرہا تھا اور وہ بھی ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا، اس نے پہونچکر دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے، جس سے بیچارے کی اچھی طرح مرمت ہوئی، کسی نے کہا کہ یہ کیا حرکت کی، کہتا ہے کہ میں نے تو شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کی تعلیم پر عمل کیا ہے۔ (صفحہ ۴۹)

تصوف وسلوک کا اختیاری واختیاری چیزوں سے وابستہ ہونا

فرمایا، راہ سلوک میں کسب کو دخل نہیں، جذب کی ضرورت ہے، البتہ خود جذب کا انحصار اعمال پر ہے، ہاں، اس اعتبار سے کسب کو بھی عمل دخل کہا جا سکتا ہے کہ وہ اعمال اختیاری ہیں، مگر یہ دخل بھی محض صورت ہے، ورنہ ہمارے اعمال ہی کیا ہیں، اسلئے میں پھر یہی کہونگا کہ اس میں کسب کو دخل نہیں، بلکہ جذب ہی پر انحصار ہے، بعض لوگ خیال کرتے ہونگے کہ اختیاری اور غیر اختیاری کے یہ الفاظ خوب سیکھ لئے ہیں، ہر جگہ جاری کردیے جاتے ہیں، مگر معلوم بھی ہے کہ اسکی بدولت بہت سے خلجانوں سے نجات مل گئی، یہ تعلیم صدیوں سے گم ہوچکی تھی، اس کی وجہ سے لوگ سخت پریشانیوں میں مبتلا تھے، اب اگر کوئی کسی حالت کی نسبت پوچھنے پر لکھتا ہے کہ غیر اختیاری ہے تو میں اسے لکھتا ہوں، جب غیر اختیاری ہے تو اس کے درپے کیوں ہو اور اگر کہتا ہے کہ اختیاری ہے تو میں جواب دیتا ہوں کہ پھر ہم سے کیا پوچھتے ہو، اختیار سے کام لو، پس جھگڑا ختم ہوجاتا ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ اختیاری اور غیراختیاری کا مسئلہ نصف سلوک ہے، بلکہ اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو، کل سلوک کہنا بھی میری نظر میں بے جانہ ہوگا۔ (صفحہ ۵۱)

دینداروں کو کم عقل سمجھنے کی غلط فہمی

فرمایا، جب کوئی شخص کسی دیندار سے کہتا ہے کہ اس میں عقل نہیں، تو بہت ہی ناگوار ہوتا ہے، کیونکہ یہ خیال ہی غلط ہے، دین کی وجہ سے عقل نہیں جاتی، بلکہ اس

زمانہ میں دین کی طرف اکثر متوجہ ہی وہ افراد ہوتے ہیں، جن میں عقل کم ہوتی ہے، وہ دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتے، کہتے ہیں آؤ، دین ہی کی طرف چلو اور جو عقل رکھتے ہیں، وہ اس کو دنیا میں صرف کرتے ہیں، یہی وجہ ہے اس غلط فہمی کی، ورنہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہی کو دیکھ لیجئے کہ ان حضرات میں کس درجہ عقل تھی کہ ان کے سامنے ارسطور اور افلاطون سب کی عقلیں گرد تھیں، کیا دین اور عقل جمع نہیں ہو سکتیں اور انبیاء علیہم السلام تو بڑی چیز ہیں، انکے خادموں اور غلاموں کی عقلوں کے سامنے بڑے بڑے فلاسفر اور رفارمر ہیچ ہیں اور اس زمانہ میں بھی اہل دین میں ایسے افراد موجود ہیں کہ دنیا کا بڑے سے بڑا عاقل ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور حقیقی عاقل تو وہ ہیں کہ ان کی عقل جتنا اضافہ ہوجاتا ہے، وہ دین میں اتنا زیادہ آگے بڑھتے رہتے ہیں اور حقیقت میں دین کا تو خاصہ ہی یہی ہے کہ اس کے اختیار کرنے سے عقل اور بڑھتی ہے، اس لئے کہ اس سے نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے عقل روشن ہوتی ہے اور جس طرح دین سے عقل بڑھتی ہے، اسی طرح عقل سے دین بڑھتا ہے، کیونکہ عقل کا کام یہ ہے کہ نفع اور نقصان پہنچائے، پھر ضرر اور نفع کی دو قسمیں ہیں، ایک آخرت کا۔ دوسرا دنیا کا، تو عقل صحیح کام یہ ہے کہ وہ آخرت کے ضرر اور نفع کو دنیا کے نفع اور ضرر پر غالب رکھے تو عقل سے دین کا بڑھنا ثابت ہوگیا۔ (صفحہ ۵۷)

سماع سے ہیجان کا پیدا ہوجانا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ طریق میں عقائد و ضروری اعمال کی تصحیح کے بعد سب سے بڑی چیز محبت ہے، اس کی بڑی سخت ضرورت ہے، مراقبات سے بھی زیادہ تر یہی مقصود ہے کہ ان سے یکسوئی پیدا ہو اور یکسوئی سے محبت پیدا ہو، اور سماع میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس سے یکسوئی پیدا ہوجاتی ہے اور یکسوئی کے ساتھ ایک ہیجان بھی ہوتا ہے، مگر ہیجان اسی محبت کا ہوتا ہے، جو پہلے سے موجود ہو۔ اگر اللہ کی محبت ہے تو اس کا ہیجان ہوتا ہے اور اگر مخلوق کی محبت ہے تو اس کا ہیجان۔ اس لئے سماع کی ہر شخص کو اجازت نہیں۔ (صفحہ۸۰)

بعض بزرگوں کے، دنیا سے بے نیازی کے حیرت انگیز واقعات

فرمایا، بعض بزرگ بھولے معلوم ہوتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ نہایت دانشمند ہوتے ہیں اور بھولے کسی حالت کے غلبہ کی وجہ سے معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب دہلوی جو مکہ معظمہ میں مقیم تھے، انکا واقعہ ہے کہ انکے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں پیسے رکھتے تھے اور جب بازار جاتے تو اگر ایک پیسہ کا بھی سودا لینا ہوتا تو بھی پوری تھیلی ساتھ لے جاتے، ایک روز بازار سے تھیلی ہاتھ میں لئے واپس مکان کو جارہے تھے، جب مکان کے قریب ایک گلی میں داخل ہوئے تو ایک بدوی نے تھیلی ہاتھ سے چھین لی اور بھاگ گیا، آپ نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ کیا ہوا، سیدھے مکان پر پہونچکر اور مکان کا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگالی، اب وہ بدوی تھیلی لئے چلا، مگر جب اس گلی سے نکلنے کا ارادہ کرتا، تب لوٹ کر پھر اُسی گلی میں آجاتا ہے، گویا راستہ بند ہوگیا، سمجھ گیا، یہ وبال ہے کسی بات کا اور پریشان ہو کر تھیلی لوٹانے کیلئے واپس شیخ کے مکان پر آیا اور آواز دی یا شیخ یا شیخ، اپنی تھیلی لے لو، شیخ کوئی جواب ہی نہیں دیتے، یہ پھر دوبارہ لے کر چلا، پھر وہی صورت کہ راستہ بند، پھر لوٹا اور شیخ کے مکان پر پہنچ کر پکارا، مگر جواب ندارد، آخر اس نے ایک ترکیب کی کہ شوروغل کرنا شروع کیا کہ دوڑو، شیخ نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے، سارا محلہ جمع ہوگیا، پوچھا کیا معاملہ ہے، کہا کہ صاحب مکان نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے، انہیں سامنے لاؤ تو بیان کروں، لوگ ان کی بزرگی کے معتقد تھے، اُس کو ڈانٹا کہ کیا کہتا ہے، وہ تو بڑے بزرگ ہیں، کہا کہ ذرا دروازہ تو کھلواؤ، میں ابھی بزرگی ظاہر کئے دیتا ہوں، اہل محلہ نے بزرگ سے خوشامد کر کے دروازہ کھلوایا اور اس بدوی سے دریافت کیا کہ بتاؤ، انہوں نے کیا ظلم کیا ہے، کہا کہ میں پیسوں کی تھیلی لے کر بھاگا تھا، اب یہ مجھے جانے نہیں دیتے، جب جانے کا ارادہ کرتا ہوں راستہ بند نظر آتا ہے اور تھیلی بھی نہیں لیتے، یہ ان بزرگ کا ظلم تھا، غرضکہ یہ نہ جانے دیتے ہیں اور نہ اپنی تھیلی واپس لیتے ہیں، یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے، لوگوں نے

ان بزرگ سے عرض کیا کہ آپ اپنی تھیلی لے لیں، فرمایا کہ یہ تھیلی اب میری نہیں رہی، اسی کی ہوگئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت یہ میرے ہاتھ سے لے کر بھاگا تھا، مجھے اسی وقت خیال ہوا کہ ایک مسلمان میری وجہ سے گنہگار ہو اور دوزخ میں جائے، اس لئے میں نے اسی وقت وہ تھیلی اس کو ہبہ کردی، اللہ اکبر، ان حضرات کا بڑا ظرف ہوتا ہے، یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ ایک مسلمان ایک لمحہ اور ایک منٹ کے لئے بھی گنہگار رہے اور سارے مال کا چلا جانا اور دیدینا گوارا کر لیا اور یہ ہبہ اصطلاحی تو نہ تھا، کیونکہ اس میں دوسرے کا قبول شرط ہے، مگر اپنی نیت سے اس کو بری الذمہ کردینے کو مجازا ہبہ فرمادیا، پھر فرمایا کہ یہ حکایت بیان کرنے میں تو بہت سہل ہے، مگر کوئی ایسا کر بھی سکتا ہے۔ بس وہی کر سکتا ہے، جس کے دل میں کوئی اور چیز موجود ہو، اس چیز کے ہوتے ہوئے دوعالم بھی اس کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتے، حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں شاہ سنجر نے لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ملک سنجر کا کچھ حصہ خانقاہ کے نام کردوں، تاکہ اہل خانقاہ اور آپ کو کوئی تکلیف نہ رہے، آپ نے اس کے جواب میں یہ لکھکر بھیجا۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ... دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب ... من ملک نیم وز بیک جونمی خرم

(اگر میرے دل میں ملک سنجری کی ہوس ہو تو جس طرح سنجر کا چتر سیاہ ہے۔ میرا نصیب بھی سیاہ ہو۔ اور جس وقت سے ملک شب (یعنی عبادت نیم شب) کی مجھے خبر ہوئی ہے، میں تو ملک نیمروز کو ایک جو کے بدلہ میں بھی نہ خریدوں گا۔) (صفحہ۸۶)

سفارش کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچانے کا عمل

فرمایا، یہ بزرگ یعنی مولانا شاہ یعقوب صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نواسے تھے اور دینی امور میں اس قدر دقیق النظر تھے کہ متعارف سفارش کو پسند نہ فرماتے تھے، اس لئے کہ سفارش کی حیثیت یہ ہے کہ ایک مسلمان کو راحت پہنچائی جائے، یہ تو مستحب ہے، جب کہ جس سے سفارش کی جائے، اندازہ سے معلوم ہو کہ اس کو گرانی اور تکلیف ہوگی تو اسے تکلیف اور اذیت سے بچانا واجب ہے، سو مستحب

کے لئے واجب کو ترک نہیں کیا جاسکتا، دیکھئے، کیسی دقیق النظر تھی۔ (صفحہ۸۶)

بیعت میں جلدی کرنا خرابیوں کا حامل ہے

فرمایا، ویسے تو بیعت جلدی کرنے میں بہت سے خرابیاں ہیں، مگر بڑی بات یہ ہے کہ نفع وابستہ ہے طبعی مناسبت پر، اگر یہ مناسبت موجود نہیں تو کچھ بھی نہیں اور مناسبت کی تحقیق جلدی نہیں ہوسکتی، البتہ تجربہ کی بنا پر میں دوشخصوں کو بیعت کرنے کیلئے کچھ انتظار نہیں کرتا، ایک بیمار اور دوسری عورت۔ یہ دونوں قابل رحم اور قابل رعایت ہیں۔ (صفحہ۸۸)

حکومت کے بغیر خر دماغوں کا علاج مشکل ہے

فرمایا، حکومت کی بڑی سخت ضرورت ہے، حکومت کے بغیر انتظام مشکل ہے، زیادہ گڑبڑ اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ہورہی ہے، ہر شخص آزاد ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں شام میں ایک شخص تھا، وہ قرآن شریف کے متشابہات میں تحریف کرتا تھا۔ اس علاقہ میں جو عامل مقرر تھے، آپ نے ان کو اس کی گرفتاری کا حکم بھیجدیا، چنانچہ وہ گرفتار ہوکر آیا۔ آپ نے ستون سے بندھوا کر حکم دیا کہ اسکے دماغ پر دُرے لگائے جائیں، دوچار دُرے لگے تھے، چیخ اٹھا اور عرض کیا کہ اب ساری عمر ایسا نہ کروں گا، غرض دماغ درست ہوگیا، سو حکومت کے بغیر ایسے خر دماغوں کا علاج مشکل ہے۔ (صفحہ۱۳۰)

جمہوریت کے کرشمے

ایک صاحب نے ایک طبی کالج کے طلباء کا ذکر کیا کہ وہاں آزادی ہے، چھوٹے بڑے کے درمیاں کوئی فرق نہیں، استادوں کے ساتھ مساوات کا برتاؤ ہے۔ فرمایا کہ اب تو چھوٹے بھی بڑوں کا اتنا ادب نہیں کرتے، جتنا پہلے بڑے چھوٹوں کا ادب کرتے تھے اور آج کل نہ استاد کی پروا ہے، نہ باپ کی، نہ پیر کی، عجیب گڑبڑ پیدا ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا سے خیروبرکت اٹھتی چلی جارہی ہے، جمہوریت جمہوریت گاتے پھرتے ہیں، یہ سب اسی کو نحوست ہے کہ نہ چھوٹے چھوٹے رہے، نہ بڑے، بڑے رہے اور اس کے علاوہ یہ جمہوریت خود مقصود کے اعتبار سے بھی ایک

کھیل ہے، جو قوت، شوکت اور ہیبت شخصیت میں ہے، وہ جمہوریت میں کہاں اور ہو بھی کیسے، نکو مین سمجھتے ہیں کہ آج ایک پریسیڈنٹ ہے، کل کو بدل دیا جائے گا، یہ انتخاب کی برکت اور جمہوریت کے کرشمے ہیں، اس میں نہ کوئی مستحکم انتظام ہو سکتا ہے، نہ پائیدار کام ہو سکتا ہے، بخلاف شخصیت کے کہ وہ بڑی برکت کی چیز ہے، مگر عجیب عقلیں ہیں، تجربہ کر رہے ہیں، کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے، مگر باز نہیں آتے، اس بے حسی کا کسی کے پاس کیا علاج اور پھر اس پر بھی بس نہیں، شخصیت کو خلاف حکمت بتاتے ہیں، عجیب تماشا ہے۔ (۱۳۲)

آمین باالجہر کی تین قسمیں

فرمایا بعض غیر مقلد بھی عجب چیز ہیں، ان کی عبادات میں بھی فساد کی نیت شامل ہوتی ہے، اللہ کے لئے نہیں ہوتی۔ آمین بالجہر، بیشک سنت ہے، مگر ان کا مقصود محض فساد کرنا ہوتا ہے، پس اصل میں اس فساد سے منع کیا جاتا ہے، ایک مقام پر ایسے ہی اختلاف میں ایک انگریز تحقیقات کیلئے متعین ہوا۔ اور اس نے اپنے فیصلہ میں عجیب بات لکھی کہ آمین کی تین قسمیں ہیں۔ ایک آمین باالجہر، یہ شافعیہ کا مذہب ہے، اس کی تائید میں احادیث وارد ہیں، ایک آمین بالسر، یہ حنفیہ کا مذہب ہے، اسمیں بھی حدیثیں وارد ہیں، ایک آمین بالشر، یہ کسی امام کا مذہب نہیں، اور نہ اس میں کوئی حدیث وارد ہے، اس لئے اس سے منع کیا جانا چاہئے۔ غرض بعض کو عبادات میں بھی شر اور فساد ہی مقصود ہوتا ہے۔ (صفحہ ۱۳۲)

دوسروں کے درپے ہونے کے بجائے اپنی خیر منانا
(حجاج بن یوسف کے حوالے سے ذکر)

فرمایا، کسی کو کوئی کیا کہہ سکتا ہے اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ حجاج بن یوسف، جس کا ظلم مشہور ہے، مگر باجود اس کے (اسوقت ظالموں کی یہ حالت تھی کہ) ایک شب میں تین سو رکعت نفل پڑھنا اس کا معمول تھا، یہ جس وقت مرنے لگا ہے تو کہتا ہے کہ یا اللہ، لوگ کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نہیں بخشا جائیگا، ہم تو جب جانیں، جب آپ ہمیں بخش دیں، متقیوں کو بخش دینا کوئی عجیب بات نہیں، حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ یا

کسی دوسرے تابعی سے کسی نے جا کر کہا کہ وہ یہ کہہ کر مرا ہے، فرمایا، بڑا چالاک ہے، معلوم ہوتا ہے، اللہ میاں سے جنت بھی لے لیگا۔ ایک شیخ نے مرجانے کے بعد اسے خواب میں دیکھا، دریافت کیا کہ کیا حال ہے، کہا کہ میں نے جو افراد قتل کئے تھے، سب کے بدلے میں ایک ایک بار مجھے قتل کیا گیا اور حضرت سعید بن جبیر کے بدلے میں ستر مرتبہ قتل کیا گیا، میں سخت تکلیف میں ہوں، پوچھا کہ اب کیا خیال ہے کہا کہ وہی خیال ہے، جو اللہ کے ساتھ سب مسلمانوں کا ہے یعنی مغفرت کا امیدوار ہوں اور ضرور مغفرت ہوگی، یہ خیال اس شخص کا ہے، جو دنیا بھر کے نزدیک مبغوض اور مردود ہے، وہ بھی اللہ کی ذات سے ناامید نہیں ہوا اور آجکل کے بڑے بڑے وظیفوں کے پڑھنے والوں کا بھی اللہ کیساتھ اتنا قوی خیال نہیں، اب کوئی کسی کو کیا تحقیر کی نظر سے دیکھے، بس فرد کو چاہئے کہ اپنی خیر منائے، کیوں کسی کے درپے ہو، اپنی ہی کیا خبر ہے کہ کیا معاملہ ہوگا۔ (صفحہ ۱۳۳)

قلبوں سے دین کی عظمت کے رخصت ہونے کا المیہ

فرمایا، پہلے لوگوں کے قلوب میں دین کی عظمت تھی جو، اب مفقود ہوگئی ہے، پہلے گناہگاروں کے قلبوں میں بھی دین کی عظمت موجود تھی اور اب وہ زمانہ ہے کہ بہت سے بڑے بڑے جبے قبے والے اور بڑے بڑے القاب والے اس دولت سے کورے ہیں۔ (صفحہ ۱۳۴)

مزاجوں میں انگریزیت کا رچ بس جانا

فرمایا، اب تو وہ زمانہ ہے کہ ہر شخص کی رفتار، گفتار اور لباس سے انگریزیت جھلکتی ہے۔ سادگی کا نام نہیں رہا، زبان سے نصرانیت اور انگریزیت کی بُرائی کرتے ہیں اور دل میں وہی باتیں رچی بسی ہیں، ان جیسا لباس اور ان جیسی معاشرت اختیار کر رکھی ہے، مجھے تو ایک عالم کا قول پسند آیا کہ یہ لوگ نصرانیوں کے مخالف ہیں اور نصرانیت کے حامی ہیں، بات تو کام کی کہی، واقعی یہی ہو رہا ہے، غضب تو یہ ہے کہ اس فتنہ سے بعض علماء بھی نہ بچ سکے ہیں اور نصوص کے خلاف کرنا شروع کر دیا ہے، ان کا طریقہ کار بالکل نصوص کے خلاف ہو رہا ہے، لیکن کسی کا عمل تو حجت نہیں۔

(صفحہ ۱۳۶)

توجہ اور خیالی قوت کی تین قسمیں

فرمایا، خیالی قوت سے بھی بعض اوقات قوی اثرات مرتب ہوجاتے ہیں، اگر اس قوت کو وحی کے تابع بنا دیا جائے، یعنی جس جگہ وحی نے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں استعمال کیا جائے، تب تو خیریت ہے، ورنہ نقصان ہی نقصان ہے، خیالی قوت کی تین قسمیں ہیں، بعضوں میں یہ فطری ہوتی ہے اور قوی بھی ہوتی ہے، بعض افراد میں فطری ہوتی ہے، مگر ضعیف ہوتی ہے اور بعضوں میں فطری نہیں ہوتی، بلکہ خاص مشق سے پیدا ہوتی ہے اور پہلے دونوں کو اس میں اتنی مشقت نہیں ہوتی اور متعارف توجہ بھی خیالی قوت ہی کا ایک طریقہ ہے، مگر چشتی مشائخ اس متعارف توجہ کا اہتمام نہیں کرتے، بعض سلسلوں میں اس کا خاص اہتمام ہے، باقی اس کا ایک درجہ سارے مشائخ میں مشترک ہے کہ صحبت کے ذریعہ کسی کی اصلاح کی جائے، یہ توجہ ہر شیخ کو حاصل ہے اور اتنی توجہ کافی بھی ہے۔ (صفحہ ۱۳۹)

لوگوں کی وابستگی کا
مقبولیت مردودیت سے تعلق نہیں

فرمایا، حدیث شریف میں آیا ہے، جناب رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بعض نبی ایسے آئے ہیں، جن کے ساتھ صرف ایک امتی ہوا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ شیطان کے ساتھ لاکھوں کروڑوں لوگ ہوں گے تو یہ کوئی مقبولیت اور مردودیت کی دلیل تو نہیں۔ دوسرا جواب اس سے زیادہ لطیف ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اُس چیز کی دعوت دے رہا ہے، جس کے تم پہلے سے متلاشی ہو، سو چونکہ وہ تمہیں تمہاری مرغوبہ اور محبوبہ دنیا کی طرف مدعو کررہا ہے، اسلئے تم اس کی طرف بدحواس ہوکر چلے جارہے ہو اور چونکہ انبیاء کی دعوت، نفس کی مخالفت کی ہے، اسلئے ان کے متبعین قلیل ہیں، خلاصہ یہ کہ انبیاء علیہ السلام کا اصلی منصب اس ناپائدار دنیا سے نفرت دلانا ہے، اور شیطان ونفس کا کام اس کی طرف بلانا اور اس میں پھنسانا ہے، یعنی بندوں کو خدا سے دور کرنا اور ان کے ساتھ تعلق کو خراب کرنا یہ شیطان ونفس کا

اصل فرض منصبی ہے۔ اب ان جوابوں کے بعد میں کہتا ہوں کہ مسلمان کا کام تو یہ ہے کہ وہ اسلامی احکام کی پابندی کرتے ہوئے کامیابی کی کوشش کریں، اگر یہ بات نہیں اور اسلامی احکام کو پامال کرکے، ترقی اور کامیابی حاصل کی تو وہ مسلمانوں کی ترقی تھوڑی ہوگی، ایسی ترقی تو فرعون، شداد، نمرود، ہامان اور قارون نے بھی کی ہے، یہ سب ترقی یافتہ تھے، ان کی ترقی کو مذموم کیوں کہتے ہو، اس لئے کہ انہوں نے حدود سے گذر کر ترقی کی تو اس صورت میں تمہاری ترقی اور اُن کی ترقی میں فرق کیا ہوا۔ (صفحہ ۱۶۳)

روح کو دوسرا جسم ملنا

فرمایا، اس روح کو برزخ میں دوسرا جسم عطا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کا اس جسم سے بھی تعلق رہتا ہے اور قبر کا سوال وجواب اُس جسد مثالی کے ساتھ ہوتا ہے، جو وہاں عطا ہوتا ہے اور اس جسد عنصری سے تعلق رہنے کا درجہ ایسا ہے، جیسے کوئی رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے تو اب چلنا پھرنا تو اس دوسری کے ساتھ ہوتا ہے، مگر ایک قسم کا تعلق اس پہلی سے بھی رہتا ہے تو روح اگرچہ وہاں اس جسد مثالی کیساتھ ہوگی، مگر اس کا تعلق اس جسد عنصری کے ساتھ بھی ہوگا۔ اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھالے یا بھیڑیا کھالے یا آگ میں جل جائے کیا، تب بھی حساب ہوگا، سو یہ حساب اس جسد مثالی کے ساتھ ہوگا، جو عالم برزخ میں عطا ہو۔ (صفحہ ۱۸۵)

روح اور جسم کے بارے میں

ایک صاحب نے سوال کیا کہ عالم برزخ میں اس جسد پر عذاب ہوگا یا مثالی پر۔ فرمایا کہ مثالی جسد پر، باقی دوزخ میں اس جسد عنصری ہی پر عذاب ہوگا۔ عرض کیا کہ جنت میں بھی جسد عنصری ہوگا یا مثالی جسد ہوگا۔ فرمایا کہ یہی جسد عنصری ہوگا، عرض کیا کہ تو کیا جنت ودوزخ میں مثالی جسد نہ ہوگا، صرف عنصری ہی ہوگا، فرمایا مثالی بھی ہوگا اور اب دنیا میں بھی ہے۔ چنانچہ جس وقت روح نکلتی ہے تو وہ مع مثالی جسد کے نکلتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے موتی ایک ڈبہ میں ہو اور ڈبہ

صندوق میں ہے تو موتی کو جس وقت نکالا جاتا ہے تو ڈبہ اور موتی دونوں ساتھ ہوتے ہیں، اسی طرح روح اور مثالی جسد کو اس جسد سے معا نکال لیا جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۸۵)

بزرگوں کی صحبت کے زندگی بھر اثرات

فرمایا، بزرگوں کی صحبت اکسیر اعظم ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، خواہ فرد کیسا ہی بڑا بن جائے، ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ ایک بات کہدی، ساری عمر کے لئے قلب پر نقش ہوگئی اور یہ چیز اگر بچپن میں ہی میسر ہوجائے تو اور زیادہ بہتر ہے، پھر وہ چاشنی ساری عمر رہے گی۔ مولانا فتح محمدؒ صاحب میرے استاد تھے، مجھے قسمت سے ان کی صحبت مل گئی، اس نے سارا کام بنادیا، الحمداللہ، دل میں اسی وقت کی تربیت اور تعلیم کا اثر ہے، دیکھنے میں مولانا فتح محمد صاحب بہت سادہ تھے، کسی کمال باطنی کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا، مگر دل، اللہ کی محبت اور خشیت سے لبریز تھا، اس تجزبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالی پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک کہ فرد اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت میں نہ رہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں اور خوب فرماتے ہیں۔

بے عنایات حق وخاصان حق   گر ملک باشد سیہ ہتش ورق

(بغیر حق تعالیٰ اور خاصان حق کی عنایت کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا بھی نامہ اعمال سیاہ ہے۔) (صفحہ ۱۸۵)

روزی کی کشادگی کا مدار، عقل پر نہیں

فرمایا، روزی کا مدار عقل پر نہیں ہے، محض عطاء حق پر ہے، ایسے لاکھوں ہزاروں افراد ہیں، جو بیوقوف ہیں، مگر ان کو رزق، عقل والوں سے ہزاروں درجہ زیادہ مل رہا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر اس کا ملنا غیراختیاری ہے، اختیاری نہیں، بعض لوگ ساری عمر حالت افلاس میں گذار جاتے ہیں، اگر کسی کو وسعت رزق میسر آجائے تو بڑی دولت ہے۔ بڑی نعمت ہے، قدر کرنا چاہئے، اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ کفران نعمت نہ ہوجائے۔ (صفحہ ۲۲۳)

دنیا کا ذلیل ہوکر آنا

فرمایا، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کا ہوجاتا ہے، دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آتی ہے، بس انسان کو چاہیئے کہ وہ آخرت کی فکر میں لگا رہے۔ (صفحہ ۲۵۰)

پکی قبروں سے رحمت کی کمی کا واقع ہونا

فرمایا، آجکل یہ جو پختہ قبریں بناتے ہیں، اس سے میت پر رحمت کے جو اسباب ہوتے، ان میں سے ایک سبب کو کم کردیتے ہیں، ایک حدیث شریف میں ہے کہ کوئی نبی کسی مقبرہ سے گذرے، بعض اموات کو عذاب کی حالت میں دیکھا، پھر ایک مدت کے بعد وہیں سے گذر ہوا تو انہیں مغفور پایا، وجہ پوچھی تو ارشاد ہوا کہ عذاب کی وجہ تو اعمال بد تھے، مگر جب ان کے کفن گل گئے، ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں، قبریں منہدم ہوگئیں، اس حالت پر ان پر رحم آیا، ہم نے انہیں بخشدیا۔ پھر عقلی طور پر سمجھو کہ جب فرد خود ہی نہ رہا، اب پختہ قبر میں کیا رکھا ہے اور پختہ قبریں تو محض بیکار ہیں، اہل فناء کی تو شان یہ ہوتی ہے کہ بعض برکات کی غیر ضروری چیزوں سے بھی انہیں تعلق نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات غلبہ حال میں بعض ضروری چیزوں سے بھی انکو دلچسپی نہیں ہوتی، مولوی غوث علی شاہ صاحب پانی پتی (جو اپنے وقت کے بڑے بزرگ تھے۔ مرتب) نے عین جان کنی کے وقت جب لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کو کہاں دفن کریں، مخدوم صاحب میں، قلندر صاحب میں، جواب میں فرمایا کہ میں نے سب کے تلوے سہلائے، اب مجھے نہ ضرورت مخدوم صاحب کی ہے، نہ قلندر صاحب کی، مجھے تو صرف جوار رحمت کافی ہے، میری، لاش کو کفن دیکر ایک چٹیل میدان میں رکھدینا، تاکہ میری لاش کو کوے کھائیں اور ان کا پیٹ بھر جائے، شاید اسی سے حق تعالیٰ میری نجات فرمائیں۔ (صفحہ ۲۵۱)

خوابوں کی تعبیر کا ماہر ہونا بزرگی کی علامت نہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معبر ہونا یعنی خوابوں کی تعبیر کرنا بزرگی کے لوازم میں سے نہیں۔ ابو جہل بڑا معبر تھا، بس جس طرح بزرگ کا طبیب ہونا ضروری نہیں، اسی طرح بزرگ کا معبر ہونا ضروری نہیں۔ دوچیزوں

میں مناسبت معلوم ہوجائے یہ حقیقت ہے تعبیر کی اور یہ ایک مستقل فن ہے اس کا بزرگی سے کوئی تعلق نہیں، ایک بار حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے ایک خواب کی تعبیر فرمائی، حضور نے سن کر فرمایا تعبیر کچھ صحیح ہے اور کچھ غلط، اگر یہ بزرگی کا حصہ ہوتی تو حضرت صدیق سے زیادہ کون بزرگ ہوتا۔ پھر تعبیروں کا ذکر فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں خواب میں اپنے دانت ٹوٹ جانے کا بیان کیا۔ فرمایا، دانت سخت ہوتے ہیں، تمہاری سختی دور ہوجائیگی ایک اور شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے فلاں بزرگ کو دیکھا ہے کہ برہنہ ہیں، حضرت نے فرمایا کہ مجمع میں ایسا خواب بیان نہیں کرتے۔ نہ معلوم لوگوں کے ذہنوں میں کیا آیا ہوگا، کیسے ہوں گے کہ وہ تقوے سے عاری تھے۔ حالانکہ خواب میں دنیا سے بے تعلقی کی طرف اشارہ ہے پھر فرمایا کہ مجھے تو اس فن سے بالکل ہی مناسبت نہیں۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ خواب میں رکھا ہی کیا ہے بیداری کی باتیں صحیح ہونی چاہئیں۔ مگر آجکل لوگ اس کو بہت اہم سمجھتے ہیں۔ (۲۶۵)

حزب البحر پڑھنے کی اجازت مانگنا

فرمایا، ایک صاحب کا خط آیا ہے، کہا ہے کہ میں آپ سے حزب البحر کی اجازت چاہتا ہوں، محض خوشنودی حق کے لئے۔ میں نے لکھا ہے کہ جس وقت حزب البحر نہ تھی، اسوقت اللہ کی خوشنودی کا کیا طریقہ تھا۔ اس پر فرمایا کہ لوگ قرآن شریف وحدیث کو چھوڑ کر، ان چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہاں، اگر ہر چیز اپنے درجہ پر رہے تو برکات کا کس کو انکار ہے۔ (صفحہ ۲۷۶)

دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے
اسے پکڑنے کے لئے منتر کی ضرورت

فرمایا، ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے دنیا کی عجیب مثال دی ہے کہ دنیا سانپ ہے، اس سانپ کو وہ شخص پکڑے جو منتر جانتا ہو، صحابہ اس کا منتر جانتے تھے، اس لئے وہ ان کے لئے مضر نہیں ہوتی اور ہم منتر جانتے نہیں، اس لئے

ہمیں اس سے بچنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ڈس نہ لے، اس دارالامتحان اور دارالحزن میں بہت ہوشیار ہوکر رہنے کی ضرورت ہے، ذرا غفلت ہوئی اور دنیا نے اپنا وار کیا، اس لئے فرد کو ہر وقت خدا سے دعا کرتے رہنا چاہئے اور ڈرتے رہنا چاہئے اور دین کے کام میں لگا رہنا چاہئے اور عمر بھر اسی مجاہدہ میں رہے، کیونکہ یہ وہ راہ ہے کہ اس سے زندگی بھر فرصت کی امید کرنا بڑی بے عقلی ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش — تادم آخر دمے فارغ مباش

(اندر کی تراش خراش میں لگے رہو آخر وقت تک یعنی آخری سانس تک فارغ مت بیٹھو)۔ (صفحہ ۲۸۰)

حکومت کا ملنا، اللہ کی اطاعت سے وابستہ ہے

فرمایا مسلمانوں کو حکومت اور سلطنت تو اللہ کی اطاعت کی بدولت ہی نصیب ہوسکتی ہے، دیکھئے، اگر کسی سے کوئی چیز مانگنا ہو تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اول اسے راضی کیا جائے، حکومت وغیرہ یہ سب چیزیں حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں تو ان کو راضی کرکے مانگو۔ مگر لوگوں کی حالت عجیب ہے کہ ان کے خیال میں شریعت پر عمل کرنے سے تو ناکامی ہوتی ہے اور اس کے خلاف کرنے میں کامیابی۔ کیا خرافات ہے البتہ کفار کا معاملہ دوسرا ہے کہ ان کو ڈھیل دی جاتی ہے۔ (صفحہ ۲۹۷)

قلب میں دین کے رسوخ کے بغیر
دینی کاموں کا حشر

فرمایا، جس کام میں مجھے دوسروں کی مدد کی ضرورت ہو، اسکو کرنے کو جی نہیں چاہتا، اسلئے کہ ان سے امید نہیں کہ وہ آخر تک عہد پورا کریں گے، شرعی اصول اور احکام اس سے مستثنیٰ ہے، خلافت کی تحریک میں میری عدم شرکت کی ایک وجہ یہ بھی تھی، جس کی وجہ سے میں تحریک خلافت میں شرکت نہ کر سکا، مجھے لوگوں کی حالت کا اندازہ ہے، تجربہ ہے۔ میں تجربات اور مشاہدات کو کیسے فراموش کروں، میں رات دن دیکھتا ہوں کہ اگر چھوٹے سے چھوٹا کام بھی کسی کے سپرد کرتا ہوں تو بیٹھا انتظار

کرتا رہتا ہوں اور جسکے سپرد کیا گیا ہے، اسے اس کام کی پروا بھی نہیں ہوتی، لوگوں میں اس قدر پستی آ گئی ہے، جس کے یہ آثار ہیں کہ ایک کام کی ضرورت تو اس وقت ہے، مگر اس کے لئے چار پانچ دن تو مشورہ ہی کیلئے چاہیے، پھر مشورہ طے ہوجانے کے کچھ بعد دن ٹال مٹول کیلئے چاہیے، سو کام ایسے تھوڑا ہوتا ہے پھر ایک یہ ہوتا ہے کہ تا جوش ہے جوش سے ہلڑ شروع کر دیا، مگر جب ہوش آئیگا تو ایک فرد بھی نظر نہ آئیگا، جن لوگوں نے غدر (جنگ آزادی) کے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، ان سے پوچھو، پناہ مانگتے ہیں کہ خدا وہ دن نہ دکھائے، بہت سے علماء کو ان کے معتقدین نے آمادہ کیا، مگر جب وقت آیا، سب غائب، بیچارے مولوی صاحبان ہی پر آفت آئی۔ ان بچوں کو ابھی خبر ہی کیا ہے، سب سے پہلے قلب میں دین کو راسخ کرنے کی ضرورت ہے، اسکے بعد آگے قدم رکھنا چاہیے۔ سو ابھی یہاں تو رسوخ کا کام ہی صفر ہے، اسلئے ان کی کوئی بات قابل اعتماد نہیں۔ (صفحہ۸، جلد ششم)

یورپین قوموں کا روحانیت اور عقلیت سے محروم ہونا

فرمایا، یورپین اقوام دنیا کے کاموں میں بڑی ہوشیار ہیں، ان لوگوں کو مادیات سے بہت زیادہ مناسبت ہے، مگر روحانیات اور عقلیات سے انہیں کوئی تعلق نہیں، البتہ اکلیات (کھانے کی چیزوں) سے تعلق ہے ہر وقت اکل یعنی دنیا کی فکر ہے ان کے اخلاق کی غایت بھی معاشی اغراض ہیں، اس لئے ایسی چالاکی سے بات کرتے ہیں کہ فرد فوراً مسخر ہوجاتا ہے، جس کا بعض اوقات نادان کے دین پر بھی اثر پڑجاتا ہے، اسی لئے میں تو فتوی دیتا ہوں اور یہ محض تجربہ کی بناء پر ہے کہ ان سے بلاضرورت ملنا نہ چاہیے۔ (صفحہ۱۵)

مخلوق، خالق کے احکام کا احاطہ نہیں کرسکتی

فرمایا، نیچریت کی وجہ سے اکثر لوگوں کی دینی حالت برباد ہوئی ہے، ان کے یہاں ہر چیز کا معیار اور مدار محض عقل ہے، لیکن موٹی بات ہے کہ مخلوق، خالق کے احکام کا احاطہ کیسے کرسکتی ہے اور عقل بھی تو مخلوق ہی ہے، وہ کہاں تک پرواز کرے گی، کہیں

نہ کہیں جاکر اس کی دوڑ ضرور ختم ہوجائے گی۔ (صفحہ۳۱)

علماء کی طرف سے گداگروں کی روش اختیار کرنا

فرمایا، امراء سے تعلقات سے دین کا نقصان ہوتا ہے، ہاں، اگر وہ خود تواضع وخلوص کے ساتھ ان کے طالب ہوں تو پھر انہیں نفع بھی ہوسکتا ہے اور اگر ان کو تو طلب نہ ہو اور علماء ان کے دروازوں پر جاکر ان کی گداگری اختیار کریں تو امراء سمجھتے ہیں کہ جو چیز ہمارے پاس موجود ہے، یہ اُسکے طالب ہیں تو پھر اگر وہ تحقیر کا برتاؤ کریں تو اُن کی کوئی شکایت نہیں، اسلئے کہ دنیا کے طالب کے ساتھ تو ایسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے اور اگر علماء کی اس حالت کے باوجود وہ ان کی تحقیر نہ کریں، تب تو وہ قابل تعریف ہیں اور علماء ومشائخ قابل ملامت۔ (۳۸)

شاہ محمد غوث کے موکلوں کی کارروائی

فرمایا، شاہ محمد غوث گوالیری نے مؤکلات کو تابع کیا تھا، ایک بار ان کو حکم دیا کہ شاہ عبدالقدوس صاحب قدس سرہ گنگوہی کو یا اس سلسلہ کے اور کوئی بزرگ تھے، انکو یہاں لے آؤ، مؤکل پہونچے، حضرت شیخ مشغول تھے، موکلوں پر ہیبت طاری ہوگئی، شیخ نے دفعتہً دیکھا تو کچھ اشخاص نہایت قوی ہیکل کھڑے ہیں، دریافت فرمایا کہ کون ہو، عرض کیا، ہم مؤکل ہیں، پوچھا، کیسے آئے ہو، عرض کیا کہ شاہ محمد غوث گوالیری نے بھیجا ہے، وہ زیارت کے مشتاق ہیں، اگر ارشاد ہو تو حضرت کو بہت آرام سے وہاں پہونچا دیں گے، فرمایا کہ انکو یہاں لے آؤ، وہ موکل واپس گئے اور شاہ محمد غوث گوالیری کو لیکر چلے، انہوں نے کہا بھی کہ تم تو میرے حکم بردار ہو، کہنے لگے کہ دوسروں کے مقابلہ میں، البتہ شیخ کے مقابلہ میں ہم انکے حکم بردار ہیں، غرض ان کو لیکر گنگوہ حاضر ہوگئے۔ شیخ نے انہیں بہت ملامت کی کہ کیسے واہیات کام میں مصروف ہو، انہوں نے اُسی مجلس میں توبہ کی۔ اور حضرت شیخ سے بیعت ہوئے۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک جولاہہ آیا کہ میری لڑکی پر اللہ بخش کا سایہ ہے، آپ چلئے، فرمایا کہ میں عامل نہیں ہوں، اس نے بہت اصرار کیا، آپ تشریف لے گئے، اس نے سلام کیا اور حضرت کی تشریف آوری پر شرمندگی

ظاہر کی اور عرض کیا کہ اگر صرف اپنا نام لکھکر بھیجدیتے تو میں چلا جاتا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ آپ کے سلسلہ والوں کو کبھی نہ ستاؤں گا۔ (صفحہ۵۲)

آلات لہو کو توڑنا عوام کا کام نہیں

فرمایا، امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی عجیب نظر ہے، ان کا فتوی ہے من کسر لمسلم بربطاًاو طبلا او مزمارا اود فافھو ضامن اور وجہ اس کی یہ لکھی ہے کہ آلات لہو کو توڑ ڈالنا، واعظ یا کسی عامی کو جائز نہیں، اگر کوئی توڑ ڈالیگا تو جرمانہ لازم آئیگا، کیونکہ یہ کام سلطان کا ہے، وہ ایسا احتساب کرسکتا ہے، توڑ پھوڑ سکتا ہے، سزا دے سکتا ہے، امام صاحب کے اس فتوے میں فساد سے کس قدر تحفظ کیا گیا ہے، حاصل یہ ہے کہ یہ اختیارات سلطان کے ہیں، ورنہ اگر عوام کو ایسی گنجائشیں دی جائیں تو معاشرہ میں جدال وقتال کی صورت پیدا ہو، ایک انگریز نے لکھا ہے کہ سلطنت کسی فقہ پر نہیں چل سکتی، سوائے فقہ حنفی کے، یہ ایک سیاسی تجربہ کار کا قول ہے۔ (صفحہ۵۴)

دشوار مسائل میں راہ نکالنے کی صورت

فرمایا، بعض باتیں بڑی نازک پیش آجاتی ہے، اس وقت عجیب کشمکش ہوتی ہے۔ یہاں ایک نیک شخص تھے، جو نیم عالم بھی، حافظ بھی، ان کا ایک ہندو قانون گو سے ایک معاملہ تھا، اس پر چار روپیہ رشوت کے ٹھیرے، مضرت سے بچنے کیلئے رشوت دینا جائز بھی ہے، ان کو یہ مسئلہ معلوم تھا، اسلئے وعدہ کرلیا، جب ان کا کام ہوگیا تو میرے پاس آئے کہ کام تو ہوگیا ہے، اب کوئی مضرت بھی نہیں تو اب رشوت دوں یا نہ دوں، میں نے کہا کہ اصل تو یہ ہے کہ رشوت نہ دی جائے، مگر اس کا اثر دیکھا جائے کہ اس میں مسلمانوں کی خصوصانیک لوگوں کی بدنامی ہے، یہ غیرمسلم سمجھیں گے کہ ایسے بزرگ بھی بے ایمانی کرتے ہیں، اسلئے اگر تم دے کر توبہ کرلو تو یہ مصلحت کے قریب ہے۔ پھر اسوقت نہ دینے میں آئندہ ان مظلوم غرباء کا نقصان ہوگا، جن کا کام اُدھار پر ہوجاتا تھا اور ہر وقت نقد رقم میسر نہیں ہوتی، ایسی دقیق اور پیچیدہ باتیں پیش آجاتی ہیں، مصلحین کو اور خادمان امت کو، اللہ تعالی

معاف فرمائیں۔ (صفحہ۶۱ جلد ششم)

ننگ وناموس کا مرض۔

عشق ومحبت کے ذریعہ اس کا علاج

فرمایا، فرد بہت سے نیک کاموں سے ننگ وناموس کی وجہ سے باز رہتا ہے، اس میں بڑے لوگ زیادہ مبتلا ہیں، جب کہ چھوٹے لوگ اکثر اس کی پروا بھی نہیں کرتے، اس ننگ وناموس کا اگر کوئی علاج ہے تو وہ صرف اللہ سے عشق اور محبت ہے، اسلئے کہ عاشق کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ ننگ وناموس کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتا۔ عاشق کبھی بدنامی سے نہ ڈرے گا اور بزبان حال یہ کہیگا۔

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں　　ما نمی خواہیم ننگ ونام را

اور اس ننگ وناموس نے بہت سوں کا بیڑا کر دیا ہے، غرض دین اور ایمان تک سے محرومی ہوگئی، یہ کمبخت ایسے ٹوٹے کی چیز ہے کہ اس کی بدولت دین اور دنیا دونوں برباد ہوجاتے ہیں، ہاں، عشق اور محبت بیشک ایسی چیز ہے کہ وہ ننگ وناموس کو فنا کردیتی ہے۔ اگر حق تعالی سے محبت پیدا ہوجائے تو فرد، ان ساری چیزوں سے دستبردار ہوجاتا ہے، اس محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کی جائے، اُنکی تعلیم پر عمل کیا جائے، پھر اُسمیں انقیاد اور اعتماد کی ضرورت ہوگی۔ (صفحہ۱۳۹)

دوسروں کے کام سپرد کرنے کے نتائج

فرمایا، دوسروں کو کوئی کام سپرد کرکے مجھے اطمینان نہیں ہوتا، اسلئے کہ قریب قریب ہر شخص میں الا ماشاء اللہ بے فکری کا عام مرض ہے، اسلئے میں اکثر سارے کام اپنے ہاتھ سے خود ہی کرتا ہوں، اُس بے اطمینانی سے بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے کام خود ہی کرے، میں نے ایک رسالہ عیلۂ ناجزہ عورتوں کے ارتداد کی خبریں سنکر لکھنا چاہا، مگر چونکہ اس میں مالکی علماء کی تصدیق کی ضرورت تھی اور وہ عرب میں ہیں، اسلئے اُس رسالہ کو تقریبا ڈیڑھ سال ہوگیا ہے، اس وقت تک تکمیل کو نہیں پہونچ سکا، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کام کا تعلق دوسروں سے ہے۔ ایک صاحب نے

عرض کیا کہ ہندوستان میں علماء مالکیہ نہیں ہیں، اس وجہ سے یہ دشواری پیش آئی، فرمایا، اُن علماء نے چھ ماہ میں ایک دفعہ تو جواب دیدیا، اگر وہ ہندوستانی ہوتے تو چھ برس میں بھی جواب آنا مشکل تھا، اور یہ سب بے فکری کے کرشمے ہیں۔ (صفحہ۱۳۴)

عملیات سے باطنی نسبت کا سلب ہوجانا

فرمایا، ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسا عمل بھی ہے، جس سے جن مسخر ہوجائیں، فرمایا ہے، مگر ایک بات پوچھتا ہوں کہ تم بندہ بننے کے لئے پیدا ہوئے ہو یا خدا بننے کو۔ خدا معلوم، حضرت نے یہ الفاظ دل کی کس گہرائی فرمائے تھے، سالہا سال کا شوق ایک منٹ میں ختم ہوگیا، بلکہ خود اس فن سے قلب میں بیزاری پیدا ہوگئی، اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو، انکی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے، خاک کو کندن بنا دیتی ہے، افسوس لوگوں کو صحبت کی برکات معلوم نہیں، اس صحبت کے متعلق ارشاد ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
صحبت نیکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد وطاعت است

آجکل لوگوں کو اسی سے وحشت پیدا ہوگئی ہے، حالانکہ صحبت کے بغیر فضول چیزوں سے نجات ملنا صرف دشوار ہی نہیں، بلکہ عادۃ محال ہے، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مُراد آبادی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے، جن کا یہ اعتقاد تھا کہ مولانا عامل ہیں۔ مولانا کا کشف بڑھا ہوا تھا، فرمایا نعوذ باللہ۔ استغفراللہ، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم عامل ہیں، ارے، کچھ خبر بھی ہے کہ عملیات سے باطنی نسبت سلب ہوجاتی ہے، یہ مسئلہ مولانا کے ارشاد سے معلوم ہوا۔ سبحان اللہ، یہ حضرات کیسے حکیم تھے۔ (صفحہ۴۳ جلد ششم)

بزرگ ہونا آسان ہے، انسانیت کا پیدا ہونا دشوار ہے

فرمایا، بزرگی اور ولایت الگ چیز ہے اور ان کا حاصل ہونا بھی آسان ہے، اسلئے کہ اُس کا واسطہ ایک بہت بڑی کریم اور رحیم ذات سے ہے، بندہ کی ادنی توجہ

سے فضل ہوجاتا ہے۔ مشکل تو آدمیت اور انسانیت کا پیدا ہونا ہے، کیونکہ اس کا تعلق مخلوق سے ہے۔ حقوق العباد اسی سلسلہ میں ہیں، اسلئے اس کا بہت اہتمام ہونا ضروری تھا، مگر آجکل تو اسے دین کی فہرست سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ (صفحہ۱۹۷)

جس قوم کے مذہبی رہنما امیر ہوں گے
اس قوم کا فساد سے دوچار ہونا

مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب کے مدرسہ کے لئے سلطان عبدالحمید خاں نے کچھ رقم مقرر کرنا چاہی، آپ نے منظور نہیں کی اور لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا۔ نہ بھائی، پھر کام نہ ہوگا۔ اب تو کارگذاری دکھانے پر چندہ ملتا ہے، اس لئے سب کوشش سے کام کرتے ہیں۔ پھر مستقل طور پر وہاں سے آتا، چاہے کام ہو یا نہ ہو۔ اب تو مدرسہ میں سرمایہ نہیں۔ روپیہ نہیں۔ لیکن کام ہے اور جب یہ سب کچھ ہوگا، مگر کام نہ ہوگا اور بے فکری ہوجائے گی۔ اب دیکھ لیجئے، اسوقت جو علماء ریاستوں سے وظائف حاصل کر رہے ہیں وہ کس قدر بے فکر پڑے ہوئے ہیں۔ پھر کام کہاں، میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس قوم کے مذہبی راہبر امیر ہونگے، وہ مذہب اور قوم فساد سے دوچار ہوگی، اس لئے کہ امارت ودولت کی وجہ سے انہیں قوم ومذہب سے واسطہ رکھنے کیضرورت باقی نہ رہے گی اس فساد کا سبب یہی نہیں، بلکہ امارت کی خصوصیت مسکینوں سے دوری ہے۔ (صفحہ۲۲۵)

مختلف فکر کے لوگوں سے ملنے کے نقصانات

فرمایا، پہلے تو میری یہ عادت تھی کہ جہاں جاتا تھا، وہاں کے علماء اور مشائخ سے ملتا تھا، چاہے وہ کسی بھی مشرب کا ہو اور اب تجربہ کے بعد یہ عادت نہیں رہی اور اب تو میں خود اپنے دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ یہ طرز خطرناک ہے۔ پہلے لوگوں کی طبیعتوں میں سلامتی تھی، جب کہ اب شرارت ہے۔ آجکل اس طرح ملنے سے کسی نفع کے بجائے نقصان کا اندیشہ ہے اور جو ایسا کرتے ہیں، ان کو اکثر الجھن میں ہی دیکھتا ہوں۔ بکثرت اس قسم کے خطوط آتے ہیں، جس میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں سے ملا۔ فلاں سے ملا اور اب قلب میں فساد کی کیفیت ہے۔ مبتدی کو مختلف

لوگوں سے ملنا نہیں چاہئے۔ اس سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ طبیعت میں یکسوئی نہیں رہتی، جب کہ اس طریقے میں (یعنی راہ سلوک میں) یکسوئی اور قلبی طمانیت کی ضرورت ہے، یہ اس صورت میں نہیں رہتی تو پھر نفع کہاں ہوا۔ (صفحہ ۲۳۸)

آج کل بزرگی اور خلافتوں کی تقسیم کی روش کا عام ہونا

فرمایا، آجکل بزرگوں کی کوئی کمی نہیں، کثرت سے بزرگ ہی بزرگ ہیں۔ بزرگ لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور لوگ ان سے بیعت ہوتے ہیں، جس میں نہ کچھ کرنا پڑے، نہ دھرنا۔ اس طرح ریاضتوں کے بغیر بزرگی مل جاتی ہے۔ اور تصوف میں موجودہ خرابیاں ایسی اختراعی بزرگی اور ولایت کی وجہ سے ہیں، انسانیت اور آدمیت جاتی رہی ہے، خبر نہیں کہ ایسے بزرگ بن کر کیا لینا چاہتے ہیں۔ (صفحہ ۲۴۴)

(حضرت مولانا کی یہ بات موجودہ دور کے اکثر بزرگوں پر صادق آتی ہے۔ ایک ایک بزرگ کے کئی کئی سوخلیفے ہیں۔ اس دور کے ایک عاشق صادق نے کتنی صحیح بات کہی ہے کہ موجودہ دور میں جس شخص کو سزا دینی ہو اور ابتلا اور آزمائش میں مبتلا کرنا ہو، اسے خلافت دے کر بزرگی کے منصب پر فائز کیا جائے، اس لئے کہ پندرہ بیس سال کے غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر خلافت دینے سے فرد کے نفسی جذبات حالتِ اشتعال میں رہتے ہیں اور حب مال وحب جاہ کے رجحانات غالب رہتے ہیں۔ مرتب۔)

لوگوں کی طرف سے فرعون بنانے کی کوشش

ایک نووارد صاحب نے حاضر ہو کر سلام مصافحہ کے بعد دست بوسی کی اور پھر قدم بوسی کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ اس پر حضرت والا نے اسے متنبہ کیا، وہ اس پر بھی اصرار کرتے رہے، آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ افسوس، نرمی کیساتھ کہنے سے تمہیں سمجھ میں نہیں آیا، کیا میری پرستش کرنے آئے ہو، مجھے فرعون بنانا چاہتے ہو، آخر تم لوگوں کے عقیدے کیوں خراب ہوگئے ہیں، آخر تم لوگ اسلام اور مسلمانوں کو کیوں بدنام کرتے ہو، آخر میں کہاں تک صبر کروں اور کہاں تک تغیر نہ ہو، کوئی حد بھی ہے، بندہ خدا، سلام کرنا اور مصافحہ کرنا کیا کافی نہیں، کیوں شرکیات اور بدعات میں مبتلا ہورہے ہو۔ اب دیکھ لیجئے، کیا یہ موقع خاموشی اور روایتی خوش

اخلاقی کا ہے، اگر نہ بولتا تو پائے بوسی سے فارغ ہونے کے بعد یہ شخص سجدہ کرتا اور نہ معلوم کہاں تک نوبت پہونچتی، اللہ بچائے بدفہمیوں سے، یہ ساری خرابی تکلفات کی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں سادگی تو رہی نہیں، فقیروں میں دیکھو تو تکلفات۔ امیروں میں دیکھو تکلفات۔ اس کا خیال ہی نہیں کہ یہ بات دین کے خلاف ہے یا موافق ہے، اسکے علاوہ ہر موقع اور ہر معاملہ کے وقت اس کا خیال رکھنے کی بھی سخت ضرورت ہے کہ اپنے کسی قول یا فعل سے کسی کو اذیت نہ ہو، دوسرے پر بوجھ نہ ہو، بار نہ ہو، گرانی نہ ہو اور یہ پائے بوسی میرے لئے سخت گراں ہے، اگرچہ جائز بھی ہو اور اگر ناواقفی کا عذر ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرد کو چاہئے کہ جہاں جائے، کسی سے وہاں کے طریقے معلوم کرلے۔ (صفحہ ۲۴۹)

دینی مدارس کو دو اہم کاموں کی تلقین

فرمایا، میں سارے اہل مدارس کو رائے دیتا ہوں کہ ہر مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ بھی مقرر ہونے چاہئیں، یہ نبوی سنت ہے اور پڑھنا پڑھانا اس کی ابتدا ہے، جب کہ اصل مقصود تبلیغ ہی ہے اور ایک اور بات تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ مبلغین کو چندہ سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے، صرف احکام بیان کرنا، ترغیب اور فضائل بیان کرنا، ان کا کام ہو، اس سے لوگوں کو بہت نفع پہونچتا ہے، مگر اہل مدارس اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے، عرصہ ہوا، غالبا ان تحریکات سے چودہ پندرہ برس قبل میں نے مدرسہ دیوبند والوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ملک کے تمام اطراف میں باقاعدہ مبلغین کی جماعت جاتی رہنی چاہئے، جن کا کام صرف تبلیغ ہو اور ہر شہر میں اُس کی آبادی کی نسبت سے مبلغوں کا سلسلہ ہونا چاہئے، مگر کوئی خاص انتظام نہیں ہوا، ان مدارس کے متعلق میری ایک یہ رائے ہے کہ دینی مدارس میں صنعت وحرفت کا بھی انتظام ہو، خواہ طلبہ بعد میں یہ کام نہ کریں، لیکن سکھایا ضرور جائے، اسلئے کہ آجکل عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان مولویوں کو اسکے سوا اور کچھ نہیں آتا، اسلئے وہ انہیں اپنا محتاج سمجھتے ہیں، جس سے ان کی تحقیر ہوتی ہے، اگر کوئی دستکاری وغیرہ سیکھ لیں اور کسی وقت کسب معاش کی ضرورت ہو تو اپنے کام میں تو لوگ جائیں گے اور اس طرح چندہ

مانگنے سے بچ جائیں گے۔ (صفحہ ۲۶۶)

کلامی مباحث کے صاحبوں
جاہل فقیروں کا معتقد ہونا

فرمایا، معلوم نہیں کہ اکثر معقولیوں (کلامی مباحث کے صاحبوں) کو یہ کیا خبط ہے کہ وہ جاہل فقیروں کے معتقد ہوجاتے ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ علماء حق سے بداعتقاد ہونے کی سزا ہے کہ اس طرح انہیں جہلاء کے سامنے ذلیل کیا جاتا ہے، یہ علماء کے بارے میں تو کہتے ہیں کہ وہ کیا جانیں، مگر معلوم نہیں، ان جہلا فقیروں کے وہ معتقد ہوجاتے ہیں، وہاں یہ احتمالات کیوں نہیں نکلتے، وہاں ان معقولیوں کی معقول (عقل) کہاں چلی جاتی ہے۔ (صفحہ ۲۴ جلد ہفتم)

مسلمانوں کی قوت کے اجتماعی مرکز کا نہ بننا
اس کا سبب اخلاص کا فقدان ہے

فرمایا، مسلمانوں میں آج کل حس نہیں رہی، ہوش نہیں، میں نے بہت چاہا کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز ہو، جسمیں یہ اپنی اہم ضروریات کے سلسلہ میں مشورہ کر لیا کریں، مگر نہیں ہو سکا، اس کا بیحد افسوس ہے، اس کا سبب خلوص کی کمی ہے اور خلوص نہ ہونے کی وجہ سے ہی دین کی کمزوری ہے۔ ہر شخص اغراض پرست ہوگیا ہے اور مسلمانوں کی یہ کمزوری ایسی ہے جو، ان کا قوت کا اجتماعی مرکز نہیں بننے دیتی اور اللہ کی سنت یہی ہے کہ مل کر کام کرنے کا اثر ہوتا ہے۔ دیکھے، هو الذی ایدک بنصره وبالمومنین بھی بڑھایا گیا ہے ورنہ مومنین کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی، اس میں حق تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ اتنی بڑی ہستی (یعنی حضور ﷺ) کی نصرت میں بھی سنۃ اللہ یہی ہے کہ ملکر کام کیا جائے۔ غرض ہر حال میں ملکر کام کرنے کی ضرورت ہے، محض زبانی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ مگر آجکل مسلمانوں میں صرف زبانی باتیں ہیں، کام کی ایک بات بھی نہیں، جسکا سخت افسوس ہے۔ (صفحہ ۲۵ جلد ہفتم)

مسلمانوں کی موجودہ حالت
کی بنا پر ان پر اعتماد کر کے کام کرنا، بے وقوفی ہے

فرمایا، مسلمانوں کی حالت کو دیکھ کر کہا کرتا ہوں کہ ان کے بھروسہ پر کام کرنا نہایت بے عقلی کی بات ہے، اس لئے کہ وقت پر سب الگ ہوجاتے ہیں، کام کا سارا بوجھ ایک ہی فرد پر پڑتا ہے، نتیجۃ دین کے جو دوسرے کام کر رہے ہیں، ان سے بھی محرومی ہوجائیگی، اسلئے ایسے کام کرنا جس میں دوسروں سے واسطہ ہو، اس میں پڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور کیا یہ بھی کوئی کام ہے کہ جیل خانہ چلے گئے۔ دوچار مہینہ رہ آئے، آخر اسکا نتیجہ ہی کیا ہے۔ جب ایک چیز پر قدرت حاصل نہیں تو فرد اپنے آپ کو مصیبت میں کیوں ڈالے، جیل خانہ میں جانے کا ایک نتیجہ ضرور نکل آتا ہے کہ شہرت ہوجاتی ہے کہ فلاں صاحب ایسے ہیں، ویسے ہیں، مگر یہ کوئی دینی مقصد نہیں، بلکہ اس کا تعلق صرف جاہ سے ہے، جو خود ایک مستقل مرض ہے، جو قابل اصلاح ہے۔ ان اہل جاہ میں خلوص کا نام نہیں۔ بس اس پر مرتے ہیں کہ ہمارا نام ہو، پھر کام کہاں۔ اسی لئے میں علماء کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ان فضولیات کو چھوڑیں اور اپنے اصل کاموں میں لگیں، فتوٰی کا کام کریں، دین کی تبلیغ کریں۔ پڑھیں پڑھائیں۔ جاہلوں کیساتھ مل کر وقت ضائع نہ کریں، پھر وہ بھی تابع بنکر، اگر جاہل ان کو اپنا رہنما بناتے، تب تو کوئی مضائقہ نہ تھا، مگر آجکل تو رزولیشن پاس کرتے ہیں جاہل، اور مولوی ان کا اتباع کرتے ہیں، کیا واہیات بات ہے۔ (صفحہ ۲۶ جلد ہفتم)

دل کی مثال شاہراہ کی سی ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، دل میں برے برے خیال آتے ہیں، کیا کروں، دریافت فرمایا، خیالات خود لاتے ہو یا وہ خود آتے ہیں۔ عرض کیا، وسوسے خود ہی آتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر اس طرح آئیں تو آنے دو۔ کل کو کہنا کہ سڑک پر بھنگی چمار سب ہی چل رہے ہیں، کیا کروں۔ اسی طرح یہ دل بھی سڑک ہی تو ہے۔ اس پر بھی سب ہی چلتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ تمہیں کبھی راستے میں ٹٹے بھی

ملتے ہیں۔ عرض کیا کہ جی ہاں ملتے ہیں۔ فرمایا کہ اس پر کبھی شبہ نہ ہوا کہ کیا کروں۔ (صفحہ ۳۲ جلد ہفتم)

اللہ کی نظر میں بندہ کے اخلاص کی اہمیت

فرمایا، مشاہدہ اور معمول ہے کہ زیادہ اور کم چیزوں پر خود ہماری نظر نہیں جاتی اور ہم محبت وخلوص کو دیکھتے ہیں تو حق سبحانہ تعالیٰ تو کیا نظر فرماتے۔ بھوپال کے قریب کی ایک ریاست کے نواب صاحب کے ایک شخص یہاں پر آئے تھے، وہ ہدیہ کے طور پر بہت کچھ لائے تھے، مگر میں نے عذر کر دیا کہ بے تکلفی کے بغیر پہلی ملاقات میں، میں ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ یہ میرا معمول ہے، اسلئے میں نے نہیں لیا، کیونکہ خلوص مشکوک تھا اور ایک غریب فرد اکنی لیکر آیا اور کہا کہ ایک پیسہ رکھ لو اور باقی تین پیسے واپس کرو، وہ محبت اور خلوص کے جذبہ سے لیکر آیا تھا۔ میں نے نہایت قدردانی کے ساتھ لیلیا تو حق تعالیٰ کثیر اور قلیل پر کیا نظر فرماتے، وہ صرف خلوص اور نیت کو دیکھتے ہیں اسکو ہمارے حضرت نے خوب کہا ہے۔

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہونچے وہاں گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالۂ وفریاد ہم

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا ایک صحابی ایک مٹھی کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا تو وہ اس درجہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ یہ خلوص اور عدم خلوص ہی کا تو فرق ہے اور چونکہ وہ خلوص صحابیت کا خاصہ ہے، اسلئے صحابیت کو اس کا مدار قرار دیا گیا۔ (صفحہ ۴۳ جلد ہفتم)

دوسروں کی اصلاح کے لئے تصوف کے فن میں مہارت کا ہونا ضروری ہے

فرمایا، اس طریق میں سب سے زیادہ نازک چیز اصلاح کا کام ہے۔ یہ شیخ کامل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور شیخ کامل سے مراد بزرگ، ولی، قطب، غوث نہیں، بلکہ اس سے مراد فن داں ہے، جو فن جانتا ہو، جس کو اس فن سے مناسبت ہو۔ پھر اگر اس کے ساتھ تقوی وطہارت بھی موجود ہو تو اس کی تعلیم میں نور ہوگا، برکت ہوگی، لیکن خود فن کیلئے وہ شرط نہیں، یہ تو بالکل طب کے فن کی طرح ایک فن ہے تو

جیسے جسمانی طبیب کا بزرگ، ولی، قطب، غوث ہونا شرط نہیں، ایسے ہی یہاں بھی شرط نہیں، ہاں، وہ فن داں ہو، فن کو جانتا ہو، اصلاح کیلئے یہ کافی ہے اور اگر بزرگ ولی قطب غوث ہو، مگر فن نہ جانتا ہوتو وہ اصلاح نہیں کر سکتا۔ (صفحہ ۴۵)

(واضح ہو کہ حکیم الامت نے یہ اہم نکتہ بیان کیا ہے، جو ان کی مختلف ملفوظات میں موجود ہے ایسا اہم نکتہ ان کے علاوہ کسی بزرگ کی کتاب میں نظر نہیں آیا، حقیقت یہ ہے کہ راہ سلوک میں طالب صادق کو دشوار گذار گھاٹیوں سے گذرنا پڑتا ہے اور اسے روز مرہ زندگی میں نئے نئے طوفانوں سے واسطہ پڑتا ہے اور قیامت خیز مناظر کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگر ان حالات میں طالب کی ذہنی تسکین کا انتظام نہ ہو اور ان کی الجھنوں کو دور کرنے کی صورت نہ ہو تو اس پر مایوسی کی حالت طاری ہونے لگتی ہے اور اس کی زندگی دردناک بن جاتی ہے، اس کے لئے تصوف اور راہ سلوک کے فن سے پوری طرح واقفیت ضروری ہے، اس دور میں حکیم الامت نے اس فن کو مدون کرکے، طالبوں پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ (مرتب)۔

کام شروع کرنے سے پہلے ہی سب کچھ بننے کی حسرت کا ہونا

فرمایا، آجکل طالبوں کی حالت یہ ہورہی ہے کہ کام شروع کرنے سے قبل ہی سب کچھ بننا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر عمر بھر کے مجاہدات اور ریاضات پر بھی فضل ہوجائے تو انکی بڑی رحمت ہے اور کیا یہ تھوڑی نعمت ہے کہ انہوں نے طالب کو ذکر وفکر واطاعت کی توفیق بخشی ہے اور اپنی راہ پر لگایا ہے، یاد رکھو کہ جب تک قلب میں اس کی ہوس ہے کہ ہم کچھ ہوجائیں، بس سمجھ لو کہ یہ شخص محروم ہے۔ ہوس وغیرہ فنا کردو اور خدمت میں مشغول رہو اور فضل کا امیدوار رہو اور مایوس نہ ہو اور اپنی عدم قابلیت پر نظر کرکے ہراساں نہ ہو۔ اٹھو اور چلو، پھر دیکھو کہ جو چیز دشوار نظر آرہی ہے، اس کے فضل سے کس قدر سہل ہوجاتی ہے۔ (صفحہ ۴۶)

مختلف بزرگوں سے ملنا مضر ہے

فرمایا، میں مختلف بزرگوں کی خدمت میں جانے سے منع کیا کرتا ہوں، اس

سے میری مراد بدعتی بزرگ ہی نہیں ہیں، بلکہ اہل حق بھی مراد ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مزاج کا اختلاف، طبائع کا اختلاف، وجوہ تربیت کا اختلاف یہ تو سب میں موجود ہوتا ہے، حتیٰ کہ اہل حق میں بھی۔ اسلئے مختلف بزرگوں سے ملتے رہنے سے طالب تشویش میں مبتلا ہوجاتا ہے، اسلئے میں سب سے ملنے سے منع کرتا ہوں۔ (صفحہ۵۷)

(راقم السطور کی نظر میں راہ سلوک میں چلنے والے مبتدی اور متوسط طالب کے لئے تو اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے ملتے رہنا مضر ہے جب کہ منتہی کے لئے مضر نہیں)۔

مدارس میں چندوں میں عدم
احتیاط اور اس کے نتائج

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، اگر مدارس کی طرف سے کمیشن پر (یعنی آمد کا ایک حصہ نسبت سے) سفیر رکھے جائیں تو کیا یہ جائز ہے۔ فرمایا کہ یہ شرط فاسد ہے، مگر بکثرت مدارس والے اس بلا میں مبتلا ہیں۔ آج کل جائز ناجائز کو کوئی نہیں دیکھتا۔ اسی لئے مدارس ثمرات وبرکات بھی ویسے ہی پیدا ہورہے ہیں۔ نہ اساتذہ کو طلبہ پر شفقت اور محبت ہے، نہ طلبہ کو اساتذہ کا ادب واحترام ہے، نہ ظاہرا ان پر علم کی شان معلوم ہوتی ہے، نہ باطنا ان میں اس کا اثر ہے۔ یہ سب غیرمشروع آمدنی کے نتائج ہیں۔ اسی طرح چندوں میں قطعا احتیاط نہیں کہ وصول کرنیوالے کیسی رقم وصول کرکے لائے۔ نہ تحقیق، نہ تفتیش، بس وہ صول کرکے لے آئے اور مدرسہ والوں نے اسے داخل کرلیا، کوئی پوچھتا ہی نہیں، مگر اللہ کے بعض بندے اب بھی محتاط ہیں۔ میں تو اس سلسلہ میں مدارس کے ذمہ داروں کو ہر طرح اور ہر صورت سے آگاہ کرچکا، مگر کون سنتا ہے۔ (صفحہ۵۸)

دعوت کے کام کا حکیمانہ ہونا

فرمایا، تبلیغ کا کام بھی ایک حکیمانہ کام ہے، ہر شخص اسے انجام نہیں دے سکتا۔ اس میں بڑی فہم اور عقل کی ضرورت ہے کہ کس موقعہ میں کیا اور کس عنوان سے

بات کہنا چاہئے۔ ایک صاحب سرکاری عہدہ دار ہیں، وہ اکثر میرے پاس آتے جاتے تھے، سونے کی انگوٹھی پہنے ہوتے تھے، میں نے انہیں کبھی نہیں ٹوکا، ایک روز انہوں نے مجھ سے بیعت کی درخواست کی، اُس روز مجھے خیال ہوا کہ آج مجھے حق حاصل ہے، انکو اسپر مطلع کرنیکا، میں نے بیعت کرلیا۔ بیعت کے بعد ارادہ ہی تھا کہ انگوٹھی کے متعلق ان سے کہوں، مگر انہوں نے بیعت ہوتے ہی انگوٹھی اتار کر مجھے دی کہ اسکو کسی مناسب مصرف میں صرف کردیا جائے۔ میں نے کہا کہ اگر اس کو اپنے گھر والوں کو دیدیں تو کوئی حرج نہیں، آپ کو تو پہنا جائز نہیں، مگر گھر کی عورتیں پہن سکتی ہیں، کہا کہ نہیں، بہت دنوں تک معصیت میں مبتلا رہا، اب اسکا کفارہ یہی ہے، دیکھئے، کسی کے قلب کی حالت کی کسی کو کیا خبر، کیسا خالص عمل کیا۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ ایسے لوگوں سے اپنا تعلق ہو کہ جن کی رگ وپے میں دین کی عظمت اور محبت ہو، اگرچہ ظاہر میں اس کا گمان نہ ہو، اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ کسی کو کوئی تحقیر کی نظر سے نہ دیکھے، نہ معلوم خدا کیساتھ اس کا کیا تعلق اور کیا معاملہ ہے، اسلئے عاصی سے نفرت نہ ہونا چاہئے، البتہ معاصی (یعنی گناہوں سے نفرت) ہونا چاہئے۔ بعض اوقات ایک سکنڈ اور ایک منٹ میں کایا پلٹ ہوجاتی ہے۔ صد سالہ کافر اور بت پرست پلک جھپکنے میں مومن صادق اور مومن کامل ہوجاتا ہے۔ (صفحہ۶۵ جلد ہفتم)

مسلمانوں کی بنیادی کمزوریوں کی نشاندہی

فرمایا، مسلمانوں کی غفلت شعاری کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ کسی طرح بیداری کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو تو ہر وقت فکر کرنا چاہیے۔ یہ ان کی غفلت کا وقت نہیں۔ آخرت کیلئے اعمال کی تیاری واصلاح اور دنیا کیلئے اپنی قوت کا اجتماع اور آپس میں اتحاد واتفاق، یہ ساری چیزیں اہم ہیں، ان سے غفلت وبے نیازی کا منشا چند غلطیاں ہیں۔ ایک تو غلط توکل کا استعمال ہے۔ سو توکل تو فرض ہے۔ ہر مسلمان کو براہ راست خدا تعالیٰ سے ایسا ہی تعلق رکھنا چاہئے کہ وہ کسی چیز کی پروانہ کرے۔ یہی اعتقاد رکھے کہ جو اللہ کو منظور ہوگا، وہی ہوگا، کوئی کچھ نہیں کرسکتا، لیکن

(وہ اکثر) توکل کا استعمال خلاف محل کرتے ہیں۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ جو کام کرتے ہیں، جوش کے تحت کرتے ہیں۔ اگر کام ہوش کے ساتھ ہو تو بہت جلد کامیابی حاصل ہو۔ ایک غلطی یہ ہے کہ ہرکام کرنے سے قبل یہ معلوم کرلینا واجب تھا کہ اس معاملہ میں شریعت مقدسہ کا حکم کیا ہے۔ پھر اللہ ورسول کی بتائی ہوئی تدابیر پر عمل کرتے۔ حاصل یہ کہ جوش کے تحت کوئی کام نہ کیا کریں، ہوش کے ساتھ کریں۔ اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرلیں۔ آپس میں اتحاد واتفاق، اور احکام کی پابندی کریں، اگر ایسا کریں تو میں اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ چند روز میں کایا پلٹ ہوجائے۔ مسلمانوں کے مصائب اور آلام کا خاتمہ ہوجائے۔ نیز جو کام کریں، اس میں کامیابی کیلئے خدا سے دعا کریں۔ پھر دیکھیں، کیا ہوتا ہے، مگر اسوقت کام کی ایک بات بھی نہیں، محض ہڑبونگ ہے۔ (صفحہ۷۹)

تہجد کے قضا ہونے سے تکلیف کا ہونا۔ اس کا جواب

فرمایا، ایک صاحب کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ تہجد قضا ہوجاتا ہے، جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اسکا کوئی علاج تحریر فرمائیں۔ میں نے لکھدیا ہے کہ علاج معصیت کا ہوتا ہے یا غیر معصیت کا بھی۔ کیا تہجد قضا ہونا، یہ معصیت ہے، اس پر فرمایا کہ اب دیکھئے، کیا جواب آتا ہے، لوگ خواہ مخواہ اپنے لئے خود سختیاں پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ سب بے خبری کی باتیں ہیں۔ (صفحہ۸۲)

دنیا کے بارے میں سلف کی روش

ایک مولوی صاحب کی گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا کہ سلف میں بزرگان دین نے بڑی بڑی مشقتیں اور تکلیفیں اُٹھاکر دین کی خدمت کی ہے۔ ایک بزرگ عالم تھے، جس کا نام اس وقت یاد نہیں، ''القاسم'' میں اُن کا واقعہ پڑھا ہے، ان پر کئی کئی روز کے فاقے ہوجاتے تھے۔ ایک باورچی، ان بزرگ کا معتقد تھا، وہ کھانے کی دکان کیا کرتا تھا۔ جب اسے بزرگ کی یہ حالت معلوم ہوئی تو اُس نے ان بزرگ سے کھانے کے انتظام کی اجازت چاہی، بزرگ نے

فرمایا اگر اعانت کرنا چاہتے ہو تو اس کی ایک صورت ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ مسافروں کے سامنے کا بچا کھچا کھانا دیدیا کرو۔ اُسنے قبول کرلیا۔ بس یہ بزرگ ان کے پاس کبھی کبھار جاتے اور مسافروں کے سامنے کا جو بچا کھچا کھانا ہوتا، اُسکو باورچی سے لیکر کھاتے۔ ایک روز تشریف لیگئے تو اُس روز بچا کھچا بھی نہ رہا تھا تو یہ آیت پڑھتے ہوئے ہشاش بشاش واپس تشریف لے آئے تلک اذا کرۃ خاسرہ. بات یہ ہے کہ یہ حضرات اس ناپائدار اور فانی دنیا کی حقیقت سے واقف ہوچکے تھے اور یہ واقفیت ہوتی ہے، اُسکی حقیقت میں غور کرنے سے، اسی لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں لعلکم تتفکرون فی الدنیا والآخرۃ. یعنی دنیا کو بھی سوچو۔ آخرت کو بھی سوچو۔ پھر بطور لطیفہ کے فرمایا کہ ناصحین حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی طرف التفات مت کرو۔ اور میں کہتا ہوں کہ خوب التفات کرو، کیونکہ جب دنیا کی حقیقت کو خوب غور کروگے اور آخرت کے ساتھ اس کا موازنہ کروگے تو دین کو دنیا پر ترجیح دوگے۔ (صفحہ۸۶)

مذاہب (مسلکوں) کی تردید کے خطرناک مرض کا ہونا

فرمایا، آجکل بعض اہل حق میں بھی یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ مجتہدین کے مذاہب (یعنی فقہی مسلکوں) میں ایک مذہب سے دوسرے مذہب کا اسطرح موازنہ کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے مذاہب کے فاسد ہونے کا وہم ہوتا ہے۔ مثلاً حنفی مسلک کے کسی مسئلہ کو اس طرح ترجیح دیں گے کہ اُس سے شافعی مسلک کے باطل ہونے کا شبہ پیدا ہوگا، میں اس طرز کو پسند نہیں کرتا، یہ طریقہ نہایت خطرناک اور مضر ہے۔ اصل چیز توحید اور رسالت وعقائد ہیں، ان پر قطعی دلائل قائم ہیں، اس میں سب شریک ہیں۔ آگے فروع ہیں، جن کے دلائل خود ظنی ہیں، اُن میں کسی جانب کا جزم کرنا یہ غلو فی الدین ہے۔ (صفحہ۸۹)

مسلمانوں کے مختلف طبقات کی حالت زار

فرمایا، اسی طرح مدارس کی حالت ہے کہ اگر ان کو شرعی اصول کے تحت تحصیل چندہ کا طریقہ بتاؤ تو کہتے ہیں کہ چندہ وصول کرنے سے منع کرتے ہیں۔ غرضکہ ہر طبقہ اس مرض میں مبتلا ہے، اسی طرح تحریک خلافت کے زمانہ میں میں نے تصریحا

کہدیا تھا کہ میں مقامات مقدسہ کی حفاظت اور اسلامی حکومت کے خلاف نہیں ہوں، صرف طریق کار سے اختلاف ہے، اس پر کہا گیا کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن۔ اور سی۔ آئی۔ ڈی۔ سے تنخواہ پانیوالا ہے۔ یہ لوگوں کا دین ہے۔ قلب میں ذرہ برابر خدا کا خوف نہیں۔ بھلا ایسے گروہ اور قوم کی اصلاح کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ اس منع کرنے اور مانع کے بدنام کرنے کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص بجائے قبلہ رخ ہونے کے نماز میں پورب کو منہ کرکے کھڑا ہو اور اسکو کوئی آگاہ کرے اور صحیح نماز ادا کرنے کا طریقہ بتائے، اس پر وہ شوروغل کرے کہ لوگو، دیکھو، یہ شخص مجھے نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے۔ (صفحہ۹۳)

مدرسہ پر قبضہ کی سازش اور میرا طرز عمل

فرمایا، یہاں پر ایک مرتبہ ایک جماعت نے سازش کی کہ اس مدرسہ کے مقابلہ میں دوسرا مدرسہ کھولنا چاہئے۔ پھر سازش ہوئی کہ اسی مدرسے پر قبضہ کرو۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ قصہ ہے۔ رات کے وقت مجھ سے مخفی ایک مکان میں میٹنگ طے ہوئی، وہ مکان میرے مکان سے قریب تھا، عین میٹنگ کے موقع جبکہ ایک مقرر تقریر فرمارہے ہے تھے، میں دفعۃً پھونچ گیا اور جاکر السلام علیکم کرکے میں نے کہا کہ میں نے آپ حضرات کو بڑی تکلیف دی، آپ کا بڑا حرج کیا، اسوقت سارے لوگوں پر سناٹا چھایا ہوا تھا، سب دم بخود تھے۔ میں نے کہا کہ میں نے ایک ضرورت سے یہ جرأت کی ہے اور ایک ضروری اور مختصر بات کہہ کر ابھی واپس جاتا ہوں اور آپ کے پروگرام اور جلسہ میں مخل نہ ہوں گا اور وہ بات یہ ہے کہ جس وقت آپ کا جی چاہے، مدرسہ پر قبضہ کرلیں (تمام ارکان سازش کرنے والے جمع تھے) صبح کے وقت آپ حضرات مدرسہ میں تشریف لاکر مدرسہ کی ساری چیزیں وصول کرلیں۔ صرف وہ کتابیں جو میرے اثر سے آئی ہیں، وہ میں دو سال تک نہ دونگا، لیکن اگر ضرورت ہوگی، عاریۃً دیدوں گا، کیونکہ میرے اثر سے جمع ہوئی ہیں اور میرے اعتماد پر آئی ہیں، دوسال کے بعد جب میں دیکھوں گا کہ مدرسہ کا کام اچھا ہورہا ہے تو وہ کتابیں بھی مدرسہ میں داخل کردوں گا اور یہ کہکر میں نے کہا کہ میں جاتا ہوں،

صرف یہی کہنے آیا تھا، السلام علیکم۔ بس پھر نہ وہ جلسہ رہا اور نہ مقرر نے تقریر کی، وہ مشورہ ہی ختم ہوگیا۔ اصل گڑ بڑ تو مخالفت کرنے سے ہوتی ہے، سو مخالفت کی ضرورت ہی کیا ہے، بس یہ کہدینا چاہئے کہ، لو، بھائی، تم ہی کام کرو، ہم دین کے کسی اور کام میں مصروف ہوجائیں گے۔ باقی مخالفت کا اصل راز یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے مقصود نام ہوتا ہے، کام مقصود نہیں ہوتا، اسلئے ایک ہی چیز کے درپے ہوجاتے ہیں۔ پھر اس میں طرفین سے کشاکشی ہوتی ہے۔ جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں۔ (صفحہ۱۰۲ جلد ہفتم)

اخلاص وبے تابی کے ساتھ ہونے والے کام کے اثرات
(ایک واقعہ کے حوالہ سے)

فرمایا، جب قلب میں کسی چیز کی لگن موجود ہوتی ہے تو اسکی شان ہی جدا ہوتی ہے۔ ریاست رامپور کے ایک ریاستی خاندان کے ایک صاحب نے ایک قاری صاحب کا قصہ بیان کیا تھا، ان کے پاس کل ایک روپیہ چار آنہ تھے اور حج کا ارادہ کرلیا۔ ایک روپیہ کے بھنے ہوئے چنے لئے اور چار آنہ میں ایک تھیلہ بنایا اور اسمیں چنے بھر کر کندھے پر ڈال کر بمبئی پھونچے، جہاز کی روانگی کے وقت جہاز کے ایک انگریز افسر سے کہا کہ میرا ارادہ حج کا ہے، آپ مجھے جہاز میں کوئی ملازمت دیدیں، اس نے صورت اور شان دیکھکر کہا کہ تمہارے لائق کوئی ملازمت نہیں، اس نے کہا، میری صورت کو نہ دیکھو، کوئی بھی ملازمت ہو، دیدو، اس نے جھلا کر کہا کہ بھنگی کی نوکری ہے۔ قاری صاحب نے کہا کہ مجھے منظور ہے، میرا نام ملازموں میں لکھ لیجئے، اس نے عاجز کرنے کے لئے کہا کہ اُس میں بوجھ بھی اُٹھانا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ اٹھاؤں گا، وہاں ایک بورا پڑا تھا کئی من کا، کہا کہ اچھا یہ اُٹھا لو، مگر وہ ان کی قوت سے باہر تھا، اول تو کبھی وزن اٹھانے کا اتفاق نہ ہوا تھا، پھر وزن بھی اتنا زائد۔ اسوقت انہوں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ اے اللہ، یہاں تک تو میرا کام تھا، اب آپ کی نصرت اور امداد کی ضرورت ہے، آپ اتنی قوت عطا فرمادیں کہ میں اس وزن کو اٹھا سکوں، یہ کہکر اور اللہ کا نام لیکر اُس بورے کو سر سے اونچا

اٹھا کر دور پھینک دیا، انگریز بہت خوش ہوا، وہی نوکری دیدی۔ انہوں نے بڑی خوشی سے قبول کرلی۔ وہاں دو شخص اور کھڑے تھے، انہوں نے کہا کہ ہم بھی جانا چاہتے ہیں اور ہیں غریب آدمی، ہمارا نام بھی کسی خالی نوکری میں لکھ لیجئے۔ اس نے کہا کہ بھنگی ہی کی ایک اور ملازمت بھی ہے۔ وہ نام سن کر وہاں سے بھاگے۔ ان دونوں میں کچھ فرق معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ ایک کے دل میں بے تابی تھی اور عشق تھا، جب کہ دوسرے اس سے خالی تھے۔ قاری صاحب نے فرمایا، بھاگو مت، تمہارا کام بھی میں ہی کرونگا۔ اُن کا نام بھی لکھ لیا گیا۔ غرض، قاری صاحب نے بھنگی کا کام شروع کردیا، اپنا بھی اور اُن دو کا بھی۔

قاری صاحب کا شب کو معمول تھا کہ تہجد کے وقت قرآن پاک کی نفلوں میں تلاوت فرماتے، ایک روز وہ انگریز عین نماز تہجد کے وقت ان کی طرف پہنچ گیا، جب تک یہ نماز سے فارغ نہیں ہوئے، کھڑے ہوکر قرآن شریف سنتا رہا۔ قاری صاحب نہایت خوش الحان تھے، پھر دل میں درد تھا، قلب میں اللہ کی محبت تھی، اُس تلاوت قرآن نے اُس انگریز پر وہ اثر کیا کہ قاری صاحب سے دریافت کیا کہ تم یہ کیا پڑھتے رہے، انہوں نے کہا کہ یہ کلام اللہ ہے، یعنی خدا کا کلام، اسنے کہا یہ ہم کو بھی سکھادو، انہوں نے کہا کہ یہ یوں نہیں سکھایا جاتا، اسکے لئے پاکی شرط ہے، اسنے کہا کہ ہم غسل کریگا، انہوں نے کہا کہ محض غسل سے کیا ہوتا ہے، باطن کی پاکی ہونا چاہئے، اس نے کہا کہ وہ کیا ہے۔ فرمایا، کلمہ پڑھو۔ اسنے کہا کہ اچھا، ہم کو کلمہ سکھادو۔ اسی وقت اسے کلمہ پڑھایا، مگر ہنوز اسے یہ خبر نہ تھی کہ اس کلمہ سے فرد مسلمان ہوجاتا ہے اس نے قاری صاحب سے قرآن شریف یاد کرنا شروع کیا اور ہر وقت کلمہ پڑھتا رہتا تھا۔ دوسرے انگریزوں نے کہا، کیا تم مسلمان ہوگئے ہو، اس نے کہا نہیں، جب اُس سے بار بار کہا گیا تو وہ قاری صاحب کے پاس پھونچا اور اس کا ذکر کیا، انہوں نے فرمایا، آج کیا، تم تو بہت دن سے مسلمان ہوگئے ہو، اول تو وہ مبہوت سا ہوا، پھر سب سے کہدیا کہ مسلمان ہی سہی، اسی حالت میں جب وہ جدہ پھونچا تو کہا کہ ہم بھی حج کریں گے اور ملازمت بھی چھوڑدی اور قاری صاحب کی خدمت میں اپنی عمر گذاردی۔ دیکھا، قاری صاحب کے خلوص اور صدق کی برکت

کے آثار وثمرات کہاں تک پہنچے۔ آج کل مسلمان صرف باتیں بناتے ہیں، ہر کام نام کے واسطے کرتے ہیں، اللہ کے واسطے کوئی کام نہیں ہوتا۔ ہر وقت جاہ اور عزت کے متلاشی ہیں تو اُنکے آثار وثمرات بھی ایسے ہی ہیں۔ ارے، اللہ کے ہوجاؤ۔ مٹ جاؤ۔ فنا ہوجاؤ، پھر دیکھو، کیا ہوتا ہے۔ (صفحہ۱۰۳)

رسمی مشائخ اور دکاندار پیروں کی پیدا کردہ خرابیاں

فرمایا، خدا بھلا کرے، ان رسمی مشائخ اور دکاندار پیروں کا، انہوں نے مخلوق کو گمراہ کردیا ہے، ان کی بدولت مخلوق کے عقائد اسقدر خراب اور برباد ہوئے کہ جس کا کوئی حد وحساب نہیں، بالکل گمراہی کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ حیدرآباد دکھن کا ایک قصبہ ہے، وہاں پر ان جاہل مشائخ اور پیروں کی بدولت لوگوں کے عقائد کی یہ حالت ہے کہ جس وقت ندی چڑھی اور تباہی ہوئی تو یہ عبرت کا وقت تھا، مگر اس سے یہ عبرت حاصل کی کہ کہا گیا کہ اولیاء اللہ کا ادب کم ہوگیا تھا، اسلئے یہ وبال آیا۔ یہ توجیہ کرکے اور زیادہ قبر پرستی شروع کردی گئی۔ اس فہم اور سمجھ کو ملاحظہ فرمایا کہ اُنکے زعم میں بعد عن الشرک (شرک سے دوری) جسکا نام انہوں نے قلت ادب اولیاء رکھا، وہ سبب ہوگیا، قہر خداوندی کا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرید بنانے کے لئے اپنے آلہ کار مقرر کرنے کی روش

فرمایا، مجھے تو اس سے غیرت آتی ہے کہ لوگوں کو معتقد بنانے کی تدبیر یا ترغیب دی جائے، یہ نہایت ہی ناپسندیدہ طریقہ ہے، اپنے دوستوں کو میری تاکید ہے کہ وہ کبھی ایسا نہ کریں، ہاں ایک صورت ہے، جس میں ایک مسلمان کی امداد بھی ہے تو ثواب بھی، وہ یہ کہ طالب کو چند جگہوں کے نام بتادیے جائیں اور یہ مشورہ دیا جائے کہ اپنے حالات سب جگہ لکھو، جہاں کے جوابات سے سکون اور تسلی ہو، وہاں سے تعلق پیدا کرلو۔ باقی یہ ایجنٹوں کی سی صورت اختیار کرنا، نہایت بُرا طرز ہے، اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پھنسانے کے لئے لوگ چھوڑ رکھے ہیں۔ بڑی غیرت معلوم ہوتی ہے۔ (صفحہ۱۰۸) (آج کل عام طور پر پیروں کے ہاں مرید بنانے کی جو دوڑ شروع ہوگئی ہے، اس نے بدقسمتی سے تصوف کو دکانداری کی

صورت دیدی ہے۔ مرتب)

بیعت سے محبت کا پیدا ہونا

فرمایا، بیعت ہونے سے اکثر یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ اپنے بزرگوں سے محبت بڑھ جاتی ہے اور حدیث المرء مع من احب میں محبت کے ساتھ معیت کا وعدہ ہے، یہ بات سن کر طریقت کے منکر افراد کہیں گے کہ محبت کا زیادہ ہونا، یہ محض خیالی بات اور وہم ہے، ہم کہتے ہیں کہ جس سے مقصود حاصل ہو، وہ وہم ہی سہی، جیسے کسی کو سوکھی روٹی کھانے میں اگر شیر مال کا مزا آتا ہو تو اُسکو ضرورت نہیں کہ وہ اُس روٹی کو شیر مال ثابت کرے، اسی طرح طالب کو یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ محبت کا ذریعہ ہے، مگر یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ کسی چیز کے سبب ہونے سے اُسکا شرط ہونا لازم نہیں ہی آتا، ایسی محبت مقبولین (یعنی اہل اللہ) سے بیعت کے بغیر بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ (صفحہ۱۱۴)

قطرہ کو دریا بنانے والی ہستی
(طالب کی حوصلہ افزائی کے حوالے سے)

فرمایا، اصلاح کا باب نہایت ہی نازک ہے، اس میں طالب کی ہمت افزائی کے لئے عنوانات اختیار کئے جاتے ہیں اور اس کی سخت ضرورت ہے، اس راہ میں مایوسی اور ہراس تو آنے ہی نہ دیا جائے، مگر یہ اسوقت ہوتا ہے، جبکہ تصوف، اہل فن کے ہاتھ میں ہو، ایسے صاحب فن کو اصطلاح میں شیخ کامل بھی کہتے ہیں، اس سے مراد ماہر فن ہی ہے کہ طالب کی کوئی بھی حالت ہو، اس کو کام میں لگائے رکھے، اسکو سمجھا دے کہ وہ ہرصورت میں ادھر ادھر نہ دیکھے۔ مثلاً اگر کوئی غیراختیاری حادثہ پیش آئے، جیسے بیماری وغیرہ ہے تو اُسوقت اس کو یہی سمجھائے کہ قلت اعمال کی وجہ سے وہ مایوس نہ ہو، وہ ہماری نظر میں تو کمی ہے، مگر چونکہ خدا کی مرضی کے موافق ہے، اسلئے اُنکے نزدیک کامل ہے، سنئے، اسپر ایک صاف دلیل یاد آئی، حق تعالیٰ فرماتے ہیں فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ. کوئی خیر ذرہ سے کم تو نہیں ہوگی، اُسپر بھی اجر کا وعدہ ہے، اجرکا اور یرہ میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ اجرت عمل سے

زیادہ ملے گی، کیونکہ اگر ذرہ کے برابر ہوئی تو عادۃ نظر بھی نہ آئیگی، اسلئے وہ اس ذرہ ہی کو پہاڑ بنادیں گے، وہ قطرہ کو دریا بنادیں گے۔ (صفحہ۱۱۷)

گناہگار مومن کے لئے دوزخ کا تہذیب کا ذریعہ ہونا

فرمایا، اللہ کی ذات اہل ایمان کیساتھ ایسی رحیم اور کریم ہے کہ اگر کوئی مؤمن دوزخ میں جائے گا بھی تو اس کے لئے دوزخ بھی دوسری قسم کی ہوگی۔ کیونکہ دوزخ کی دوحیثیتیں ہیں، دوزخ کی ایک حیثیت مسلمانوں کیلئے ہوگی، دوسری کفار کے لئے یعنی کفار کیلئے وہ جیل خانہ ہے اور مسلمانوں کیلئے حمام ہے اور بعض مومنین کا نور ایمان تو اتنا قوی ہوگا کہ پل صراط پر ان کے گذرنے کے وقت جہنم کی آگ کہے گی کہ اے مومن، جلدی گذر جا، تیرے نور ایمان کی وجہ سے میں ٹھنڈی ہوئی جاتی ہوں اگر تو ذرا ٹھیر گیا تو میری آگ بجھ جائے گی اور ضعیف الایمان افراد جو دوزخ میں جائیں گے تو ان کا جانا تزکیہ وتطہیر کیلئے ہوگا، چنانچہ کفار کی وعید میں ارشاد ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں لایزکیھم اور وعید میں مخالف مفہوم معتبر ہوتا ہے، پس اس سے ثابت ہوگیا کہ مومن کیلئے دوزخ تزکیہ کا ذریعہ ہوگا، حاصل یہ کہ کفار دوزخ میں عذاب کیلئے بھیجے جائیں گے اور مسلمان تہذیب کیلئے یعنی مومن دوزخ میں پاک صاف ہونے کے لئے جائیں گے، جو ان کے لئے حمام کے مثل ہوگی۔ جب یہ صورت ہے تو پھر آخر میلے کچیلے ہوکر کیوں جاتے ہو، پاک صاف ہوکر جاؤ، پھر حمام کی صورت بھی پیدا نہ ہوگی، نیز دوزخ میں مومن اور کافر کے درمیان ایک فرق کشفی نوعیت کا ہے، یہ کشف شیخ اکبرؒ کا ہے، مومن دوزخ میں سوئیں گے بھی اور وہ خواب میں دیکھیں گے کہ جنت ہے، حوریں ہیں، قصور ہیں اور مومنوں کا جنت میں یہ سونا ایسا ہوگا کہ جیسے کلورا فارم سنگھا کر اپریشن کیا جاتا ہے، اسلئے مومنوں کو دوزخ میں موت کی حالت دی جائیگی۔ البتہ جنت میں نیند نہ ہوگی، کیونکہ یہ نیند موت کے مشابہ ہے اور جنت میں موت نہیں، بہرحال دوزخ، مومن کیلئے پاک صاف کرنے کے لئے، اگرچہ بعض اوقات تطہیر موم بھی ہوتی ہے۔ دیکھئے، بعض میل تو ایسا ہوتا ہے کہ ٹھنڈے پانی سے دور ہوجاتا ہے اور بعض گرم پانی سے اور بعض

صابن کے بغیر دور نہیں ہوتا اور بعض بھٹی پر چڑھائے بغیر نہیں جا سکتا۔ ٹھنڈے پانی سے مراد تو یہ ہے۔ گرم پانی سے مراد بیماری وحوادث ہیں۔ صابن سے مُراد موت ہے، بھٹی سے مراد دوزخ ہے، پس مؤمن کا دوزخ میں جانا، میل کچیل اور داغ دھبہ سے پاک صاف ہونا ہے، یہاں کی آگ میں تطہیر کی خاصیت رکھی گئی ہے۔ دیکھو، جیسے گوبر ناپاک ہے، مگر جلکر راکھ ہوکر پاک ہوجاتا ہے، اسی طرح تم بھی خدا کی محبت اور عشق میں جل کر فنا ہوجاؤ، مٹ جاؤ، سوختہ افروختہ ہوجاؤ، بس ان کی دربار میں پاک صاف ہوکر پہونچوگے۔ (صفحہ ۱۴۸)

حقیقی نسبت کا اطاعت میں
دوام اور کثرت ذکر سے حاصل ہونا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا پیر مرید کو ولی بنا سکتا ہے۔ فرمایا، ولی مقبول کو کہتے ہیں، یہ کسی کے بس میں نہیں کہ کوئی کسی کو مقبول بنا سکے، ہاں، عوام، جس کو کیفیت باطنی اور نسبت بھی کہتے ہیں، وہ حاصل ہوجاتی ہے، مگر وہ حقیقی نسبت کہ بندہ کو خدا کیساتھ عشق کا سا تعلق ہوجائے اور حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ رضا کا تعلق ہوجائے، اس کا انحصار دوام اطاعت اور کثرت ذکر پر ہے۔ یہ نسبت اس کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتی اور یہی نسبت مطلوب ہے، باقی جو نسبت کیفیت کی بہتری کی صورت میں حاصل ہوتی ہے، وہ مطلوب نہیں۔ (صفحہ ۱۶۹ جلد ہفتم)

(یہاں یہ توضیح ضروری ہے کہ کثرت ذکر اور دوام اطاعت کے نتیجہ میں پاکیزہ باطنی کیفیت از خود حاصل ہوجاتی ہے، جو ان دونوں چیزوں میں دوام کا ثمرہ ہے۔ مرتب)

مسلمانوں کی فلاح کی صورت

فرمایا، مسلمانوں کی فلاح اور بہبود کی صورت یہی ہے کہ ہر جگہ انجمن قائم ہوں، تاکہ ایک دوسرے کی خبر گیری ہوسکے، اس کی ایک صورت یہی کہ جس طرح دنیا کے کاموں کیلئے پنچایت قائم کرتے ہیں، اسی طرح دین کیلئے اور اپنے بھائیوں کی حفاظت کیلئے بھی پنچایتیں قائم کریں، مگر مشکل تو یہ ہے کہ لوگ دنیا کی باتوں کو تو ضروری سمجھتے ہیں اور ان مقاصد کو ضروری نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ بیحد ضروری ہیں۔ (صفحہ ۱۷۰)

نیک عمل کی عادت سے عبادت کی حقیقی صورت کا ہونا

فرمایا، جس عمل میں خلوص اور محبت نہ ہو، وہ بے مغز بادام ہے۔ بے رس آم ہے، خلوص پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور جب تک خلوص پیدا نہ ہو، اسوقت تک اس نقالی کو بھی بیکار نہیں سمجھنا چاہئے، اسلئے کہ صورت بھی فرد کو سیرت تک پہونچادیتی ہے، ظاہر اور باطن دونوں کی تعمیر کی ضرورت ہے، اگر اجتماعا نہ ہو تعاقبا ہی سہی۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمل ریا سے بھی ہو تو اسے نہیں چھوڑنا چاہئے، مسلسل کرتے رہنا چاہئے، اسلئے کہ ریا سے نیک عمل کی عادت ہوجاتی ہے اور عادت سے عبادت کی صورت ہوجاتی ہے۔ (صفحہ ۱۸۷)

صحبت شیخ کے بغیر
کامل بصیرت کا پیدا نہ ہونا

فرمایا، فرد کتنا ہی بڑا صاحب استعداد ہو، صحبت شیخ کے بغیر کامل بصیرت پیدا نہیں ہوسکتی، ہاں بصیرت کے بعد پھر خواہ وہ شیخ سے بھی بڑھ جائے، یہ ممکن ہے۔ (صفحہ ۱۸۸)

اللہ کے لئے بغض کا ہونا
ساتھ ساتھ تحقیر کا نہ ہونا

فرمایا، عارفین نے لکھا ہے کہ محقق وہ ہے، جو جامع بین الاضداد ہو (یعنی جو مسئلہ کے سارے پہلوؤں پر نگاہ رکھتا ہو۔ مرتب) ایک صاحب نے جو پڑھے لکھے بھی تھے، مجھ سے پوچھا کہ کسی سے اللہ کی خاطر بغض ہو، پھر اس کی دل میں اس کی تحقیر بھی نہ ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے ایک مثال دیکر سمجھایا کہ ایک بادشاہ نے اپنے شہزادہ کو کسی جُرم کی بنا پر بید لگانے کا حکم دیا ہو اور بید لگانے والا بھنگی ہے تو کیا عین بید لگاتے وقت بھنگی کو یہ خیال ہوگا کہ میں شہزادے سے افضل ہوں، ہرگز نہیں، وہ تو یہی سمجھے گا کہ میں بیچارہ بھنگی اور یہ شہزادہ، میں اس کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہوں تو شہزادے کو اپنے سے لاکھوں درجہ افضل اور اپنے کو اُس سے کمتر اور اُس سزا کے کام کو قبیح ومبغوض سمجھنا، یہ سب باتیں ایک وقت میں جمع ہوسکتی

ہیں، یہ مثال سن کر وہ صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بہت عرصہ کا شبہ آج حل ہوگیا۔ پھر فرمایا کہ ایسے علوم تعبیر کردینا تو آسان ہے، مگر عمل کے وقت اُن کا دھیان رکھنا بڑا مشکل ہے، وہ جامعیت کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے اور جامعیت کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے کہ یا تو اس نے مجاہدہ عظیم کیا ہو (یعنی ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں سے گذرا ہو۔ مرتب) یا اسے کسی کامل کی صحبت حاصل ہوئی ہو اور ہرحال میں اس کی طبیعت میں سلامتی ہو۔ بلکہ اس میں زیادہ تر دخل صحبت کو حاصل ہے، حتی کہ اگر زیادہ مجاہدہ بھی نہ کیا ہو، تب بھی استحضار کامل ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے صحبت کامل مل چکی ہو اور طبیعت میں سلامتی ہو۔ (صفحہ۲ جلد ھشتم)

(صحبت کامل سے مراد طویل عرصہ تک اہل اللہ کی صحبت ہے، چند دنوں یا چند ماہ کی صحبت سے کام نہیں بنتا، کم از کم دس، پندرہ بیس سال تک صحبت کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی طبیعت میں سلامتی کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ مرتب)

بُروں کا نیکوں کے پاس تابع بن کر آنے کے اثرات

فرمایا، ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے، نیکوکاروں کو تو حکم ہے کہ بُروں کی صحبت سے بچو اور بُروں کو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو تو اس صورت میں نیک اپنی صحبت میں بُروں کو آنے کیوں دیں گے، جبکہ اُن کو حکم ہے کہ بُروں کی صحبت سے بچو، پھر بروں کو نیکوں کی صحبت کیسے میسر ہوگی۔ فرمایا کہ جواب سننے کے بعد تو کچھ بھی الجھن نہیں رہتی، مگر ابتدا میں الجھن ضرور ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس وقت مدد فرمائی اور قلب میں جواب القاء فرمایا، یہ سب اُن کی رحمت ہے۔

میں نے کہا کہ اللہ کی یہ سنت ہے کہ تابع کا اثر متبوع (جس کا اتباع کیا جائے۔ مرتب) پر نہیں ہوتا۔ متبوع کا اثر تابع پر ہوتا ہے، اسلئے نیکوں کو حکم ہے کہ بُروں کی صحبت سے بچو، مطلب یہ ہے کہ ان کے تابع بن کر اُن کی صحبت اختیار نہ کرو، لیکن اگر وہ تمہارے پاس آئیں گے تو وہ تابع ہوکر آئیں گے، ان کو اپنے پاس آنے دو۔ اسی طرح بُروں کو جو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے پاس تابع بن کر جاؤ۔ یہ جواب سن کر وہ صاحب بہت

خوش ہوئے، اگر حق تعالیٰ کسی کو عقل سلیم اور فہم کامل عطا فرمائیں تو یہ ان کی بڑی رحمت اور نعمت ہے۔ (صفحہ۵ جلد ہشتم)

مالداروں سے ان کی دینداری کی وجہ سے تعلق کا ہونا

فرمایا، ہمارے حضرات کا ہمیشہ یہ مسلک وطریقہ رہا ہے کہ وہ غرباء اور دینداروں سے محبت رکھتے تھے اور اہل دنیا بالخصوص مالداروں سے، جو امراء کہلاتے ہیں، ان سے خاص تعلق نہ رکھتے تھے اور امراء سے مُراد وہ لوگ ہیں، جو مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا دار بھی ہیں، لیکن اگر اُن میں سے کوئی دیندار ہوتو اُس سے اس کی دینداری کی وجہ سے خاص تعلق رکھتے تھے ورنہ نہیں۔ یہ بات ہماری اس جماعت ہی کے ساتھ خاص تھی، ورنہ دوسرے اکثر علماء کو دیکھا گیا ہے کہ وہ امراء کو لپٹتے ہیں، انکی چاپلوسیاں کرتے ہیں اور یہ سب کچھ کرنے کا سبب محض دنیاوی اغراض ہیں، ہمارے حضرات میں استغناء کی شان موجود تھی، ان میں توکل اعلیٰ درجہ کا تھا، وہ کسی سے دنیا کی بناء پر تعلق نہ رکھتے تھے۔ (صفحہ٦ جلد ھشتم)

موجودات سے کم تر سمجھنے کی نفسیات

فرمایا، بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے کو تمام موجودات سے کمتر سمجھتا ہوں تو فخر کیا کرتا، محض اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہ دولت نصیب فرمائی ہے اور دعویٰ اور فخر تو بہت دور کی بات ہے، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر دنیا سے ایمان کے ساتھ چلا جاؤں تو یہی بڑا فضل ہے۔ باقی درجات کا تو قلب میں کبھی وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوتا اور ہم درجات کی کیا تمنا کریں۔ ہماری ہستی ہی کیا ہے، سب اُن کی عطاء ہے اور عطاء پر کوئی دعویٰ اور فخر کر سکتا ہے؟ دعویٰ تو وہی کر سکتا ہے، جو عطا کو اپنا کمال سمجھتا ہو اور یہاں تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ یہی اعتقاد ہے کہ جو کچھ ہے، صرف اپنے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے ہے۔ اور دعائیں میں نے ہر مسلک کے بزرگوں سے لی ہیں، حتی کہ ایسوں سے بھی، جو صورۃ بدعتی کہلاتے تھے، کیونکہ پہلے ایسے لوگ بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے، اُن میں دین تھا، عناد اور شرارت نہ

تھی، جیسے آجکل کے بدقسمتی کہ اکثر بددین، بلکہ فاسق فاجر تک ہیں۔ (صفحہ ۸)

اعتراض سے بچنا ممکن نہیں

فرمایا، اعتراض سے تو کسی صورت میں بچا نہیں جا سکتا، چاہے نیک ہو یا بد، عالم ہو یا جاہل، اس پر ایک حکایت بیان کرتا ہوں، جو اس وقت یاد آ گئی، ایک شخص ایک گھوڑی پر سوار ہو کر، اپنی بیوی اور ایک بچہ کو لیکر سفر کے لئے نکلا، خود گھوڑی پر سوار ہو لیا، اسلئے کہ ترتیب میں آخر کسی کو تو اول بٹھانا ہی ہوتا۔ بیوی بچہ کو پیدل لے لیا۔ ایک گاؤں پر گذر ہوا، لوگوں نے کہا کہ دیکھو، ہٹا کٹا خود تو گھوڑی پر سوار ہے اور بیچارے بیوی بچہ کو پیدل رگڑ رکھا ہے، اگر ان کو سوار کر دیتا تو کیا حرج تھا، چنانچہ یہ شخص گھوڑی سے اُتر لیا اور بیوی بچہ کو گھوڑی پر سوار ہو کر چلا، ایک اور گاؤں پر گذر ہوا۔ لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ دیکھو، سسرا، بیوی کا غلام ہے، اُس کو تو گھوڑی پر سوار کر رکھا ہے اور خود پیدل گھسیٹا جاتا ہے۔ بیوی بچے خادم تھے، وہی پیادہ چلے جاتے تو کیا مشکل تھا۔ اب اس شخص نے سب کو ایک ساتھ گھوڑی پر سوار کر دیا اور خود بھی سوار ہوگیا۔ ایک گاؤں پر گذر ہوا، لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ ارے ظالم، گھوڑی کو چھری لے کر ویسے ہی ذبح کر دیا ہوتا، سب کے سب اس پر سوار ہوگئے، رحم نہیں آتا۔ بے زبان جانور ہے، ترسا ترسا کر مارتے ہو، چنانچہ سب ایک دم اتر گئے اور گھوڑی کی لگام پکڑ کر چلنے لگے، ایک گاؤں پر گذر ہوا، لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ دیکھو، ناشکرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی سواری، اسے حاصل ہے اور خود مصیبت جھیل رہے ہیں، اگر باری باری اُس پر سوار ہوتے تو سفر راحت سے طے ہوتا۔ تو حضرت، فرد اعتراضات سے کسی طرح بھی نہیں بچ سکتا۔ بس بہتر یہ ہے کہ معترضین کو کہنے دو اور جو سمجھ میں آئے کیا جائے۔ حیدرآبادی ماموں صاحب، جو بڑے دانشمند تھے اور حکیمانہ باتیں کیا کرتے تھے، مگر تصوف میں انہیں غلو ہوگیا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ گل بکاؤلی اگرچہ ایک فضول سی کتاب ہے، جس میں محض فرضی اور مہمل باتیں لکھی ہیں، لیکن ہم نے اُس میں بھی ایک مفید شعر نکالا ہے، شاعر

اس کتاب کا اچھا ہے، سادہ زبان ہے، وہ کہتا ہے۔

سُن لاکھ تجھے کوئی سنادے — کیجئے وہی جو سمجھ میں آوے

میں اسمیں اتنی اور قید لگاتا ہوں کہ فرد کو چاہئے کہ عقلی اور شرعی طور پر جو بات سمجھ میں آئے، وہ کرے اور حدود سے تجاوز نہ ہو۔ (صفحہ ۱۲)

ساری دنیا کا، مردود سمجھنا کوئی مضر نہیں

فرمایا، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اگر میں عنداللہ مومن ہوں اور ساری دنیا مجھے مردود سمجھے تو میرا کچھ ضرر نہیں اور اگر میں عنداللہ مردود ہوں اور ساری دنیا مجھے قطب، غوث اور ابدال سمجھے تو کچھ نفع نہیں۔ (صفحہ ۱۳)

آج کے مشائخ کا، کیمیا گر سے بھی گیا گذرا ہونا

فرمایا، آجکل کے مشائخ تو کیمیا گر سے بھی گئے گذرے ہیں۔ کیمیا گر کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے ایک نہایت پست کمال کی وجہ سے کسی کو منہ نہیں لگاتا، بڑے بڑے دنیا دار اور مالدار اُسکے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، مگر وہ انہیں آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، کیسا بے نیاز ہوتا ہے، جب کہ یہ مشائخ دعوی کرتے ہیں شیخ ہونے کی اور حق تعالی سے محبت کی اور پھر مخلوق کی طرف نظر کرتے ہیں اور ان کی چاپلوسی کرتے ہیں، مجھے ایسی باتوں سے طبعا غیرت آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم دین کی خاطر ان سے اخلاق کا برتاؤ کرتے ہیں اور مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں، مگر یہ سب محض زبانی جمع خرچ ہے، دل میں کچھ اور ہے۔ (صفحہ ۱۵)

(بزرگوں کا مریدوں کے جیبوں پر نظر رکھنا، دنیا اور زیب وزینت کے سامان سے دلبستگی کا ہونا اور ان کے ہاں مظاہر دنیا کا ہونا، یہ اس دور کا بڑا المیہ ہے، جس نے آج تصوف واہل تصوف کو بے توقیر کر دیا ہے، جس کا ایک اہم سبب آتش عشق میں پوری طرح جل کر، نفسی قوتوں کو پامال کرنے میں ناکام ہونا ہے۔ دوسرا سبب نااہل افراد کو خلافتیں دے کر بزرگی کے مقام پر فائز کرنا ہے، تیسرا سبب یہ ہے کہ شروع میں تو سادگی اور معصومیت سے مالداروں سے تعلق رکھنا ہوتا ہے،

لیکن آخر میں سادگی سے شروع ہونے والے اس تعلق کی قیمت حب دنیا کے جذبات کی تکمیل کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے اچھے خاصے بزرگ اس سادگی کی وجہ سے فقر محمدی کی راہ سے ہٹ کر دنیا داری کی راہ پر گامزن ہوگئے، اللہ تعالیٰ ہمیں حب دنیا کی اس راہ سے بچائے۔ (آمین) مرتب۔)

رحیم وکریم ذات کی بے پایاں رحمت
(ایک واقعہ کے حوالے سے)

فرمایا، اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی رحیم کریم ہے، اگر مخلوق پر حق تعالیٰ کی اس صفت کا دھیان غالب ہوجائے تو اس سے عشق کا درجہ پیدا ہوجائے، اسلئے کہ یہ بات فطری ہے کہ محسن کی طرف کشش ہوتی ہے، لیکن یہ بات لوگوں میں رہی نہیں، کس طرح کسی کے دل میں ڈال دوں۔ پھر اس رحمت کے متعلق حدیث کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک نباش نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو میری لاش کو جلانا، اس کی راکھ کو خوب باریک پیسنا اور جس روز تیز آندھی آئے تو کچھ راکھ تو ہوا میں اڑا دینا اور کچھ دریا میں پھینک دینا اور کہا کہ یہ ایک تدبیر ہے، عذاب سے بچنے کی، اسلئے کہ میں گنہگار ہوں، سیاہ کار اور بدکار ہوں، عذاب کا مستحق ہوں، چنانچہ مرنے کے بعد اُس کے لڑکوں نے ایسا ہی کیا، حق تعالیٰ کی قدرت سے فرد کہاں بچ کر جا سکتا ہے، فرشتوں کو اُس کی مٹی جمع کرنے کا حکم ہوا اور سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ سوال ہوا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، عرض کیا کہ یا رب من خشیتک (اے رب آپ سے خوف کی وجہ سے) فرمایا جاؤ، نجات ہے۔ اس پر علماء نے اشکال کیا ہے کہ اس واقعہ سے تو اس کا کمال قدرت کے اعتقاد میں شک ثابت ہوتا ہے، پھر اس کا ایمان کہاں رہا اور غیر مؤمن کی مغفرت کیسے ہوئی۔ علماء نے اس کے مختلف جواب دئے ہیں، مگر محققین نے جواب دیا ہے کہ اس شخص کی عقل ہی اتنی تھی۔ آخر مجنون کو بھی تو غیر مکلف کہتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ جواب دہی کا انحصار عقل پر ہے تو عقل میں جتنی کمی ہوگی، فرد اسی قدر

معذور شمار ہوگا۔ بہرحال اس واقعہ سے حق تعالیٰ کی رحمت کی بے پناہ وسعت ظاہر ہوتی ہے۔ (صفحہ۱۸ جلد ہشتم)

رونے کی کیفیات تو کافروں کو بھی حاصل ہیں

فرمایا، یہ لوگ پیروں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔ آج کل کے مشائخ بھی ان چیزوں کی تعلیم نہیں کرتے، صرف وظائف اور اوراد کی تعلیم کی جاتی ہے۔ کیفیات پوچھی جاتی ہیں کہ کچھ نظر آیا یا نہیں، قلب میں کچھ شورش اور سوزش پیدا ہوئی یا نہیں، حالانکہ یہ سب نفسیاتی کیفیات ہیں، بعض حالات میں اگرچہ یہ بہتر ہیں، مگر یہ مقصود ہرگز نہیں اور یہ سب حالتیں غیر مامور بہا ہیں، جو بعض کافروں کو بھی میسر ہوجاتی ہیں، جن کو جوگی وغیرہ ریاضتیں کر کے حاصل کر لیتے ہیں، ایک کافر ہے، وہ ادنیٰ محرک سے رو پڑتا ہے۔ اور ایک مسلمان ہے، جس کو ساری عمر بھی رونا نہیں آتا، لیکن فرق ظاہر ہے کہ مسلمان کا ایمان پہاڑ کے برابر ہے اور کافر کا رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں۔ (صفحہ۳۳)

دنیاوی فکر مندی سے ظاہری وباطنی حسن کا برباد ہونا

فرمایا، دنیا کی فکرمندی اور مشغولیت سے فرد کا ظاہری حسن بھی فنا اور برباد ہوجاتا ہے۔ پھر جس چیز کا اثر ظاہر پر یہ ہو، وہ باطنی حسن کو کتنا کچھ برباد کرسکتی ہے، مگر بے حسی کی وجہ سے لوگ اسے محسوس نہیں کرتے۔ (صفحہ۳۵)

فرمایا، جس فرد کا دنیا سے جتنا کم تعلق ہوتا ہے، اس کے قلب پر اسی قدر مسرت طاری ہوتی ہے۔ مسرت کی یہ دولت اہل دنیا کو کہاں نصیب اور اگر کچھ حاصل بھی ہو، مگر وہ خالص اور کامل نہیں ہوتی، اس میں تکدر شامل ہوتا ہے، اس کو اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ ایک شخص ہے، جس کے پاس بہت سا پیسہ ہے، جس سے اسے مسرت حاصل ہوگی، مگر ساتھ ہی اُس کی حفاظت کی فکر بھی لاحق ہوگی، سو مسرت تو ہوئی، مگر خالص اور کامل نہ ہوئی، اور ایک بچہ ہے اُس کو اگر کسی بات پر مسرت ہوگی تو اس میں تشویش شامل نہ ہوگی، خالص اور کامل مسرت ہوگی، بلکہ مسرت ہی

کیا، اُس کی ہر بات خالص اور کامل ہوگی، اسلئے کہ وہاں مصلحت پیش نظر نہیں، مسرت ہے تو کامل، رنج ہے تو کامل، غصہ ہے تو کامل، غرض ہر چیز کامل، اسی طرح جس شخص کا دل بچوں کی طرح تشویش سے خالی ہو، ظاہر ہے کہ اُس کی بھی یہی شان ہوگی۔ (صفحہ ۳۶)

لوگوں کے قلوب کو مسخر کر کے، ان سے مال بٹورنے کی روش

فرمایا، تقوے اور طہارت کا تو ہر طبقے میں فقدان ہوگیا ہے، خواہ علماء ہوں یا درویش، زاہد ہوں یا عابد۔ یہ چیز قریب قریب سب میں کم ہوگئی ہے، احتیاط رہی نہیں۔ علماء کو دیکھ لیجئے کہ مدارس کے چندوں میں کس قدر گڑ بڑ کرتے ہیں، الا ماشاء اللہ، یہی حالت درویشوں اور صوفیوں کی ہے، یہ عملیات سے لوگوں کے قلوب کی تسخیر کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ اُن کا مال بٹورتے ہیں اور یہ ایسا ہے، جیسا کسی کو لٹھ مار کر یا چوری اور ڈاکہ زنی سے مال حاصل کیا جائے، کیونکہ دل کی رضامندگی کے بغیر کسی سے مال مال لینا، خواہ وہ تسخیر کے ذریعہ سے ہو یا کسی ظاہری اثر اور دباؤ سے ہو، قطعا ناجائز ہے۔ ہمارے حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب مرحوم بھوپال میں تحصیلدار تھے، صاحب نسبت تھے، ایک فقیر بصورت درویش بھوپال میں آیا، صاحب تصرف تھا، کسی تسخیر کے عمل کا عامل تھا، اُس کے ذریعہ وہ لوگوں کے قلوب کی تسخیر کرتا اور ان سے مال بٹورتا۔ حافظ صاحب کا بھی پتہ معلوم ہوا کہ وہ بھی تحصیلدار ہیں، ان کے پاس بھی آیا اور ایک کونے میں کھڑا ہو کر حافظ صاحب کی طرف توجہ کرنے لگا، حافظ صاحب کو محسوس ہوگیا اور انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار میں مجنون　　کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ وہ فقیر دھڑ سے زمین پر گر پڑا اور اٹھکر ہاتھ جوڑ کر کہا کہ میں تو حضور ہی کا معتقد ہوں۔ گستاخی معاف فرمایئے۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحب، ان باتوں میں کیا رکھا ہے، یہ سب خرافات ہیں، ان سے توبہ کرو

اور اتباع سنت اختیار کرو۔ بس وہاں سے بھاگے، آج کل کے صوفیوں اور درویشوں کی یہ حالت ہوگئی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ کہ ہر طبقے میں تقوے اور طہارت کا فقدان ہوگیا ہے، یہی وجہ ہے کہ نہ دین کے کاموں میں برکت ہے اور نہ دنیا کے کاموں میں، اس کی وجہ سے نحوست بڑھ گئی ہے اور خیر و برکت جاتی رہی۔ معاملات تقوے اور طہارت سے ہی چلتے ہیں، اس کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۴۲ جلد ہشتم)

دین میں بھی نفسانی لذتوں کو پیش نظر رکھنا

فرمایا، آجکل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دین میں بھی نفسانی لذتوں کو پیش نظر رکھتے ہیں، چنانچہ اگر تہجد قضا ہوجائے تو رنج ہوتا ہے اور اگر فجر کی فرض نماز قضا ہوجائے تو رنج نہیں ہوتا، کیا یہ دین ہے۔ محض نفس کی لذت ہے، ورنہ فرض قضا ہونے کا زیادہ رنج ہے، مگر چونکہ نفس تہجد کو بزرگی سمجھتا ہے اور فرض کو معمولی چیز، اس لئے اس کے الٹ ہے، لوگ اس طرح کی بہت سی غلطیوں میں مبتلا ہیں۔ (صفحہ ۱۴۶)

ماہنامہ
بیداری
ستمبر ۲۰۱۴ء حیدر آباد

خود احتسابی کی تحریک

وقت کا سب سے اہم تقاضا

نئے دور میں

اسلام کو نئے خون کی ضرورت

مادیت پسند زندگی کی دوڑ

اور اس کے نتائج

دو اہم شخصیتیں

حضرت نثار احمد خان فتحیؒ
اور
مولانا محمد سلیمان طاہر کی جدائی

مدیر

حافظ محمد موسیٰ بھٹو

ماہنامہ
بیداری
اگست ۲۰۱۴ء حیدر آباد

معاشرہ کو بدلنے کے لئے

سوز دل کی ضرورت

عالم اسلام

اور اس کے حالات میں بہتری کی واحد صورت

تعلیم کے لئے مغرب سے ملنے والی

ایک ارب ڈالر کی کہانی

آزادی و مساوات

جدیدیت اور اسلام کی نظر میں

مغربی سامراج کے غلبے سے پہلے

مسلم معاشروں میں پردہ کی روایت

مدیر

حافظ محمد موسیٰ بھٹو

مکاشفات۔تصرفات اور خیالی قوت کے کرشمے۔دور جدید کے مظاہر بزرگی پر مصلحانہ تنقیدی نظر

(ماخوذ:الاضافاۃ الیومیہ)

ملفوظات:حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

انتخاب+مقدمہ وتسہیل:حافظ موسی بھٹو صاحب

مدیر:ماہنامہ بیداری اردو،سندھ حیدرآباد

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
تلخیص و تسہیل: محمد موسیٰ بھٹو

پہلی قسط

مکاشفات۔ تصرفات اور خیالی قوت کے کرشمے

دور جدید کے مظاہر بزرگی پر مصلحانہ تنقیدی نظر

(ماخوذ: الافاضاۃ الیومیہ)

آج کل عام طور پر علم کی کمی، تصوف کی حقیقت سے ناآشنائی، دوسری دنیا کے عجیب و غریب مشاہدات کے شوق وغیرہ کی وجہ سے مکاشفات، تصرفات، کیفیات، مشاہدات اور بہتر خوابوں ہی کو تصوف کا معراج اور حاصل سمجھا جانے لگا ہے۔

بزرگوں اور درویشوں کو ناپنے اور پرکھنے کا معیار بھی اکثر یہی ہو گیا ہے۔ بعض بزرگوں کے ہاں روحانیت میں ارتقاء کی تعبیر و تشریح میں اسی چیز کو ہدف قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض خانقاہوں میں بزرگ کے مکاشفات اور تصرفات ہی کو بنیاد بنا کر، مریدوں کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔

بزرگی اور درویشی کے حوالے سے ہونے والی اس ذہن سازی کی وجہ سے ایک تو اسلامی عقائد کی صحت اور اسلامی شریعت کا وہ تقدس مجروح و متاثر رہتا ہے، جو وحی و رسالت اسے دیتی ہے۔ دوم یہ کہ بزرگی کی اس کسوٹی اور اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے طالبوں کو آخر وقت تک یہ حسرت رہتی ہے کہ کاش انہیں بزرگی کی یہ ارتقائی سعادتیں حاصل ہوں، اور وہ مکاشفات، تصرفات اور دوسری دنیا کے مشاہدات اور بہتر خوابوں کی سعادت سے بہرہ ور ہوں، اگر انہیں یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتی تو وہ آخر وقت تک اپنے آپ کو محرومین کی فہرست میں شمار کرتے ہیں اور ذکر و فکر کے مجاہدوں کو بے نتیجہ سمجھنے لگتے ہیں۔

طالبوں میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کی مجلسوں کا بیشتر حصہ اپنے بزرگوں کے مکاشفات اور روحانی پرواز کے واقعات میں ہی صرف ہو جاتا ہے۔

یقیناً راہ عشق میں مسلسل چلتے رہنے کے نتیجے میں محبوب کی طرف سے طالبوں کو بہت سی سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔ کرامتیں، مکاشفات اور تصرفات وغیرہ یہ سب

بزرگوں کو عطا ہوتی ہیں، اس کا انکار ممکن نہیں۔ لیکن اول تو یہ چیزیں مقصود نہیں، دوم یہ کہ ان کی حیثیت خوشخبری اور حوصلہ افزائی سے زیادہ نہیں۔ سوم یہ کہ یہ چیزیں تصوف کے لوازمات میں بھی شامل نہیں۔ بہت سارے بزرگان دین ایسے گزرے ہیں، جنہیں مکاشفات اور کرامات میں سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوئی، جب کہ حضرت مجدد کی تصریح کے مطابق ایسے بزرگوں کا مقام بعض اوقات صاحبان کشف بزرگوں سے زیادہ بلند رہا ہے۔

مبتدی ومتوسط صوفی چونکہ راہ سلوک میں چل کر، آتش عشق کے ذریعہ نفسی قوتوں کو پامال کرنے کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، اگر مراقبہ جات اور خیالی قوت کے ارتکاز کی وجہ سے اس سے مکاشفات ہونے لگیں تو ان مکاشفات میں تحت الشعور میں موجود نفسی خواہشات اور اس کی آلائشوں کے اثرات کے غالب ہونے کے امکانات موجود رہتے ہیں، اس لئے بعض عارفوں کا یہ کہنا بجا نظر آتا ہے کہ کثرت ذکر کے نور کے ذریعہ نفسی خواہشات کے زور کو توڑنے سے پہلے مراقبہ جات سے تحت الشعور میں غیر کے جو نقوش مستحکم ہیں، وہ ارتکاز قوت یعنی مراقبہ جات سے رنگ ونور اور مشاہدات کی صورت میں متشکل ہو سکتے ہیں، جو طالب کی توجہ کو غیر اللہ کی طرف منتقل کرنے اور دعویٰ اور شہرت کی راہ پر گامزن کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں، اس طرح طالب نے انا اور دعویٰ جیسے رذائل سے بچنے اور ماسویٰ سے حفاظت کے جس مقصد کی خاطر راہ سلوک اختیار کی تھی، اس طریقہ سے وہ غیر شعوری طور پر اس خطرہ کی زد میں آنے لگتا ہے۔

چونکہ مبتدی ومتوسط صوفی کی نفس کی تہذیب، ابتدائی ودرمیانی نوعیت کی ہوتی ہے، اس لئے اس پر یہ تمنا غالب رہتی ہے کہ اس کے مکاشفات وروحانی مشاہدات کی تشہیر ہو، تاکہ اس کے جذبات شہرت کو تسکین حاصل ہو۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ طالب کے لئے کثرت ذکر کے نور کے ذریعہ نفسی حجابات، اس کی تاریکیوں اور اس کی کثافتوں سے بڑی حد تک تہذیب وصفائی سے پہلے نفلی عبادات میں انہماک وبال ہے۔ آپ نے اس کا سبب بھی بیان فرمایا ہے کہ جس طرح معدہ کی خرابی کی حالت میں مرغن غذائیں فرد کی جسمانی طاقت میں اضافہ کی بجائے اس کی مزید بیماری کا سبب بنتی ہیں، اسی طرح نفسی حجابات اور اس کی کدورتوں کی صفائی سے پہلے نفلی عبادات دعویٰ کا ذریعہ

بن سکتی ہیں، بلکہ اکثر بن جاتی ہیں۔ مبتدی ومتوسط صوفی کو اگر مراقبہ جات اورادووظائف اور قوت ارتکاز کے ذریعہ تصرفات ومشاہدات ہونے لگیں تو اول تو اسے اپنے لئے آزمائش سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ یہ مشاہدات اس کے لئے سلوک کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ البتہ منتہی صوفی چونکہ نفسی قوتوں کا ہمالیہ پہاڑ طے کر چکا ہوتا ہے، اس لئے وہ اگر طالبوں کی حوصلہ افزائی اور اس راہ میں ضمنی طور پر حاصل ہونے والی سعادتوں کی خوشخبری کے طور پر کبھی کبھار اپنے روحانی مشاہدات بیان کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اکابر بزرگوں نے عام طور پر اپنے مکاشفات کو نہ تو مدون کیا ہے، نہ ہی انہوں نے اسے حجت کی حیثیت سے پیش کیا ہے، بلکہ بعض بڑے بزرگوں نے تصریح کی ہے کہ محبوب کے رازوں کو افشاں کرنا گناہ ہے۔

یہاں ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ علم نفسیات کے شعبہ پیراسایکالوجی کے ماہرین اور اہل باطل جو رنگ ونور کے مجاہدوں کی غیر معمولی مشقیں کرتے ہیں، انہیں اس ارتکاز کے نتیجہ میں بہت سارے مکاشفات اور تصرفات حاصل ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پیرا سایکالوجی کے موضوع پر شائع ہونے والی کتابوں کو دیکھا جا سکتا ہے، جو ملک میں مختلف اشاعتی اداروں کی طرف سے چھپتی رہتی ہیں۔ اوشو جیسے ملحد یوگی کی کتابوں میں اس کے مریدوں کے یہ حالات موجود ہیں کہ ہم نے آپ کو آسمان کی بلندیوں پر دیکھا اور آپ کو الوہیت کے منظر میں دیکھا۔ ان کے بیسیوں مریدوں کو اوشو کے بارے میں یہ مکاشفات ہوئے، جو ظاہر ہے باطل ہیں۔ تصوف واہل تصوف کی طرف سے اسلامی شریعت اور اللہ کے رسول کی ہر سنت پر عمل پیرا ہونے کے کام کو اہمیت دینے سے زیادہ مکاشفات اور رنگ ونور کے مشاہدات کو فیصلہ کن اہمیت دینے کے نتیجہ میں صحیح بزرگوں اور اہل باطل کے ماہرین کے درمیاں فرق وتمیز کرنا ممکن نہیں رہتا۔

جب کہ حقیقت میں ان دونوں کے درمیاں زمین وآسمان کا فرق ہے، اہل باطن کے مجاہدوں کا حاصل مکاشفات وتصرفات ہیں، جب کہ اہل اللہ کے ذکر کے

مجاہدوں کا حاصل تزکیہ نفس اور اللہ کی محبت میں استغراق اور اسلامی شریعت پر استقامت سے گامزن ہونا ہے۔ دونوں کے درمیاں اس بنیادی فرق کے واضح ہونے کے بعد دونوں کے مقاصد، اہداف اور طریق کار ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اگر تصوف کو ذکر وفکر کے مجاہدوں کی بجائے شخصیت سے محض اندھی عقیدت اور اس کے تصور کو راسخ کرنے کا ذریعہ بنایا جائے گا تو اس سے شیخ کے تصرفات اور اس کے تخلیات کی بلند پروازی سے کچھ حصہ تو ضرور ملے گا، اور اس کی مثالی صورت بھی سامنے آکر اسے خیرہ کرتی رہے گی لیکن اس سے وصول الی اللہ، نفس مطمئنہ اور قلب سلیم تک رسائی ممکن نہیں۔

یہ وہ اہم نکتہ ہے، جسے تصوف کے حلقوں میں عام طور پر نظر انداز کیا گیا ہے، جس کے نقصانات ظاہر ہورہے ہیں کہ تصوف کے اصل اہداف بدل گئے ہیں۔ اور عام مرید اس حسرت میں زندگی گذارنے لگتے ہیں کہ کاش کہ انہیں تصوف کا حاصل یعنی دوسری دنیا کے مشاہدات حاصل ہوں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زیرِ نظر ملفوظات میں اس موضوع کے بہت سارے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور شریعت سے بے نیاز مکاشفات کو اہمیت دینے کے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔ نیز مکاشفات اور مشاہدات کی نوعیت وحیثیت پر قیمتی بحث کرکے سالکوں کے لئے ان معاملات میں صحیح خطوط کا تعین کیا گیا ہے، مکاشفات اور تصرفات ہی کو درویشی سمجھنے والی نفسیات کے حامل طالبوں کے لئے مولانا کے بیان کردہ یہ نکات لمحہ فکریہ ہیں۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ خود مولانا تھانویؒ سے تصرفات اور کرامتیں صادر ہوتی رہی ہیں، جو ان کی سوانح حیات میں شامل ہیں، لیکن مولانا کی نظر میں شریعت اور سنت پر عمل پیرا ہونے کے مقابلہ میں یہ مکاشفات کسی اہمیت کے حامل نہیں۔ ہم نے ذیل میں اس موضوع پر مولانا تھانویؒ کے کچھ اہم ملفوظات اس لئے یکجا کئے ہیں، تاکہ اس سلسلہ میں حقیقی طالبوں کی صحیح علمی وفکری رہنمائی کی صورت پیدا ہوسکے اور یہ نکتہ واضح ہوسکے کہ بزرگی کا معیار مکاشفات وتصرفات ہرگز

نہیں، یہ چیزیں تو اہل باطل کو بھی مجاہدوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ تصوف کا حاصل صرف یہ ہے کہ باطنی بُرائیوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوسکے، سیرت وکردار میں پاکیزگی اور بلندی پیدا ہوسکے اور اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے میں نفس اور مادیت کی طرف سے پیدا کردہ رکاوٹیں دور ہوسکیں۔ مرتب)

خلاف شرع درویش کے تصرفات ومکاشفات

اور اس کو ملنے والی سزا

حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مشاہدہ کے حوالے سے ایک بحث

فرمایا، اس طریق باطن میں مقصود اعمال ہیں۔ باقی رہے حالات، مکاشفات اور تصرفات، سو یہ مقصود نہیں، نہ انکا حصول اختیاری ہے اور نہ ان کے عدم حصول سے سالک کا کچھ ضرر ہے۔ بس اصل چیز اعمال ہیں کہ اُنکے بغیر ایک قدم بھی راستہ طے نہیں ہوسکتا۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پھراسی ارشاد کی تائید میں حکایت بیان فرمائی کہ بعض اولیاء اللہ ایسے بھی گذرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روزمرہ اُن کو دربار نبوی میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی تھی، ایسے حضرات، صاحب حضوری کہلاتے ہیں، انہیں میں سے ایک حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے، اُنکا قصہ ہے کہ جب شیخ کو ہندوستان آنے کا حکم ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ جدائی گوارا نہیں، حکم ہوا کہ پریشان نہ ہو، تمہیں روزانہ زیارت نصیب ہوا کرے گی، اس پر مطمئن ہوکر جب وہ مدینہ منورہ سے ہندوستان آنے لگے تو حضور ﷺ سے اُن کو ارشاد ہوا کہ غریبانِ ہند (یعنی عرفان اور فقر کے صاحبان۔ مرتب) پر نظر عنایت رکھنا، اس کا حضرت شیخ پر بہت اثر ہوا، چنانچہ جب ہندوستان تشریف لے آئے تو اُسوقت سے شیخ نے اپنا یہ معمول بنالیا تھا کہ جب سنتے کہ فلاں مقام پر کوئی باخدا درویش اور فقیر موجود ہے تو اسکی خدمت میں حاضر ہوتے اور اُس

سے ملاقات کرتے۔

ایک بار انہوں نے سنا کہ فلاں جگہ ایک درویش رہتا ہے، وہ ان سے ملاقات کے لئے وہاں تشریف لے گئے تو جب وہ اُس درویش کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اُسکے پاس ایک بڑا مجمع موجود ہے اور بہت سے لوگ اُسکے معتقد ہیں، اُس درویش نے حضرت شیخ سے ملاقات کی اور حضرت شیخ کی خاطر ومدارات کی اور اسی سلسلہ میں شیخ کی خدمت میں شراب کا پیالہ پیش کیا کہ یہ بھی نوش کیجئے، اُسوقت آپ کو معلوم ہوا کہ یہ درویش شراب نوش ہے۔ تو حضرت شیخ نے شراب پینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ تو حرام ہے، میں نہیں پی سکتا، اس درویش نے کہا، کچھ بھی ہو یہ تو پینی پڑے گی، حضرت شیخ نے پھر انکار فرمایا تو کہنے لگا کہ اگر نہ پیؤ گے تو پچھتاؤ گے، شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں، جو شخص شریعت پر عمل کرے گا، وہ کبھی نہیں پچھتائے گا اور یہ کہہ کر آپ اُس درویش کے پاس سے چلے آئے۔

شب کو حسب معمول حضرت شیخ کی دربار نبوی میں جب حاضری ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ جس مکان مبارک میں حضور تشریف فرما ہیں، اُس مکان کے دروازہ پر وہ درویش کھڑا ہے اور پہرا دے رہا ہے۔ جب شیخ نے اندر دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو اُس درویش نے آپ کو روک دیا اور کہا کہ جب تک تم میرا کہنا نہ مانو گے، اُس وقت تک اندر نہ جانے دوں گا۔ خیر، یہ مجبور ہوگئے۔ صبح کو شیخ پھر اُس درویش کے پاس گئے تو وہ درویش ظالم، صاحب کشف بھی اس درجہ کا تھا کہ شیخ کے پہنچتے ہی، قبل اسکے کہ، شیخ اُس سے شب کا واقعہ بیان کریں، خود ہی شیخ سے کہنے لگا کہ کیوں دیکھا، ہمارا کہنا نہ ماننے کا یہ نتیجہ ہوا کہ حاضری سے محروم رہے۔

اگر ہمارا کہنا مان لیتے اور شراب کا پیالا پی لیتے تو کیوں محروم رہتے، حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر حاضری سے محروم رہا تو کیا مضائقہ ہے، حضور مجھ سے راضی تو ہیں اور اگر میں شراب کا پیالا پی لیتا تو اگرچہ مجھے حاضری نصیب ہوجاتی، مگر حضور تو مجھ

سے ناراض ہوجاتے، اسلئے کہ حاضری فرض نہ تھی اور شراب کا نہ پینا فرض تھا، کیونکہ شراب حرام ہے، پس اگر میں شراب پی لیتا تو فرض ترک ہوتا اور فرض کے ترک پر حضور کی ناراضی یقینی تھی اور حضرت شیخ نے اس سے یہ بھی کہا کہ تم اپنے تصرفات کے ذریعہ مجھے فریب میں ہرگز مبتلا نہیں کر سکتے، بلکہ اگر ان تصرفات سے زیادہ تصرفات بھی دکھاؤ گے تو بھی میں شریعت کے احکام کو نہیں چھوڑ سکتا، اُسکے بعد دوسری شب پھر یہی قصہ ہوا کہ شیخ نے دربار نبوی میں جب حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اُس درویش کو دیکھا۔ تو جب شیخ نے اندر جانا چاہا تو اُس درویش نے کل کی طرح پھر حضرت شیخ کو اندر جانے سے روک دیا، صبح کو شیخ پھر اُس درویش کے پاس گئے تو اُس نے پھر شیخ سے وہی کہا کہ کیوں، ہم نے کہتے تھے کہ شراب پی لو، ورنہ پچھتاؤ گے تو شیخ نے پھر وہی جواب دیا جو کل دیا تھا۔

تیسرے دن بھی شب کے وقت جب شیخ نے دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اُس درویش نے حضرت شیخ کو پھر روک دیا۔ اب شیخ حیران ہوئے کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ حاضری نصیب ہو تو اسی وقت شیخ نے سنا کہ جناب رسول مقبول ﷺ، حاضرین سے ارشاد فرمارہے ہیں کہ کیا بات ہے، دو دن سے عبدالحق نہیں آئے، بس حضرت شیخ نے یہ سنا تو فورا زور سے کر عرض کیا کہ حضور، یہ شخص مجھے اندر نہیں آنے دیتا، بس، حضور نے اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اخسایا کلب یعنی دور ہواے کتے اور آپ نے حضرات صحابہ کو حکم دیا کہ اس شخص کو یہاں سے نکال دو۔ چنانچہ اُسکو نکال دیا گیا۔ اور شیخ اندر حاضر ہوگئے۔

صبح کو پھر شیخ اُس درویش کے پاس تشریف لے گئے تو وہاں اُس درویش کے یہاں بڑا مجمع رہتا تھا، اس وقت وہاں اور تو سب لوگ موجود تھے، مگر وہ درویش نہ تھا، آپ نے خادموں سے دریافت کیا کہ تمہارے مرشد کہاں ہیں، خادموں نے کہا کہ حجرہ میں ہیں، دریافت کیا، آج باہر کیوں نہیں آئے، کہا کہ معلوم نہیں، کیا بات ہوئی، ہم

سب ان کے منتظر ہیں۔ شیخ حجرہ پر پہنچے اور جا کر آواز دی، مگر کوئی جواب نہ آیا، تب شیخ حجرہ کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تھا تو خادموں سے پھر دریافت کیا تو خادموں نے حجرہ میں آ کر دیکھا، تب بھی نہ پایا تو اب وہ خدام بڑے حیران ہوئے کہ آخر وہ گئے کہاں، پھر حضرت شیخ نے ان خدام سے دریافت کیا کہ اچھا، یہ تو بتلاؤ کہ تم نے اس مکان سے کسی کو نکلتے دیکھا تھا تو خدام نے کہا کہ ہاں، آج ایک کتے کو نکلتے دیکھا تھا۔ ہم سمجھے کہ کتا باہر سے گھس آیا ہوگا، تب حضرت شیخ نے ان لوگوں کو بتایا کہ یہ کتا وہی درویش تھا، اُس کی صورت کو کتے کی صورت میں مسخ کر دیا گیا ہے اور درویش کے حوالے سے رات کا اپنا سارا قصہ بیان فرمایا، اس قصہ کو سن کر لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اُس درویش کے سارے خادموں نے توبہ کی اور حضرت شیخ سے بیعت ہوگئے۔

حضرت حکیم الامتہ نے فرمایا کہ یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ درویش کے خدام اور اس کے مرید تو اُس درویش کے دھوکے میں آگئے، جب کہ حضرت شیخ اُس درویش کے دھوکے میں نہ آئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس درویش کے خدام تو کیفیات، مکاشفات، تصرفات اور واردات کو مقصود سمجھتے تھے اور وہ انہی چیزوں کے طالب تھے اور یہ چیزیں اُس درویش میں موجود تھیں اور اعمال جو کہ اصل ہیں، اُن کو یہ لوگ مقصود نہیں سمجھتے تھے، لہذا جب لوگوں نے یہ مکاشفات اُس درویش کے اندر دیکھے تو انہوں نے اس کو کافی سمجھا اور اُسکے معتقد ہوگئے، چونکہ شیخ، اعمال کو مقصود سمجھتے تھے، اسلئے شیخ نے جب اُس کو خلاف شریعت دیکھا تو پھر اسکے مکاشفات اور تصرفات کو کوئی اہمیت نہیں دی، اور اسکے معتقد نہ ہوئے۔

حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، فسق وفجور کے باوجود اس درویش کی حضورﷺ کے دربار تک رسائی کیونکر ہوگئی تو ارشاد فرمایا کہ وہ درویش تو دربار کے باہر ہی کھڑا تھا، لیکن حضورﷺ کی خدمت میں تو کفار اور مشرکین تک حاضر ہوا کرتے تھے۔ لیکن اُس حاضری کے بعد بھی وہ کفار اور مشرکین ویسے ہی مبغوض

رہتے تھے، جیسے حاضری سے قبل تھے، ایسی حاضری اور رسائی جو مبغوضیت کے ساتھ ہو، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک چور کی، جب وہ بادشاہ کے یہاں چوری کرنے کی غرض سے نکلتا ہے تو بعض اوقات ایوان شاہی تک اس کی رسائی ہوجاتی ہے، مگر اُسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اطلاع ہوتی ہے تو اُس چور کے جوتیاں لگتی ہیں تو ایسی رسائی جو کہ مبغوضیت (اور عتاب) کے ساتھ ہو، اس درویش کے کیا کام آسکتی تھی اور یہ رسائی اُس درویش کی مقبولیت کی دلیل کیسے ہوسکتی تھی، بس اصل بات یہ ہے، جو نہایت کام کی بات ہے کہ وصول مقصود نہیں، بلکہ قبولیت مقصود ہے اور اعمال کے بغیر قبولیت نہیں ہوتی، لہذا اصل چیز اعمال ہوئے، بس اس لئے اعمال کی فکر میں لگنا چاہئے۔

مزید ارشاد فرمایا کہ جو لوگ واردات اور کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں، وہ جلد ہی جاہل درویشوں کے معتقد ہو جاتے ہیں، مگر اسمیں ایک خطرہ کی بات یہ ہے کہ محققین نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ دجال کے دھوکے میں بھی آجائیں گے اور اس دھوکے میں آجانے کا سبب یہ ہے کہ دجال پر ایک قسم کی حالت سکر، غیبت، بے خودی اور مدہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگی، جیسا کہ بعض حالات باطنی کی وجہ سے مجذوبوں پر سُکر اور غیبت طاری ہوجاتی ہے تو اس اعتبار سے دجال کی حالت بظاہر مجذوبوں کے مشابہ ہوجائیگی تو ایسے لوگ جو کیفیات ہی کو مقصود سمجھتے ہیں، وہ دجال کو مجذوب سمجھ کر، اُس کے معتقد ہوجائینگے اور اُس کی خلاف شرع باتوں کی تاویل کرینگے، پھر آخرکار اس کی باتوں سے متاثر ہو کر، اس کا اتباع کرنے لگیں گے، اس طرح وہ گمراہ ہوجائیں گے۔

دجال پر جو یہ حالات سُکر غیبت اور بے خودی جیسے طاری ہونگے، حالانکہ دجال کوئی صاحب باطن نہ ہوگا، بلکہ کافر ہوگا تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حالات جیسا کہ کبھی تو کسی باطنی سبب سے طاری ہوتے ہیں، اسی طرح جن لوگوں کے پاس شیاطین کی آمدورفت ہوتی ہے تو اُن شیاطین کے اثر کے غلبہ سے بھی یہ حالات طاری ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ کاہنانِ عرب کے بارے میں کتابوں میں ہے کہ اُن پر ایک قسم کی مدہوشی قائم رہتی تھی تو اُسکی وجہ بھی وہی شیاطین کے اثر کا غلبہ تھا اور کاہنوں کا تو شیاطین سے

خاص تعلق ہوتا ہے، کیونکہ وہ شیاطین ہی سے ادھر ادھر کی خبریں دریافت کرتے ہیں تو چونکہ دجال کے پاس بھی شیاطین کی آمدورفت ہوگی، اسلئے اُس پر بھی شیاطین کے اثر کا غلبہ ہوگا، اس وجہ سے دجال پر بھی ایک قسم کی سُکر اور بے خودی کی حالت طاری ہوگی۔ (الافاضات الیومیہ صفحہ ۱۰۰ سے ۱۰۳)

خیالی قوت اور اس کے اثرات
بزرگی کے نام پر روحوں کو بلانے
اور دوسروں پر اثر انداز ہونے کا جائزہ

آج کل ہمارے یہاں عملیات، توجہ اور قوت متخیلہ کے کرشموں کو بزرگی اور درویشی کی خصوصیات میں شمار کیا جانے لگا ہے۔ ہر وہ شخص، جو چاہے اسلامی شریعت کا مخالف ہی کیوں نہ ہو، جو حب جاہ وحب مال کا مریض ہی کیوں نہ ہو، وہ اگر توجہ کی قوت کے ذریعہ دوسروں پر اثر انداز ہونے، پیشگی باتیں بتانے اور دوسروں سے اچھل کود کرانے اور انہیں اپنے تابع بنانے کی صلاحیت کا حامل ہو تو اسے بہت بڑا بزرگ سمجھا جانے لگا ہے۔ اس طرح بزرگی اور درویشی کے نام پر ایک کاروبار شروع ہے۔

قوت متخیلہ اور توجہ کے ارتکاز سے کام لینے کا فن انسانی تاریخ میں ہزاروں سالوں سے جاری ہے۔ جدید دور میں اس فن کو باقاعدہ مدون کر کے اس کے ماہرین تیار کئے جاتے ہیں، جو نفسانی نوعیت کی مشقوں سے کام لے کر اپنے گرد لوگ جمع کرتے ہیں، پیسہ کماتے ہیں اور لوگوں کو نفسانی طور پر ایک حد تک سکون فراہم کرتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں بھی اس طرح کی صلاحیت موجود رہی ہے، لیکن عام طور پر بزرگ نفسیاتی نوعیت کے ان طریقوں کے استعمال کو طالبوں اور خود اپنے لئے مضر سمجھتے رہے ہیں۔ اس لئے وہ نفسیاتی نوعیت کے حربوں کو استعمال کرنے سے پرہیز کرتے رہے ہیں۔

تجربہ یہ ہے کہ جن بزرگوں نے بھی توجہ اور قوت ارتکاز سے کام لے کر لوگوں کو اپنے قریب تر کرنے اور اپنے معتقدوں میں اضافہ کرنے کی روش اختیار کی اور اسے معمول بنایا، انہیں مقبولیت وشہرت تو ضرور حاصل ہوئی اور مرید بھی بڑی تعداد میں حاصل ہوئے، لیکن ایسے افراد بڑی ابتلا وآزمائش میں

مبتلا ہوئے اور تصوف کا جو حاصل ہے کہ محبوب کے علاوہ سب سے دلی چاہت کا نہ ہونا، وہ اس مقصود سے بہت دور ہوئے۔ یہ بجا ہے کہ بعض اکابر بزرگوں میں مریدوں کو توجہ دینے کا طریقہ رائج رہا ہے، اس سے طالبوں کو فائدے بھی حاصل ہوتے رہے ہیں کہ ان میں راہ سلوک میں چلنے کے لئے ذوق وشوق کی فضا پیدا ہوتی رہی ہے، لیکن اکابر بزرگوں کی توجہ کے پیش نظر دو چیزیں شامل تھیں، ایک تو یہ کہ وہ بزرگ، فنائیت کے معراج کمال تک پہنچے ہوئے تھے، اس لئے ان کی توجہ میں مالدار مریدوں کو مزید قریب کرنے یا شہرت وغیرہ کے داعیہ کا احتمال نہ تھا، دوم یہ کہ اس وقت خانقاہوں میں ملک بھر سے آنے والے مرید اصلاح کے لئے قیام پذیر ہوتے تھے، جو باقاعدہ راہ سلوک طے کرنے کے لئے مقیم ہوتے تھے، ان کو راہ میں تیز رفتاری سے چلانے کے لئے اکابر بزرگ توجہات سے بھی کام لیتے تھے۔ ذکر وفکر اور توجہ دونوں مل کر طالبوں کو آتش عشق میں چلتے رہنے پر گامزن رکھتے تھے۔

زیر نظر ملفوظ میں مولانا تھانویؒ نے اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر کافی جامع بحث کی ہے۔ ہم افادہ عام کے لئے اسے یہاں پیش کر رہے ہیں۔ (مرتب)

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک ایسا عمل ہے کہ اُس کے ذریعہ جب چاہیں مُردہ کی روح کو بلا سکتے ہیں کیا یہ صحیح ہے۔ فرمایا، بالکل غلط ہے، میں جس زمانہ میں کانپور میں تھا، اس زمانہ میں وہاں طلسماتی انگوٹھیوں کا بہت چرچا ہو رہا تھا۔ میں نے ایک ایسے شخص سے جو ہر قسم کے جلسوں میں آتے جاتے تھے، کہا کہ تم ان واقعات کی تحقیق کر کے مجھے بتاؤ۔ چنانچہ تحقیق کے بعد وہ آئے اور اُنہوں نے بیان کیا کہ صاحب، طلسماتی انگوٹھی سے بھی زیادہ عجیب بات معلوم ہوئی ہے، وہ یہ کہ ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے ذریعہ سے جس مُردہ کی روح کو چاہیں بلا سکتے ہیں۔ مجھے سن کر بڑی حیرت ہوئی اور میں نے یہ عمل خود دیکھنا چاہا۔ اُس شخص نے کہا، میں اُن آدمیوں کو جو یہ عمل کرتے ہیں، بلا کر لاؤں گا اور ان سے آپ کے سامنے یہ عمل کراؤں گا۔ چنانچہ وہ لوگ ہمارے پاس آئے، یہ تین شخص تھے۔ ہم نے مدرسہ میں تو یہ شغل مناسب نہ سمجھا، اس کام کے لئے ایک دوسری جگہ تجویز کی، اُس مکان میں صرف چھ شخص تھے، تین تو وہ عامل اور ایک میں اور میرے ساتھ ایک مدرسہ

کے مہتمم اور ایک مدرس۔

عصر کے بعد یہ اجتماع ہوا۔ اُن عاملوں نے ایک میز پر اس طرح عمل کیا کہ دونوں ہاتھوں کو رگڑ کر میز پر رکھا اور اُدھر متوجہ ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میز کا پایہ خود بخود اُٹھا، اُنہوں نے کہا کہ لیجئے، اب روح آگئی ہے، انہوں نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے، معلوم ہوا کہ تجمل حسین۔ کوئی آواز نہ تھی، کچھ اصطلاحیں مقرر تھیں، اُن سے سوالات کے جوابات معلوم ہوجاتے تھے، اب ان لوگوں نے ایک مبتدع شخص کے لڑکے کی روح کو بلوایا اور اُسی تجمل حسین کی روح کو مخاطب کرکے کہا کہ جاؤ، اُس شخص کی روح کو بلا لاؤ اور جب جانے لگو تو فلاں پایہ کو اُٹھا جانا اور جب تم اُسکو لیکر آؤ تو اپنے آنے کی اطلاع اسطرح کرنا کہ اُس پایہ کو پھر اُٹھا دینا۔ چنانچہ فوراً پایہ اٹھا، معلوم ہوا کہ روح کو لینے گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر پایہ اٹھا، معلوم ہوا کہ جس روح کو بلایا تھا، وہ آگئی ہے، اب ایسی ہی اصطلاحوں میں اُس لڑکے کی روح سے سوالات کرنا شروع کئے اور اُسکی طرف سے ایسی ہی اصطلاحوں میں جوابات دئے گئے۔

ہم ناواقف لوگ بڑی حیرت میں تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے، اُن لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ آپ جس شخص کی روح کو بلانا چاہیں تو ہم سے فرمایئے، ہم اُس شخص کی روح کو بلادینگے۔ چنانچہ میں نے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو بلوایا۔ وہی تجمل حسین سب روحوں کو بلا بلا کر لاتا تھا، چنانچہ اسی طرح پایا پھر اُٹھا، معلوم ہوا کہ حضرت حافظ صاحب بھی تشریف لے آئے۔ میں نے کہا، السلام علیکم، اصطلاح میں جواب ملا، وعلیکم السلام، پھر اُن لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ حضرت حافظؒ کا کچھ کلام پڑھیے، اُن کی روح خوش ہوگی، چنانچہ میں نے اُن کی غزل الایا ایہا الساقی الخ پڑھی تو میز کا پایا بار بار اور جلدی جلدی اُٹھنے لگا، اس سے یہ سمجھا جانے لگا کہ گویا حافظ صاحب کی روح اپنا کلام سنکر خوش ہورہی ہے اور وجد میں آرہی ہے۔

ہم لوگ بڑے تعجب میں تھے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی، اتنے میں مغرب کا وقت ہوگیا، ہم نماز پڑھنے کیلئے اٹھے، ہم تینوں نے آپس میں گفتگو کی کہ یہ کیا بات ہے، اخیر مین یہ رائے قرار پائی کہ یہ سب خیالی قوت کے کرشمے ہیں۔ یہ امتحان کرنا

چاہئے کہ جب وہ لوگ عمل کرنے لگیں تو ہم تینوں یہ خیال کرکے بیٹھ جائیں کہ پایہ نہ اٹھنے پائے، مہتمم صاحب بولے کہ وہ لوگ مشاق ہیں، ان کے مقابلہ میں ہم لوگوں کی کوشش کیا کارگر ہوسکتی ہے۔ میں نے کہا کہ تم ابھی سے ہمت نہ ہارو، ورنہ تو کچھ بھی نہ ہوسکے گا، ہمیں یہی سمجھنا چاہئے کہ ان کے خیال پر ہمارا خیال ضرور غالب آئیگا، امتحان تو کرنا چاہئے، چنانچہ ہم لوگ یہ مشورہ کرکے بعد نماز مغرب کے پھونچے اور ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ تم اس عمل کو دوبارہ دکھاؤ، انہوں نے پھر عمل کرنا شروع کیا، ادھر ہم تینوں یہ خیال جما کر بیٹھ گئے کہ پایہ نہ اُٹھے، چنانچہ اُن لوگوں نے بہت کوشش کی اور بہت زور لگایا کہ پایہ اُٹھے، مگر کچھ نہ ہوسکا، وہ لوگ بڑے شرمندہ ہوئے اور مجھے یقین ہوگیا کہ یہ سب خیالی قوت کے کرشمے ہیں۔

پھر اگلے روز ہم نے خود تجربہ کیا اور اسی طرح ہاتھ رگڑ کر میز پر رکھے اور ہم تینوں یہ سوچکر بیٹھ گئے کہ فلاں پایہ اُٹھے، چنانچہ وہی پایہ اُٹھا۔ پھر یہ سوچا کہ فلاں فلاں دو پائے اٹھیں، چنانچہ وہ دونوں اُٹھے، پھر تیسرے پائے کا خیال کیا تو وہ بھی اٹھنے لگا، لیکن اُن دونوں میں سے ایک پایہ نیچے گر گیا۔ تینوں ایک ساتھ نہ اُٹھ سکے، اس کے لئے زیادہ قوت کی ضرورت تھی، پھر ہم نے میز پر ہاتھ کے بجائے صرف ایک انگلی رکھ کر، اسی طرح پائے اُٹھائے، پھر اُس میز کے اوپر دوسری میز رکھی اور اس پر ہاتھ رکھ کر یہ سوچ کر کھڑے ہوگئے کہ اوپر والی میز کا فلاں پایہ اور نیچے والی میز کا فلاں پایہ اُٹھ جائے، چنانچہ اسی طرح اُٹھ گئے۔ غرض جس طرح چاہا، اُسی طرح پائے اٹھ گئے۔ اب ہمیں پوری طرح اطمینان ہوگیا، پھر ہم نے اُسی قاعدہ کے تحت میز کو یہ خطاب کیا کہ اگر تجھ پر کوئی روح آتی ہے تو ایک بار فلاں پایہ اُٹھے اور اگر نہیں آتی تو دوبار اُٹھے، چنانچہ دوبار اُٹھا۔ تو خود انہی کے قاعدہ سے روح کے آنے کا غلط ہونا ثابت ہوگیا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ سب تصرفات سیاسی ہیں۔ اور ہاتھ رگڑنے کی یہ مصلحت ہے کہ رگڑ سے قوت برقیہ مشتعل ہوتی ہے اور وہ معین ہوجاتی ہے۔ اور ہاتھ یا اُنگلی اسلئے رکھی جاتی ہے کہ اس سے خیال کو بہت مدد ملتی ہے، اگر زیادہ مشق بڑھائی جائے تو پھر ہاتھ انگلی رکھنے کی بھی ضرورت نہ رہے، محض خیال کرنے سے پایا اُٹھ سکتا ہے

پھر تو یہ ہوا کہ ہم نے سارے طالبعلموں سے یہ عمل کرایا، اب جو شخص ہاتھ رکھکر بیٹھتا ہے، اُسی کے ہاتھ سے پایا اُٹھ جاتا ہے۔ اس سے معاملہ کی ساری حقیقت کھل گئی۔

ان سارے واقعات کے بعد اتفاق سے مدرسہ کا جلسہ تھا، جس میں ظاہر تھا کہ معمول سے زیادہ آدمی آنیوالے تھے، مگر لوگوں کی تعداد کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، ہم نے کہا کہ لاؤ، اس عمل سے یہ معلوم کریں کہ آج جامع مسجد جس میں جلسہ تھا، کتنی صفیں ہونگی، چنانچہ یہ سوچکر بیٹھ گئے کہ جتنی صفیں ہوں، اتنی ہی بار پایہ اُٹھ جائے۔ پایہ گیارہ بار قوت سے اٹھا اور بارھویں مرتبہ ہلکا سا اُٹھا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ بارھویں مرتبہ تھوڑا اُٹھکر رہ گیا، پھر خود ہی احتمال ہوا کہ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ گیارہ صفیں تو پوری ہونگی اور بارھویں صف پوری نہ ہوگی۔ نماز ختم ہوتے ہی دعا مانگنے سے بھی پہلے میں نے اُٹھکر صفیں گنیں تو واقعی گیارہ صفیں پوری تھیں اور بارھویں صف پوری بھری ہوئی نہ تھی، اس واقعہ سے بڑی حیرت ہوئی کہ اس صحیح جواب کی کیا بناء تھی۔ دوسرا عجیب واقعہ یہ ہے کہ ایک قلمدان میں بہت سے قلم جن کی گنتی معلوم نہ تھی اور ایک پرکار رکھا ہوا تھا، اُسکی تعداد معلوم کرنے کے لئے عمل کیا تو اکیس مرتبہ پایہ اٹھا۔ گنے تو معلوم ہوا کہ اُنیس تو قلم تھی اور ایک پرکار تھا، کل بیس عدد تھی۔ تعجب ہوا کہ ایک مرتبہ زیادہ کیوں اُٹھا۔ سمجھ میں آیا کہ پرکار میں دو پھل ہوتے ہیں، اسلئے ایک کے بجائے دوبارہ اُٹھا۔ پھر فرمایا کہ صفوں کے اور قلمدان کے دو واقعے عجیب ہیں، باقی سب واہیات، مگر اس میں جو چیز جاننے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ جس طرح یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کا علم حاصل ہوجائے، اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر کسی چیز کا علم حاصل ہوجائے تو اُس علم کا علم بھی ہوجائے بعض مرتبہ ایک چیز کا علم حاصل ہوجاتا ہے، اس طرح کہ وہ چیز خزانہ خیال میں آجاتی ہے، مگر فرد کو اُس چیز کا احساس نہیں ہوتا، یعنی اُس چیز کے علم کا علم نہیں ہوتا، حالانکہ اُس چیز کو قاعدہ کی رو سے معلومات میں داخل کیا جائیگا، کیونکہ خزانۂ خیال میں موجود ہے چنانچہ بعض مرتبہ انسان آیندہ ہونیوالے بعض واقعات کے متعلق سوچتا ہے تو اُسکے دماغ میں ایک بات آجاتی ہے اور پھر بعد میں ایسا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ اس کے دماغ میں پہلے آچکا تھا، اُس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ چیز خزانہ خیال میں آچکی ہوتی ہے، مگر اُسکے خزانۂ خیال میں

آجانے کا ادراک اور اُس کی طرف التفات نہیں ہوتا اور یہ بھی کشف کی ایک قسم ہے کہ اصل علم ہو اور علم العلم نہ ہو۔

ایک ابتدائی بات تو یہ ہوئی۔ دوسری بات یہ سمجھنا چاہئے کہ جب خزانۂ خیال میں کوئی چیز آجاتی ہے تو اُسکے آجانے کا اگرچہ علم نہ ہو، مگر اس کا اثر بھی عامل کی خیالی قوت کے ذریعہ سے معمول پر بعض مرتبہ ایسا ہی پڑتا ہے، جیسا اُس صورت میں ہوتا کہ جب عامل کو اُس چیز کا ادراک یعنی علم العلم حاصل ہوجاتا۔ بہرحال یہ سب خیالی قوت کے کرشے ہیں، اسمیں کسی روح کا دخل نہیں۔ اس کی ایک تائید میں ایک بات عرض کرتا ہوں کہ ایک بار ایک صاحب کا خط آیا، جن کا دعوی تھا کہ میری ارواح سے ملاقات ہوتی ہے اور میں ان سے سوالات کا جواب معلوم کر لیتا ہوں تو اُنہوں نے لکھا تھا کہ بعض اوقات مجھے کسی معاملہ میں تردد ہوتا ہے تو اس کا جواب میں اُسی عمل کے ذریعہ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں، لیکن اُس کا جواب کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا، نہ نفی میں نہ اثبات میں۔ میں کہتا ہوں کہ یہی دلیل ہے اس بات کی کہ اُس عمل کے ذریعہ سے روح آکر جواب نہیں دیتی، بلکہ یہ سب اُس عامل کی خیالی قوت کا اثر ہوتا ہے، اسلئے کہ جس بات میں تردد ہوتا ہے تو ایک خیال دوسرے خیال کی تاثیر میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور اُسوقت دونوں خیالوں میں خارج سے کسی کا اثر بھی نہیں پڑتا، اسلئے اندر سے کوئی جواب نہیں آتا اور اگر وہ جواب، روح کا ہوتا تو اُس جواب پر اس عامل کے شک کا کوئی اثر نہ پڑتا، کیونکہ روح کے علم میں اس کے تردد کا کیا دخل، بلکہ شک تردد کی حالت میں بھی روح کی طرف سے اسی طرح جواب مل جاتا، جیسے عدم تردد کی حالت میں ملتا۔

پھر فرمایا، کہ یہی حال طلسماتی انگوٹھیوں کا بھی ہے کہ اُس کے متعلق جو دعوی کیا جاتا ہے کہ اُسکے اندر چور کا پتہ چل جاتا ہے بالکل غلط ہے، بلکہ یہ سب اُسی خیالی قوت کا اثر ہوتا ہے کہ پاس بیٹھنے والوں پر انہی کی قوت خیالیہ کا اثر اُس انگوٹھی کے دیکھنے والے پر پڑتا ہے، چنانچہ ان پاس بیٹھنے والوں کو جس شخص پر شبہ ہوتا ہے، اس کی صورت اُس انگوٹھی میں دیکھنے والے کو نظر آجاتی ہے، پس سمجھ لیا جاتا ہے کہ انگوٹھی میں کوئی اثر یا قوت ہے، جس سے چور کا پتہ لگ گیا، حالانکہ وہ سب اُن پاس بیٹھنے

والوں کی خیالی قوت کا عکس ہوتا ہے، ایک شخص کی خیالی قوت کا دوسرے پر عکس پڑتا ہے، اگرچہ اس کا قصد بھی نہ ہو، اس کی ایسی مثال ہے، جیسے اگر کوئی شخص آئینہ کے پاس کھڑا ہوتو اُسکی صورت کا عکس آئینہ پر پڑے گا، اگرچہ اُس شخص کو اسکی خبر بھی نہ ہو کہ میری صورت کا عکس آئینہ پر پڑرہا ہے، پس اسی طرح جب ایک ذہن کا تعلق محاذاۃ دوسرے ذہن سے ہوتا ہے تو ایک کا عکس دوسرے پر خود بخود پڑتا ہے، کیونکہ جیسے آئینہ میں خاصیت ہے انعکاس کی، اسی طرح حق تعالیٰ نے اذہان کے اندر بھی خاصیت رکھی ہے انعکاس کی اور اسی خیال کی تقویت کیلئے اُس انگوٹھی میں دیکھنے والا ایسا تجویز کیا جاتا ہے، جو بچہ ہو، کیونکہ بچہ کا ذہن مختلف خیالات سے خالی ہونے اور سادگی کی وجہ سے زیادہ اثر قبول کرتا ہے بہ نسبت کسی بڑے شخص کے، جسکے ذہن میں استعداد زیادہ ہے (یعنی وہ اثر کم قبول کرتا ہے) اور یہی حکمت ہے اس میں کہ اُس انگوٹھی کا نگین عادۃً سیاہ رنگ کا رکھا جاتا ہے، کیونکہ سیاہ رنگ میں نظر کی شعاعوں کو مجتمع کرنے کی خاصیت ہے، یہ چیزیں خیال کی یکسوئی میں معاون ہوتی ہیں اور یکسوئی کی حالت میں ذہن زیادہ کام کرتا ہے، بخلاف سفید رنگ کے کہ اُس سے شعاعوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے معمول کا ذہن منتشر ہوکر پورے طور پر کام نہیں کرتا۔

پھر فرمایا کہ مروجہ توجہ اور تصرفات جن کو لوگ آجکل بزرگی میں شمار سمجھتے ہیں، ان کا منشاء بھی یہی خیالی قوت ہے کہ شیخ کی خیالی قوت مرید کے کے لئے مؤثر ہوتی ہے اور چونکہ ان چیزوں کا منشا خیالی قوت ہے، نہ کہ قرب وقبول عنداللہ، یعنی اس کام کو ہر وہ شخص کرسکتا ہے، جسکے خیال میں ایک طرح کی قوت ہو، خواہ وہ قوت اُس نے مشق سے حاصل کی ہو یا اُس کے اندر فطری ہو، اسلئے ہمارے بزرگوں نے ایسی چیزوں کو کبھی کمال نہیں سمجھا اور بات یہ نہ تھی کہ ایسے معاملات میں ہمارے بزرگوں کو دخل نہ تھا، بلکہ خود ہم نے بعض حضرات کا مشاہدہ کیا ہے کہ ان کو ایسے معاملات میں بھی کافی دسترس حاصل تھی، چنانچہ ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں ایک صاحب دہلی سے تشریف لائے تھے تو مولانا نے ان کو بعد مغرب توجہ دیا کرتے تھے اور وہ صاحب مچھلی کی طرح تڑپا کرتے تھے، مولانا تو توجہ دیکر ان کو جدا کردیتے تھے، مگر اُن صاحب پر مولانا کی اس توجہ کا بہت دیر تک برابر اثر رہتا تھا، ہم لوگ

ڈرتے تھے کہ کہیں ان صاحب کو چوٹ نہ لگ جائے، اسلئے ہم ان کو پکڑتے تھے تو مولانا نے ہمیں منع فرمایا کہ پکڑو مت، ہاں اس کا خیال رکھو کہ یہ کہیں اونچے نیچے میں نہ جا پڑیں، باقی رہی چوٹ، جس کا تم کو اندیشہ ہے تو چوٹ تو ان کو لگ چکی ہے، اب کیا لگے گی۔

پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا، توجہ دینے کے عمل کی وجہ سے طبعی قوت پر بھی بہت اثر پڑتا ہے، یہاں تک کہ توجہ دینے والے کے بیمار پڑنے اندیشہ ہوجاتا ہے چنانچہ دیوبند مدرسہ میں ہمارے قیام کے زمانہ میں مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ، مدرسہ کے طلبہ کو توجہ دیا کرتے تھے تو مولانا خود بیمار پڑگئے، جب مولانا محمد یعقوب صاحب کو اسکی خبر ہوئی تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحب کو ایسا نہ کرنا چاہئے، طلبہ یہاں پڑھنے آتے ہیں، نہ توجہ لینے کے لئے۔

مزید فرمایا کہ مذکورہ باتیں (ارتکاز قوت کے حوالے سے ہونے والی باتیں) لہوولعب میں شمار ہوتی ہیں، ان سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ یہ معلوم ہوگیا کہ ان چیزوں میں کچھ نہیں، یہ محض دھوکہ ہے اور واہیات چیزیں ہیں، میں نے ان چیزوں کا جو تجربہ کیا، یہ فی نفسہ جائز تھا، کوئی گناہ نہ تھا، مگر چونکہ یہ اعمال اہل باطل ہی کرتے ہیں اور ان کے یہاں ان اعمال کا خاص طور پر مشغلہ ہے، اسلئے میں اس عمل میں کچھ دیر کے لئے مشغول رہا تو اس کی وجہ سے سے مجھے اس قدر ظلمت محسوس ہوئی کہ یہ ظلمت مجھ سے برداشت نہ ہوسکی اور میں پریشان ہوگیا۔ آخر میں نے چاہا کہ کسی طرح اس ظلمت کے اثرات دور ہوں تو سوچا کہ اس ظلمت کی وجہ محض یہ ہے کہ اہل باطل کے ایک عمل میں مشغولی رہی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ العلاج بالضد تو اہل نور کی صحبت اسکا علاج ہے، پس کچھ عرصہ اہل نور کی صحبت میں بیٹھنا چاہئے تو اُسوقت زندہ بزرگوں میں تو کوئی ایسا قریب بزرگ نہیں ملا کہ کچھ عرصہ تک اُس کی صحبت اختیار کی جاتی، لہذا پھر یہ کیا کہ بزرگوں کے مزارات پر گیا، چنانچہ وہاں سے تین سو کے فاصلہ پر ایک بزرگ کا مزار ہے، وہاں گیا، تب کہیں جاکر وہ ظلمت رفع ہوئی۔ (الافاضاۃ الیومیہ صفحہ ۳۸ تا ۴۴ جلد نہم)

خوابوں کو وحی کی سی اہمیت دینے کی روش

اس کا ذکر تھا کہ آجکل خواب کو اس قدر بڑی چیز سمجھتے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں اتنی وقعت تو وحی کی بھی نہیں، حالانکہ اول تو ہمارا خواب ہی کیا ہے، ہمارے خواب کی حقیقت تو اکثر یہ ہوتی ہے کہ دن بھر کے جو خیالات ہمارے دماغ میں رہتے ہیں، وہی خیالات رات کو سوتے میں اُسی صورت میں یا کسی دوسری صورت میں (بدل کر) نظر آجاتے ہیں اور اگر کوئی خواب نفسانی تصرف یا شیطانی تصرف سے پاک بھی ہو اور واقعی وہ خواب رویائے صالحہ قسم کا ہی ہو، تب بھی شریعت میں ایسے خواب کا درجہ صرف اتنا ہے کہ حدیث میں اُس کو مبشرات فرمایا گیا ہے کہ اگر اُس خواب کے اندر کوئی اچھی بات نظر آئے تو وہ خواب ایک دل خوش کن چیز ہے، نہ کہ وہ کوئی شرعی حجت ہے اور اُس کا درجہ احکام شرعیہ کے برابر ہے، بلکہ اگر کوئی خواب ایسا ہو کہ اُس پر عمل کرنے سے کسی شرعی حکم کی مخالفت ہوتی ہو تو ایسے خواب پر ہرگز عمل کرنا جائزنہ ہوگا۔

مزید ارشاد فرمایا کہ مصر میں ایک بار کسی مسلمان نے خواب دیکھا تھا کہ حضور ﷺ اُس شخص سے ارشاد فرمارہے ہیں کہ شراب الخمر یعنی تو شراب پی تو اُس شخص نے علماء سے تحقیق کیا تو علماء مصر نے باتفاق جواب دیا کہ ہرگز جائز نہیں، بلکہ تم کو حضور کا ارشاد یادنہیں رہا اور اگر میں اُس مجمع میں ہوتا تو جواب دیتا کہ اگر صحیح بھی یاد ہوتا، تب بھی شراب سے یہ دنیوی شراب مرادنہیں، بلکہ اس سے مراد شراب عشق ومحبت ہے، یعنی حضور کا مطلب یہ ہے کہ تم خدا و رسول کی محبت اپنے اندر پیدا کرو۔ اسی طرح خواب کو غلط سمجھنے کا کانپور کا ایک واقعہ ہے کہ وہاں ایک شخص درویش تھے، جو حقہ پیا کرتے تھے، پھر انہوں نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے حقہ رکھا ہوا ہے، اس خواب سے وہ یہ سمجھے کہ حضور ﷺ، مجھے فعلا اجازت دے رہے ہیں کہ تم حقہ پینا پھر شروع کردو، انہوں نے مجھے اپنا یہ خواب بتایا، میں نے اُن سے کہا کہ اس خواب کی بناء پر ہرگز ایسا نہ کرنا۔ اور یہ جو تم نے خواب دیکھا ہے، یہ حضور کا فعل نہیں ہے بلکہ تمہارا فعل ہے، جو حضور کی ذات مبارکہ کے

آئینہ میں ظاہر ہوا، سو اول تو خواب حجت نہیں، دوسرے یہ کہ یہ خواب اپنی ظاہری صورت پر نہیں، بلکہ صورت مثالی پر ہے، لہذا یہ قابل عمل نہیں، اسی طرح مدرسہ دیوبند کا ایک قصہ ہے کہ دارالعلوم میں ایک مرتبہ ایک طالب علم آئے، جو مدرسہ میں داخل ہونا چاہتے تھے، چنانچہ اُن کو داخل کرلیا گیا، مگر وہ اس بات مصر تھے کہ میں شرح جامی پڑھوں گا، حالانکہ جب اُن کا امتحان لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ابھی ان کے اندر اتنی استعداد ہرگزنہیں کہ شرح جامی پڑھ سکیں، بلکہ اول اُن کو نحو کی کوئی ابتدائی کتاب پڑھنا ضروری ہے تو جب اُن سے کہا گیا کہ تمہارے اندر ابھی اتنی استعداد موجودنہیں کہ تم شرح جامی پڑھ سکو، لہذا فی الحال تم کو شرح جامی میں شریک نہیں کیا جاسکتا، وہ اُس وقت خاموش ہوگئے، اگلے روز انہوں نے بیان کیا کہ میں نے جناب رسول مقبول ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ فرمارہے ہیں کہ تم شرح جامی پڑھو۔ لہذا مجھے شرح جامی پڑھنے کی اجازت دی جائے تو مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو یہ جواب دیا کہ حضور کے اس ارشاد کے متعلق تو ہم حضور سے خود عرض معروض کرلیں گے، مگر تم کو تو فی الحال شرح جامی کے بجائے نحو کی کوئی ابتدائی کتاب ہی پڑھنی ہوگی۔ سو اس جواب کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہم دعوئ رویت کی تکذیب نہیں کرتے، لیکن اس کا کیا اطمینان ہے کہ انہوں نے ارشاد کو صحیح سنا اور سمجھا بھی۔

خوابوں کو غیر معمولی اہمیت دینے کی نفسیات

جامع بحث

ایک صاحب نے اپنا ایک خواب لکھا، اسے حسب معمول یہ جواب تحریر فرمایا، مجھے خوابوں کی تعبیر سے مناسبت نہیں، پھر فرمایا کہ خوابوں کا کیا اعتبار ہے۔ اول تو خود خواب کا حجت ہونا ثابت نہیں، پھر اُسکی صحیح تعبیر کا سمجھ میں آجانا ضروری نہیں۔ اور پھر کس کا خواب اور کس کی تعبیر، پہلے فرد کسی قابل تو ہو، اگر یہ کہا جائے کہ اچھے خواب کو حدیث شریف میں مبشرات فرمایا گیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ درجہ ہم لوگوں کے خواب کا ہے یا صلحاء کے خواب کا۔ ایک تو یہ فرق ہے۔ پھر حضرات صحابہؓ ہر چیز کو اپنے درجہ اور اپنے مقام پر رکھتے تھے، ان کے خواب کی تعبیر دینے میں عقیدہ کی خرابی کا احتمال نہ

تھا اور اب عقیدہ کی خرابی کا اندیشہ ہے، اسوقت اگر خوابوں کو اہمیت دی جائے تو بس لوگ خوابوں پر ہی قناعت کر کے بیٹھ جائیں اور اعمال کی اصلاح سے بے فکر ہو جائیں۔ اور مفسدہ (وخرابی) وہ چیز ہے کہ اگر نفل میں بھی خرابی ہو تو اُسکو بھی ترک کرا دیا جاتا ہے، چہ جائے کہ خواب، جو نفل تو کیا، کسی درجہ میں بھی عبادت نہیں، کیونکہ خواب کا عمل اختیاری نہیں۔ اب اس میں سوچنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ جب خوابوں کو اہمیت دینے میں عقیدہ کی خرابی کا احتمال ہے تو اسکو بالکل ہی ترک کر دینا چاہئے۔

یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ کبھی ایک ہی شخص کے بارے میں دو شخص مختلف خواب دیکھتے ہیں تو آخر کس کے خواب کا اعتبار کیا جائے گا، کسی کا بھی نہیں۔ کیونکہ یہ عقلی اور علمی مسئلہ ہے کہ جب برابر کی قوت کی دو چیزیں ایک دوسرے سے متضاد ہوں تو دونوں کو چھوڑنا واجب ہے تو یہی حاصل ہوا کہ خواب حجت نہیں، پھر آج کل کی تعبیر بھی ویسی ہی ہوتی ہے، کبھی کسی کے نزدیک کچھ ہوتی ہے، کسی کے نزدیک کچھ۔ تعبیر کا سمجھنا مشکل ہے۔ اس پر ایک خواب یاد آیا، ہمارے حضرات ہمیشہ ندوہ کے خلاف رہے ہیں، یہ اختلاف ندوہ والوں کو معلوم تھا، انہوں نے اس اختلاف کے جواب کیلئے ایک خواب پیش کیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے وہ خواب گھڑا ہوگا، بلکہ ضرور دیکھا ہوگا۔ وہ خواب یہ تھا کہ گویا ندوہ کا جلسہ ہے۔ مسند بچھی ہوئی ہے۔ اہل ندوہ مسند پر بیٹھے ہوئے جلسہ کی کارروائی کر رہے ہیں۔ باہم مشورہ ہو رہا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک طرف کو آپ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ بس یہ خواب تھا۔ اُن لوگوں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ جس مجلس میں خود حضور موجود ہوں، وہ مجلس یقیناً عنداللہ مقبول ہے۔ کسی نے اس خواب اور اس تعبیر کا ذکر حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ اُن لوگوں نے اس خواب کا صحیح مطلب نہیں سمجھا، کوئی اُن سے کہے کہ حضور کے ہوتے ہوئے کسی کا مسند پر بیٹھنا، صاف دلیل ہے تقدم علی الرسول کی یعنی اُن لوگوں میں خودرائی موجود ہے، وہ اپنی رائی کو حضورؐ کی رائے مبارک سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔

(واضح ہو کہ ندوہ کے علماء کی طرف سے تصوف وسلوک کے خصوصی اہتمام کے بعد ندوہ کے بارے میں علمائے دیوبند کی رائے بدل گئی تھی۔ مرتب)۔

پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ دیکھئے، اس تعبیر کا سمجھنا ہر ایک کا تو کام نہیں، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شخص نے بڑا وحشتناک خواب دیکھا کہ نعوذ باللہ، نعوذباللہ، وہ قرآن شریف کو ناپاک کرنے کی حرکت کر رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ بہت مبارک خواب ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ حافظ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسے لڑکا پیدا ہوا اور وہ حافظ ہوگیا۔ اب دیکھئے، یہ خواب ظاہر میں تو نامبارک تھا، مگر حقیقت میں مبارک تھا اور ندوہ والوں کا خواب بظاہر مبارک تھا، مگر دراصل نامبارک تھا۔ یہ تعبیر تو ایک مستقل فن ہے۔ اس میں بزرگی کا بھی کوئی دخل نہیں، بلکہ اس فن سے مناسبت کیلئے تو ایمان کی بھی شرط نہیں، چنانچہ ابوجہل کو اس فن تعبیر سے بہت مناسبت تھی اور وہ بڑا معبر تھا۔ اس فن کا مدار فطری مناسبت پر ہے اور وہ کسی کو حاصل ہے، کسی کو نہیں، چنانچہ مجھے حاصل نہیں ہے، اسلئے میں نے یہ سستا نسخہ نکال رکھا ہے کہ جو شخص خواب لکھ کر مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے، میں اکثر یہ شعر لکھدیتا ہوں۔

نہ شبم نہ شب پرسم کہ حدیث خواب گویم　　　چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

اگر خواب میں فرد یہ بھی دیکھے کہ میں سور کا گوشت کھا رہا ہوں یا جہنم میں جل رہا ہوں، مگر جب بیدار ہو، اپنے اندر کوئی کام قصداً خلاف شرع نہیں پاتا تو وہ خواب مطلق منکر اور بُرائی کی علامت نہیں۔ اور اگر خواب میں یہ دیکھے کہ میں جنت میں ہوں، حوروں سے مشغول ہوں، اللہ کا دیدار ہو رہا ہے، مگر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سنت کے خلاف معاملات میں مشغول ہے یا معصیت میں مبتلا ہے تو وہ مبارک خواب بھی قابل اعتبار نہیں، کیونکہ اعتبار بیداری کی حالت کا ہے، جو اختیاری چیز ہے، نہ کہ خواب کی حالت کا، جو غیر اختیاری چیز ہے، حضرت شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ کی تو تحقیق یہ ہے کہ اچھے لوگوں کو اکثر بُرے خواب نظر آتے ہیں، کیونکہ اُن کو اپنے عیوب ہر وقت دھیان میں رہتے ہیں اور فرد، خواب میں اکثر وہی باتیں دیکھتا ہے، جو اُسکے دل میں اکثر موجود ہوتی ہوں۔ غرض، خواب کسی حالت کی علامت نہیں، بلکہ وہ فرد کی ایک قسم کی بیداری کی حالت کی علامت ہے اور علامت کبھی صحیح ہوتی ہے، کبھی غلط، اسلئے جس چیز کی وہ علامت ہے اُس کی حقیقت دیکھنی چاہئے۔ (صفحہ ۲۲۴۔۲۲۵ جلد نہم)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
تلخیص و تسہیل: محمد موسیٰ بھٹو

آخری قسط

مکاشفات ۔ تصرفات اور خیالی قوت کے کرشمے

دورِ جدید کے مظاہر بزرگی پر مصلحانہ تنقیدی نظر

(ماخوذ: الافاضاۃ الیومیہ)

فرمایا، جس چیز کو شریعت نے حجت نہیں بنایا، اُس کو اتنی اہمیت دینا جائز کہاں ہے۔ بزرگوں نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ خواب ہی میں نہیں، بلکہ بیداری کی حالت میں بھی اگر غیب سے یہ کہا جائے کہ تو جنتی ہے اور تیری عاقبت بہتر ہے، چاہے کوئی نیک عمل کرو یا نہ کرو تو ضرور جنت میں جائیگا تو اسے اس پر ہرگز توجہ نہیں دینی چاہئے، عمل میں رائے برابر بھی کمی نہ کرنی چاہئے اور اگر غیب سے یہ ندا آئے کہ تو دوزخی ہے، چاہے جتنی عبادت کرو تو دوزخ ہی میں جائے گا تو اسے مایوس ہرگز نہ ہونا چاہئے، اور بدستور عبادت میں مشغول رہنا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور چیز بھی سوائے وحی کے حجت ہوتی تو پیغمبرﷺ نے اُس کو ظاہر کیوں نہیں فرمایا، حضرت حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ اگرچہ بظاہر رند مشرب ہیں اور رند مشہور ہیں گو یہ غلط ہے لیکن وہ بھی فرماتے ہیں۔

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست هشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

پیام سروش کیا ہے، وحی ہی تو ہے۔ وحی کو فرشتہ ہی تو لایا تھا۔ بس حجت صرف وحی ہی ہے، غیر صاحب وحی کا فرشتوں کو دیکھنا بھی حجت نہیں اور اگر فرشتے بھی نہ ہوں تو کچھ پوچھنا ہی نہیں، چنانچہ راہ سلوک میں شیطان ایسے ایسے وسوسے ڈالتا ہے کہ خدا کی پناہ (حضرت شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ بعض اوقات شیطان، بعض سالکوں کی خیالی قوت میں تصرف کرتا ہے اور ایک آسمان بنا کر اُن کی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے، پھر اسی تصرف کے اثر سے ان کو اس میں نورانی شکلیں چلتے پھرتے نظر آتی ہیں اور شیطان دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ یہ ملائکہ ہیں۔ پھر وہ کچھ تعلیم کرتے ہوئے بھی

سنائی دیتے ہیں اور وہ تعلیم خلاف شریعت ہوتی ہے۔ اسلئے طالب اگر ایسا واقعہ بھی دیکھے تو اس طرف توجہ نہ کرنا چاہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انوار تجلیات وغیرہ جو کچھ بھی نظر آئیں، سب کو لا کے تحت لاکر ان سب کی نفی کرنی چاہئے، یہی عبدیت ہے۔)

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُن کے ایک مرید جب ذکر شغل کرتے تو اسے انوار نظر آتے، اُن کے شیخ کو اس بات کا پورا اطمینان نہ ہوا کہ یہ انوار رحمانی ہیں یا شیطانی۔ بعض اوقات شیخ کو بھی استدلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ اُنہیں بھی صحیح طور پر یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ انوار کیسے ہیں، چنانچہ اُنہوں نے اس کا ایک امتحان لیا۔ مرید سے کہا کہ تم کسی اصطبل میں سے بلااجازت ایک تنکا اُٹھا لاؤ، تاکہ گناہ نہ ہو، کیونکہ ایک تنکے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، اسلئے اُس کا اُٹھا لانا بوجہ گناہ تو نہیں، جیسا کہ فقہاء نے بالتصریح لکھا ہے، لیکن خلاف اولیٰ ہے۔ چنانچہ وہ مرید تنکا اُٹھا لائے۔ اُس کے بعد وہ نور نظر نہیں آیا۔ شیخ نے یہ حال سُن کر فرمایا کہ جاؤ، اب تنکا ڈال آؤ، معلوم ہوگیا کہ الحمدللہ وہ نور رحمانی ہے، کیونکہ جو چیز شریعت میں پسند نہ تھی، اُس کے کرنے سے وہ غائب ہوگیا، اگر وہ نور، شیطانی ہوتا تو اس فعل کے ارتکاب سے اُس میں اور ترقی ہوتی۔ پھر فرمایا کہ اب بعض اہل سلوک فخر کرتے ہیں کہ ہم زنا بھی کر لیتے ہیں، تب بھی ہماری نسبت سلب نہیں ہوتی، یہی دلیل ہے اس کی کہ وہ شیطانی نسبت ہے، ورنہ رحمانی ہوتی تو بھلا گناہ کے ارتکاب کے بعد وہ باقی رہ سکتی تھی، اُس کی تو وہ حالت ہے جیسے پان کی کہ ذرا ہوا لگی اور خراب ہوا۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر ز باغ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل کے باغ سے اگر ایک تنکہ بھی کم ہوجاتا ہے تو اس کے دل پر ہزاروں غم چھا جاتے ہیں)۔

رحمانی نسبت میں تو ادنیٰ ادنیٰ بات سے تغیر آجاتا ہے اور جب گناہ سے بھی حالت میں تغیر نہ ہو تو وہ دراصل شیطانی نسبت ہے۔ نسبت روحانی تو ایسی ہوتی ہے، جیسے چھوئی موئی جس کو شرمندہ کہتے ہیں کہ اُس کو ذرا ہاتھ لگا نہیں کہ وہ مرجھائی نہیں اور ایک شمشاد ہے کہ اُس کو جتنا چاہے چھوئیے، بلکہ ہتھوڑے بجائیے، اُس پر کوئی اثر نہیں، پھر فرمایا کہ یہاں صحیح تعلیم کی ضرورت ہے، جو آج کل بالکل گم ہوگئی ہے، اسلئے ان

پیش کردہ حقائق کو تو یوں سمجھتے ہیں کہ یہ ملاپن ہے، فلسفیت ہے، تصوف نہیں۔ آج کل تصوف کو شریعت کے مقابلہ میں ایک مستقل فن بنا رکھا ہے۔ (صفحہ ۲۲۶ سے ۲۲۸ جلد نہم)

خوابوں اور کرامتوں کی حیثیت

فرمایا، بزرگوں کا ارشاد ہے اور حدیث "لاتحدث الا حبیبا او لبیبا" اور حدیث علی رجل طائر سے ماخوذ ہے کہ فرد اگر اپنا خواب بیان کرے تو کسی خیر خواہ اور عاقل سے بیان کرے، تاکہ وہ اس کی تعبیر اچھی دے، کیونکہ اکثر تعبیر اسی کے مطابق واقع ہو جاتی ہے، جو پہلی بار تعبیر دیدی جائے۔ چنانچہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ میری ایک ٹانگ تو مشرق میں ہے اور دوسری مغرب میں، اس نے کسی احمق سے یہ خواب بیان کیا تو اس نے یہ تعبیر دی کہ تیری ٹانگیں چیری جائیں گی۔ اس پر وہ بہت گھبرایا اور ایک ماہر معبر کے پاس جاکر تعبیر پوچھی۔ اس نے پوچھا تم نے کسی اور سے تو یہ خواب بیان نہیں کیا، اس نے جو واقعہ تھا کہہ دیا، اس پر اس نے افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ اب تو یونہی ہوگا، لیکن اگر تم میرے پاس پہلے آتے تو اس کی جو ایک دوسری تعبیر ہو سکتی ہے وہ میں دیتا اور پھر اسی کے مطابق تعبیر واقع ہوتی۔ میں یہ تعبیر دیتا کہ تمہارا تسلط مشرق میں بھی ہوگا اور مغرب میں بھی۔ تو لیجئے، خواب ایسی ضعیف اور معلق چیز ہے اور خواب تو خواب ہے، اس سے بھی بڑی چیزیں، جن کو کشف وکرامت اور الہام کہتے ہیں، اکابر نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ بھی کوئی زیادہ مہتم بالشان چیزیں نہیں، حتیٰ کہ کرامت، جس کو بڑی چیز سمجھا جاتا ہے، اس کے بارے میں بعض صاف گو بزرگوں کا فیصلہ ہے کہ "الکرامات حیض الرجال" یعنی جیسے عورت حیض سے شرماتی ہے اور اس کے چھپانے کی کوشش کرتی ہے، اسی طرح اہل اللہ، اپنی کرامتوں کے اظہار سے شرماتے ہیں اور اس کو چھپاتے ہیں۔ بہت سے اہل کرامت بزرگوں نے تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کسی کرامت کا صدور نہ ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کرامتوں کے مطابق آخرت کے اپنے درجات میں کمی محسوس کی، کیونکہ کرامت صادر نہ ہونے والوں کو آخرت میں کرامت کا حصہ بھی عطا ہوگا اور اہل کرامت کو کرامت کا حصہ یہیں مل گیا، یہ ہے اس کا راز۔ البتہ معذور حضرات اس سے مستثنیٰ ہیں۔

جب کشف، الہام اور کرامت کی یہ حالت ہے تو خواب کی تو بات ہی کیا ہے، مگر آج کل لوگ اسی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ میری تو واقعی یہی تحقیق ہے، بلکہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے کو بدتر سے بدتر حالت میں بھی دیکھے، لیکن آنکھ کھلنے کے بعد اس نے وضو کیا، نماز پڑھی تو اسے خواب کا کچھ بھی نقصان نہیں اور اگر خواب میں اپنے آپ کو اچھی سی اچھی حالت میں دیکھے، لیکن جب اُٹھا تو دیکھا کہ گناہوں میں مبتلا ہے اور عقائد تک میں شبہات ہیں تو اس خواب سے اسے کچھ بھی فائدہ نہیں۔ بس اصل چیز بیداری کی حالت ہے، کیونکہ وہ اختیاری چیز ہے اور خواب، غیر اختیاری چیز ہے، جس پر نہ کچھ عذاب، نہ ثواب۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم   چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

میں نہ رات ہوں اور نہ رات کا پرستار ہوں کہ خواب کی بات کروں۔

مگر آج کل خواب کو وحی سمجھتے ہیں، بلکہ اسے وحی سے بھی بڑھا رکھا ہے اور جو خواب سے آگے بڑھے، وہ کیفیات پر آگئے اور وہ کیفیات ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور جو اصل چیز ہے یعنی عمل، جس کے لیے وحی نازل ہوئی۔ اور انبیاء کرام مبعوث ہوئے، اس کی وقعت ہی جاتی رہی۔ اس کی ایسی مثال ہے، جیسے کوئی ہرا بھرا باغ ہو، جس میں قسم قسم کے پھل بھی ہیں، پھول بھی ہیں، اس میں کوئی شخص اپنی طرف سے گھر بنالے اور پھل پھول سب کو چھوڑ کر، گھاس کھودنے میں لگ جائے اور سر پر گھاس کا گٹھا لاد کر لے آئے تو جن چیزوں کے پیچھے لوگ پڑے ہیں، ان کی عمل کے ساتھ ایسی نسبت ہے، جیسے گھاس کی نسبت پھل پھول کے مقابلہ میں اور میں ان چیزوں کی نفی نہیں کرتا۔ راہ سلوک میں یہ چیزیں بھی ہیں، لیکن اپنے درجہ میں، لیکن لوگوں نے اس وقت افراط وتفریط کر رکھا ہے۔ چنانچہ پیری مریدی کو بعض لوگوں نے گویا شریعت کے مقابلہ میں ایک مشن بنا لیا ہے اور بعض ایسے سوکھے ہیں کہ وہ تصوف کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے۔ غرض کہ دونوں طرف جہل ہے، ایک طرف زیادہ دوسری طرف کم۔ استفسار پر فرمایا کہ بدعتی زیادہ جہالت میں ہیں، بہ نسبت وہابیوں کے، کیونکہ وہابیوں کے یہاں خیر، عمل تو ہے، جو اصل چیز ہے، اگرچہ ان کے ہاں دوسری چیزوں کی کمی ہے اور بدعتیوں میں تو روٹی ہی ندارد ہے، صرف نمک ہی نمک ہے، بس

پھانکے جاؤ، وہاں روٹی تو کھارہا ہے، اگرچہ روکھی پھیکی ہے، نمک بالکل نہیں، لیکن خیر، غذا تو پیٹ میں پہنچ رہی ہے، اگرچہ مزہ کچھ نہیں۔ بہرحال ضرورت کا درجہ تو پورا ہورہا ہے اور یہاں تو نرا نمک ہی نمک ہے، جس سے ایسے دست لگیں گے کہ قوت بڑھنا تو درکنار، رہی سہی قوت بھی نکل جائے گی۔ (صفحہ ۱۱۷، جلد دہم)

حالات اور علوم کا فیض توجہ کا نتیجہ ہونا

فرمایا، ایک چاٹگامی مولوی صاحب تھے، جن کی اصلاح کا مجھ سے تعلق تھا اور وہ ذاکر شاغل تھے، ان کو ابتداء ہی میں حالات رفیعہ پیش آنا شروع ہوگئے۔ انہوں نے ان حالات کا دوسروں سے ذکر کرنا شروع کر دیا تو چونکہ مبتدی کو ایسے حالات کا ذکر اپنے مربی کے سوا دوسروں سے کرنا مضر ہوتا ہے، کیونکہ اس کا انجام دعویٰ ہوتا ہے، اس لیے میں ان سے ناراض ہوا اور کہا کہ دیکھ لینا، اب تمہارے یہ حالات باقی رہتے ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ان سے اسی وقت سب حالات سلب ہوگئے۔ بات یہ ہے کہ بعض حالات وعلوم واسطہ سے حاصل ہوتے ہیں، جب کہ یہ شخص ان کو بلا واسطہ اپنا کمال سمجھتا ہے، نتیجۃً وہ اس کے وبال میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس پر ایک واعظ صاحب کا قصہ بیان کیا کہ وہ وعظ کہہ رہے تھے۔ ایک بزرگ اس مجلس میں ان کا وعظ سن رہے تھے اور وہ بزرگ، ان واعظ صاحب کی طرف متوجہ تھے۔ ان کی توجہ کے نتیجہ میں ان سے اس وقت، وعظ میں بہت عمدہ عمدہ مضامین بیان میں آرہے تھے کہ واعظ صاحب کو خیال ہوا کہ آج تو میں کیسے عالی مضامین بیان کررہا ہوں، واعظ کو یہ خیال آتے ہی وہ بزرگ دوسری طرف متوجہ ہوگئے۔ ان بزرگ کی توجہ کا ہٹنا تھا کہ ان مضامین عالیہ کی آمد بالکل بند ہوگئی، کافی کوشش کی عمدہ مضمون ذہن میں آئے، مگر نہ آیا۔ بات یہ تھی کہ وہ ان بزرگ کی توجہ کی برکت تھی، جب توجہ ہٹالی تو آمد بند ہوگئی۔

اسی وجہ سے محققین نے لکھا ہے کہ طالب کو جو احوال پیش آئیں، ان کو اپنے مربی کی برکت سمجھے، اپنا کمال نہ سمجھے اور اس کو تو اس زعم کی کیا گنجائش ہے، خود شیخ اور مربی کو بھی اپنے علوم وکمالات کا دعویٰ جائز نہیں، بلکہ اس کو بھی چاہیے کہ اس کے قلب میں جو علوم ومعارف القا ہوں، ان کا سبب طالبین کو سمجھے، چونکہ طالبین کی تربیت کا

کام اس کے سپرد ہے، اس لیے ان کو نفع پہنچانے کے لیے اس کے قلب میں ان علوم کا القاء ہورہا ہے، حتیٰ کہ اگر یہ مربی، تربیت ترک کردے تو پھر وہ فیضان، جو اس کے قلب پر ہورہا ہے، بند ہوجائے گا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے ایک بچہ ہے، وہ ماں کے دودھ سے پرورش پارہا ہے، اگر اس کو ماں کا دودھ نہ ملے تو اس کی زندگی مشکل ہے، اس لیے تو اس کے ذمہ ہے کہ ماں کا احسان مانے، مگر ساتھ ہی اس کی ماں کا جو دودھ ہے، وہ بھی بچے کی ضرورت کا نتیجہ ہے، اگر وہ بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر اس کا دودھ خشک ہوجائے۔ اس لیے بچہ کو چاہیے کہ وہ اپنی حیات کو ماں کی برکت سمجھے اور ماں کو چاہیے کہ وہ اپنے دودھ کو اس بچہ کا سبب سمجھے۔ (صفحہ ۲۷۴ جلد دہم)

کشف اور وکرامت کے درمیاں فرق کی نوعیت

ایک مشہور مدرسہ کے فاضل نے عرض کیا کہ کشف وفراست میں کیا فرق ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ کشف سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ استدلالی نہیں ہوتا، بلکہ صریحی ہوتا ہے، جس سے قناعت ہوجاتی ہے، بخلاف فراست کے کہ اس میں ایک درجہ استدلال کا بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں غالب علم ضروری ہوتا ہے، غرض فراست سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ مرکب ہوتا ہے علم ضروری اور علم استدلالی سے، جس کا زیادہ حصہ علم ضروری ہوتا ہے اور مغلوب حصہ علم استدلالی، اس کے بعد فراست اور کشف کے فرق پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ میرے ایک پیر بھائی تھے محمد خان، وہ گھوڑے لے کر افغانستان کے امیر عبدالرحمان خان صاحب کے پاس گئے تھے اور ان ہی کے مہمان تھے، انہوں نے اپنے وہاں کے قیام کے زمانہ کا ایک قصہ بیان کیا کہ میں نے ایک شب خلوت میں بیٹھ کر ملک افغانستان کی ترقی کی کچھ صورتیں سوچ کر، ایک کاغذ پر تحریر کیں اور صبح دربار میں حاضر ہوئے کہ جب موقعہ دیکھوں گا تو ان کو امیر صاحب کے سامنے پیش کروں گا۔ چنانچہ کئی بار اس کاغذ کو انہوں نے جیب سے نکالنا چاہا کہ پیش کروں، مگر جب یہ ارادہ کرتے، تب امیر صاحب کسی دوسرے کام میں مشغول ہوجاتے، مگر امیر صاحب نے دربار ہی میں خود کہا کہ بعض لوگوں نے ہمارے ملک کی ترقی اور بہبودی کے لیے کچھ صورتیں تجویز کی ہیں، ان میں سے ایک

صورت یہ ہے اور اس کا یہ جواب ہے دوسری صورت یہ ہے اس کا یہ جواب ہے، اسی طرح ایک ایک کر کے ساری تجاویز بیان کردی، جو میرے پاس لکھی ہوئی تھیں، مجھے بڑی حیرت تھی کہ امیر صاحب کو ان تجاویز کا کیسے علم ہوگیا۔ آخر کار میں نے دربار کے خاتمہ کے بعد عرض کیا کہ حضور، کیا آپ کو کشف ہوتا ہے اور اپنی تحریر کا سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ کشف تو بزرگوں کو ہوتا ہے، میں تو ایک گنہگار آدمی ہوں، مگر میں نے عقل سے معلوم کیا کہ آپ میرے سامنے بعض مشورے میرے ملک کے متعلق پیش کرنا چاہتے ہیں اور وہ مشورے یہ ہوں گے، میں نے عرض کیا کہ عقل سے ایسے مخفی امور کیسے معلوم ہو سکتے ہیں، جواب دیا کہ عقل کی رسائی بھی وہاں تک ہی ہوتی ہے جہاں تک کشف کی، مگر اتنا فرق ہے کہ کشف کی مثال ٹیلی فون کی سی ہے کہ وہاں صریح الفاظ سنائی دیتے ہیں اور عقل کی مثال ٹیلی گراف کی سی ہے کہ اس میں کچھ تامل کرنا پڑتا ہے، پھر انہیں سائل فاضل نے عرض کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله" اس میں مؤمن کی قید کیوں لگائی گئی، جبکہ دوسرے عقلاء کو بھی فراست سے ادراک ہو سکتا ہے، ارشاد فرمایا کہ چونکہ مومن کی فراست کو اس کے نور ایمانی سے تقویت ہوتی ہے، اس لیے مومن کی فراست بہ نسبت غیرمومن کے قوی اور صحیح ہوتی ہے، اس وجہ سے مومن کی قید لگائی گئی اور اس کی دلیل کہ مومن کی فراست کو اس کے نور ایمان سے تقویت ہوتی ہے، اس آیت کا عموم ہے "من یومن بالله یهد قلبه" پھر اس کے بعد حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ ایک تقریر فراست اور کشف کے اندر فرق کے متعلق ذہن میں اور آئی ہے، جو پہلے سے زیادہ جامع ہے، وہ یہ کہ فراست کی ابتداء، تو علم ضروری سے ہوتی ہے، اس کے بعد اس امر کے معلوم کرنے کے لیے کہ جو کچھ ہم سمجھے ہیں، صحیح ہے یا نہیں، کچھ تامل کرنا پڑتا ہے۔ گو وہ تامل استدلال کے درجہ تک نہیں ہوتا، مگر استدلال کے مشابہ ضرور ہوتا ہے اور کشف میں تامل کی بھی حاجت نہیں ہوتی خود بخود بداهة اس کی صحت اور عدم صحت کا علم حاصل ہوجاتا ہے۔ (صفحہ ۲۹۷ جلد دہم)

خواب کے نبوت کے چالیسویں حصہ ہونے کی تشریح

حضرت دام ظلہم العالی کمزوری کی وجہ سے گاؤ تکیہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے کہ نیند آ گئی، تھوڑی ہی دیر میں آنکھ کھل گئی اور ارشاد فرمایا کہ ذرا آنکھ لگ گئی تھی، ایک خواب دیکھ لیا، پھر فرمایا کہ خواب ایک کمزور چیز ہے، مگر لوگوں نے آج کل خواب کو اس درجہ اہم سمجھ رکھا ہے کہ گویا خواب کوئی شرعی حجتہ ہے، اس پر ایک صاحب نے جو لکھنؤ کے معززین میں سے تھے، عرض کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب اہم چیز ہے، فرمایا کہ آپ نے یہ بھی غور کیا کہ اس حدیث میں خواب سے مراد ہر ایک کا خواب ہے یا صالحین کا، کیونکہ اگر ہر ایک کے خواب کو جزء نبوت کہا جائے گا تو اس طرح تو شجاعت وسخاوت وغیرہ بھی نبوت کے جزء ہوں گے تو کیا ان اوصاف کے حامل کفار کو بھی اجزاء نبوت کے ساتھ متصف کہا جائے گا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں دلائل سے خواب کے جزء نبوت کہنے کے لیے ایک اور قید بھی ہے وہ یہ کہ اس خواب کا معبر نبی ہو اور وہ اس کو جز ونبوت سمجھے، کیونکہ غیر نبی کی تعبیر میں خواہ وہ کتنا ہی معبر کیوں نہ ہو خطا کا احتمال موجود ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کی بھی خواب کی بعض تعبیریں صحیح نہیں ہوئیں اور تعبیر کی صحت کے یقین نہ ہونے کی صورت میں خواب کی سچائی یقینی نہیں اور جس کا صدق یقینی نہ ہو تو ایسا خواب جزء نبوت نہیں ہو سکتا۔

اب میں ایک دوسری بڑی غلط فہمی کو، جو خواب کے متعلق ہو رہی ہے، بیان کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ خواب کو لوگ واقعات میں مؤثر سمجھتے ہیں، حالانکہ خواب مؤثر نہیں، بلکہ وہ اثر ہوتا ہے واقعہ کا، جب کہ اس واقعہ میں مؤثر اعمال ہوتے ہیں۔ پس قابل توجہ اور اہم چیز اعمال ہوئے، نہ کہ خواب، مگر چونکہ لوگ خواب کو مؤثر سمجھتے ہیں، اس لئے بجائے اس کے کہ اعمال کو درست کریں، گھبرا کر خواب کی تعبیر کے درپے ہوجاتے ہیں۔ اب رہا یہ شبہ کہ بعض مرتبہ خواب پہلے نظر آجاتا ہے اور وہ واقعہ جس کا تعلق اس خواب سے ہے، بعد میں واقع ہوتا ہے تو اگر خواب کو واقعہ کا اثر کہیں تو لازم آتا ہے کہ وجود میں اثر مقدم ہوگیا اور مؤثر متاخر تو جواب یہ ہے کہ ظاہر میں ایسا وہم

ہوتا ہے، ورنہ اثر کا انکشاف مقدم ہوگیا، باقی اثر کا وقوع مؤخر ہی ہوگا۔ چنانچہ شریعت میں اس کی نظیر صوم عرفہ سے مثل سال گذشتہ کے ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف ہوجانا ہے کہ معافی جو گناہ سے مؤخر ہوتی ہے، گناہ سے ایک سال قبل ہوگئی، یہاں معافی کا واقع ہونا مؤخر ہوگا، مگر اس کا انکشاف یعنی خبر پہلے دیدی گئی۔

(احقر ناقل ملفوظ عرض کرتا ہے کہ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد حضرت دام ظلہم العالی کی پھر آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر بعد بیدار ہوکر ارشاد فرمایا) کہ ابھی میں نے پھر ایک خواب دیکھا ہے، خواب کے غیر مہتم بالشان ہونے پر جو اشکال ہوا تھا، اس خواب کے اندر اس کا ایک دوسرا جواب بلا سوچے قلب پر وارد ہوگیا، وہ یہ ہے کہ جو خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے، اس کا حقیقی مصداق صرف وہ خواب ہے، جس کو خود نبی ﷺ دیکھیں اور اس کی ایک قوی تائید ہے، جس کو علماء نے اس حصہ کی تعیین میں بیان کیا ہے، جس سے اس حدیث کی تفسیر ایک دوسری حدیث یہ ہے کہ کہ حضور ﷺ نبوت سے چھ ماہ پہلے سے سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے اور زمانہ نبوت کا کل تیئس سال تھا اور تیئس دونی چھیالیس تو تیئس سال میں چھیالیس ششماہیاں ہوئیں۔ تو ایک ششماہی کا زمانہ نبوت کے کل زمانہ کو چھیالیسویں حصہ کے برابر ہوا اور دوسرے خوابوں میں یہ حساب واقع نہیں، اس لیے ہر خواب کو اس کا مصداق نہیں کہا جا سکتا۔

مزید ارشاد فرمایا کہ اگر یوں کہا جائے کہ جس حدیث میں ہے کہ خواب، نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے، اس کا تو جواب ہوگیا، لیکن دوسری حدیثیں تو خواب کے فضائل میں وارد ہیں، ان کا کیا جواب ہوگا۔ مثلاً یہ فرمایا ہے: "لم یبق من النبوۃ الا المبشرات" اور مثلاً یہ فرمایا ہے کہ "الرؤیا الصالحۃ من اللہ اور رؤیا المؤمن جزء من ستۃ واربعین جزء من النبوۃ" اس میں رویا نبی کی تخصیص نہیں، سو ان کا جواب یہ ہے کہ فضائل کا انکار نہیں، جب کہ خواب کے حجت ہونے اور اس کے رتبہ سے بڑھانے کا انکار ہے تو ان حدیثوں میں اس کا اثبات نہیں اور فضائل واردہ کا راز یہ ہے کہ رویائے صالحہ نبی کے خواب کے مشابہ ہوتا ہے، اس لیے اس میں فضیلت آگئی اور اس تشبیہ پر حدیث "رؤیا المؤمن جزء الخ" کو محمول کیا جا سکتا ہے جیسے،

زید اسد۔ (صفحہ ۳۰۵ - ۳۰۶ جلد دہم)

کشف والہام کے موقعہ پر طالب کے لئے صحیح راہ عمل

ایک صاحب، جو جوان صالح اور مدرسہ عربیہ دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں اور آجکل ایک مقام پر تدریس علم دین میں مشغول ہیں، حضرت والا نے اُن کی طالب علمی کے زمانہ کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ جب وہ صاحب، طالبعلمی میں مشغول تھے تو ایک مرتبہ اُن کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کو کشف ہونے لگا تھا، الہام ہونے لگا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اُن کے گھر والے دو فریق ہوگئے، بعض اُن کے معتقد ہوگئے اور بعض مخالف، حتی کہ ایک بار اُن کو الہام ہوا اور ایک آواز آنا شروع ہوئی کہ تمہیں اہل خدمت بنایا جائے، اب وہ حیران ہوئے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور میں اس کا کیا جواب دوں، منظور کروں یا نہیں، چنانچہ وہ دیوبند سے میرے پاس آئے اور اُنہوں نے مجھ سے اپنا سارا واقعہ بیان کیا اور دریافت کیا کہ مجھے اس موقعہ پر کیا کرنا چاہئے، اگر جناب کے نزدیک یہ کام میرے لئے مناسب نہ ہو تو ارشاد فرمایا جائے۔

میری رائے شروع سے یہی تھی کہ یہ اس خدمت سے باز رہیں، کیونکہ ان کے لئے اس خدمت کا قبول کر لینا خطرناک تھا اور ان سے دریافت کرنے کی یہ صورت ہے، اور ان کے لئے یہ ابتلا ہے، مگر مجھے شروع میں ہمت نہ ہوئی کہ میں اسے رائے دوں، بلکہ ڈر معلوم ہوا اور خیال گذرا کہ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ میں انہیں ولایت سے روکتا ہوں، مگر جب میں نے شرعی اصول پر نظر کی اور حضرت لقمان علیہ السلام کا وہ قصہ دیکھا، جو سیر کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے تو پھر میں نے جرأت کی، وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو بذریعۂ الہام دو چیزیں پیش کی گئی تھیں۔ ایک نبوت دوسرے حکمت اور سابقہ امتوں میں وحی نہ ہونے کی صورت میں الہام حجت تھا اور ارشاد ہوا تھا کہ ان دونوں میں سے تم جو چاہو، اپنے لئے منظور کرلو، چونکہ نبوت کے ذمہ داری بڑی تھی، جس کا اٹھانا حضرت لقمان نے اپنی قدرت سے باہر دیکھا تو انہیں اسے قبول کرنے میں خطرہ محسوس ہوا، چنانچہ انہوں نے نبوت کو منظور نہیں کیا، بلکہ حکمت

کو منظور فرمایا، چنانچہ ان کو حکمت کامل طور پر عطا فرما دی گئی۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو تو خطرہ تھا، اس وجہ سے اُنہوں نے نبوت سے انکار کر دیا اور یہاں اہل خدمت بننے میں کیا خطرہ تھا، جو عذر کیا گیا تو وہ خطرہ یہ تھا کہ اگر یہ اس خدمت کو منظور کر لیتے تو اس بات کا احتمال زیادہ تھا کہ ان کو جنون ہوجاتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان حضرات کے بعض ملائکہ کی طرح تکوینی امور سپرد ہوتے ہیں اور اس تکوینی خدمت کے سلسلہ میں سے اکثر حضرات کو بعض اوقات ایسے کام سرانجام دینے ہوتے ہیں جن کی اجازت شرعا ایک صحیح العقل اور مکلف انسان کو نہیں ہوسکتی، اسلئے ان صاحب خدمت لوگوں پر ایسی باطنی حالت کو غالب کر دیا جاتا ہے کہ انکے طبعی قویٰ برداشت نہیں کر سکتے اور اس کی وجہ سے اُن کی عقل مختل ہوجاتی ہے اور اس طرح ان کو غیر مکلف بنا دیا جاتا ہے، چنانچہ وہ ان معاملات کی انجام دہی کے سلسلہ میں معذور ہوجاتے ہیں۔ تو اگر یہ صاحب بھی اس خدمت کو منظور کر لیتے تو ان پر بھی ایسی ہی باطنی حالت کو غالب کر دیا جاتا، جس کی وجہ سے ان کی عقل مین فتور آجاتا، جس کے معنی یہ تھے کہ یہ پاگل اور مجنون ہوجاتے، اس میں دنیا کا نقصان تو ظاہر ہے جب کہ وہ دین کے کام سے اس طرح محروم رہتے کہ دین کی ترقی کا مدار اعمال پر ہے اور اعمال کا تعلق عقل کی سلامتی پر ہے، جب عقل صحیح نہ رہی اور فرد پاگل ہوگیا تو اُس کے اعمال بھی موقوف ہوگئے، جن پر دین کی ترقی کا مدار تھا تو اس طرح دینی ترقی کا دروازہ مسدود ہوگیا اور نہیں تو اُن کی موجودہ حالت میں اتنا تنزل تو ضرور ہوتا کہ یہ علم دین سے جس میں وہ فی الحال مشغول تھے، محروم ہوجاتے، کیونکہ اس کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے تحصیل علم کی فرصت کہاں ملتی اور علم دین کے مقابلہ میں یہ خدمت ایسی تھی جیسے وزارت کے مقابلہ میں خدمتگاری تو اس خدمت کی منظوری میں ان کی دین ودنیا دونوں کا خطرہ لاحق تھا۔

اگر یہ شبہ ہو کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو تو اس کی گنجایش تھی کہ وہ نبوت سے عذر کردیتے، اسلئے کہ ان کو اختیار دیا گیا تھا کہ نبوت وحکمت میں سے جس کو چاہیں منظور کریں، جسے چاہیں نامنظور کریں، مگر یہاں ان طالب علم کو عذر کا کیا موقعہ تھا۔ کیونکہ ان کو تو تکوینی خدمت کے قبول وعدم قبول کا اختیار نہیں دیا گیا تھا تو اس کا

جواب یہ ہے کہ یہی اس کی دلیل ہے کہ یہاں اختیار نہیں دیا گیا تھا، اس کی شرح یہ ہے کہ شرعی قوائد سے ثابت ہے کہ کشف والہام کوئی حجت نہیں، اسلئے اس کے خلاف عمل کرنا، ہر وقت جائز ہے تو یہاں تو کشف والہام کے خلاف عمل کرنے کا شروع ہی سے اختیار دیدیا گیا تھا، اسلئے ہر موقعہ پر اب اختیار کی جدید اجازت کی ضرورت نہ رہی تھی، بخلاف پہلی امتوں کے کہ ان کیلئے کشف والہام، جب کہ وہ وحی کے خلاف نہ ہو، حجت تھا، اسلئے وہاں اجازت کے موقعہ پر جدید اجازت کی ضرورت تھی، اسلئے حضرت لقمان سے تو اُس موقعہ پر کہہ دیا گیا کہ تمہیں ان دونوں میں سے ایک سے عذر کردینے کی اجازت ہے اور یہاں ان طالب علم کیلئے اجازت کلیہ سابقہ ہی کافی سمجھی گئی۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہاں ان طالب علم کو عذر کا زیادہ موقع تھا، بہ نسبت حضرت لقمان علیہ السلام کے، کیونکہ حضرت لقمان کو تو نبوت پیش کی گئی تھی کہ حکمت تو اس کے مقابلہ ہیچ ہے تو اس کے عطا نہ ہونے سے درجات میں جو کمی رہتی تو اس کی تلافی کوئی دوسری چیز کر ہی نہیں سکتی تھی۔ بخلاف تکوینی خدمت کے، جوان طالب علم کو دی جانے والی تھی کہ یہ تحصیل علم دین سے بدرجہا کم تھی کہ علم دین اور خدمت دین یہ اس کے مقابلہ میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی، سو جب حضرت لقمان علیہ السلام نے اس سے عذر کر دیا اور ان کا یہ عذر کر دینا جائز سمجھا گیا تو ان طالب علم کا اس تکوینی خدمت کے قبول کر لینے میں تو نقصان عظیم تھا تو ان طالب علم کو عذر کی اجازت کیوں نہ ہو، بلکہ اسے بدرجہ اولیٰ عذر کی اجازت تھی۔ اسلئے میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس خدمت کا منظور کرنا تمہارے لئے مضر ہے اور اس میں نہ صرف تمہاری دنیا کا نقصان ہے، بلکہ دینی حیثیت سے بھی تمہیں اس خدمت کا قبول کر لینا مناسب نہیں، لہٰذا تمہیں چاہئے کہ تم اس خدمت کو منظور نہ کرو۔

اگر اب کی بار پھر ایسا ہو تو تم نہایت ادب سے یہ عرض کرو کہ حضور، میں اس خدمت کے اہل نہیں، مجھے اس کا تحمل نہیں، لہٰذا مجھے معاف فرمایا جائے، چنانچہ اُنہوں نے اس پر عمل کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اطمینان سے تحصیل علم دین میں مشغول رہے اور آج بفضلہ تعالیٰ وہ عالم بھی ہیں، اور ہادی بھی ہیں، لہٰذا ہر صاحب القاء پر لازم ہے کہ اگر اُس کو خواب وکشف والہام میں کوئی ایسی بات القاء ہو، جو خلاف

شریعت ہو تو اس کی طرف تو توجہ ہی نہ کیا جائے اور اگر خلاف شریعت نہ ہو، مگر دینی قواعد سے اپنے لئے مناسب نہ ہو تو عذر کردینا چاہئے، مگر ادب کے ساتھ عذر کرے، بے ادبی کا لفظ زبان سے نہ نکالے، مثلاً عرض کردے کہ حضور، میں اپنے آپ کو اس خدمت کے قابل نہیں پاتا، اُس وارد پر عمل کرے جس کو شریعت جائز وراجح کرے، کیونکہ اصل چیز شریعت ہی ہے اور شریعت کی تعلیم میں کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ شریعت وہ چیز ہے جو جناب رسول مقبول ﷺ کی معرفت ہم تک پہونچی ہے اور آپ کی شان وہ ہے کہ آپ کے متعلق ارشاد ہے وما ارسلناک الا رحمة للعلمین پس جو چیز آپ ہمارے لئے لائے ہیں، وہ بھی سراسر رحمت ہی ہوگی، باقی دوسرے علوم، جو بلا حضور کے واسطہ کے علاوہ ہم تک پھونچیں، خواہ وہ کشف کے ذریعہ پھونچیں یا الہام اور خواب کے ذریعہ، ان میں سے کوئی علم خطرہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ امتی کو جو علم نبی ﷺ کے واسطہ سے پہنچا ہے، وہی اُس کیلئے معتبر ہے اور وہی اُس کیلئے خیر ہے اور جو علم نبی کے واسطہ کے علاوہ پھونچے، خواہ وہ کشف ہو یا الہام، وہ معتبر نہیں اور نہ وہ خطرہ سے خالی ہے، بلکہ اُس میں دو خطرے پوشیدہ ہیں ایک خطرہ تو یہ ہے کہ اُس شخص کو کبھی اس سے عجب پیدا ہوجاتا ہے یعنی ایسا شخص اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے، دوسرا یہ اندیشہ ہے کہ اس علم کی وجہ سے کہیں وہ اپنے نبی یا اپنے شیخ سے اپنے آپ کو بے پرواہ نہ سمجھنے لگے اور اگر یہ دونوں خطرے نہ بھی ہوں تو بھی وحی کے علاوہ حاصل ہونے والا علم معتبر نہیں، کیونکہ ان علوم میں دونوں احتمال موجود ہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ شیطانی تصرف ہو۔

چنانچہ شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ بعض مرتبہ سالک کو شیطان اس طرح دھوکہ دیتا ہے کہ اپنی خیالی قوت سے اُس شخص کو ایک آسمان دکھاتا ہے اور اُس آسمان میں اُس کو نورانی صورتیں دکھائی دینے لگتی ہیں اور اُن کی زبان سے وہ بعض باتیں خلاف شریعت سنتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر سچ مچ عالم ملکوت منکشف ہورہا ہے اور نظر آنے والی یہ صورتیں، ملائکہ ہیں اور ان کی زبان سے جو کچھ نکل رہا ہے، یہ الہام ہے حالانکہ یہ چیزیں خلاف شرع ہوتی ہیں، پس اگر سالک نے وحی کو جو کہ علم بواسطہ ہے اصل قرار

دیگر احکام شریعت کے خلاف عمل نہ کیا تو وہ خطرہ سے محفوظ رہتا ہے اور اگر وہ ان علوم کو معتبر سمجھتا ہے تو وہ اُن خلاف شرع چیزوں پر عمل کرنے لگتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بارگاہ حق سے مردود ہوجاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شیطان جب کسی کو دیکھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا طالب ہے اور اُس کے راستہ پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ ہاتھ دھوکر اُس کے پیچھے پڑجاتا ہے اور اسے قدم قدم پر بہکانے کی کوشش کرتا ہے، پس اگر ایسے موقع پر تم شیطان کے شر سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ تم اپنے کان کو شریعت کی طرف لگائے رکھو شریعت جو حکم دے، اُس پر عمل کرو تو تم منزل مقصود تک پہونچ جاؤگے، ورنہ گمراہ ہوجاؤگے۔ (صفحہ ۵۶ سے ۵۹ جلد نہم)

فرمایا، ایک اور اہل علم تھے، اُن کا یہ قصہ ہے کہ اُن کو یہ خیال ہوگیا تھا کہ میں صاحب خدمت ہوں، چنانچہ انہوں نے مجھے خط بھیجا اور اس میں اپنی حالت کی اطلاع دی کہ میرا یہ خیال ہے کہ میں صاحب خدمت ہوں اور اس خط میں اُنہوں نے اپنے صاحب خدمت ہونے کے کچھ دلائل بھی لکھے تھے، میں نے ان کو جواب دیا کہ تم نے جو اپنے صاحب خدمت ہونے کے دلائل لکھے ہیں، جن دلائل کی بنا پر تم اپنے آپ کو صاحب خدمت سمجھ رہے ہو تو یہی دلائل اس بات کی علامت ہیں کہ تم صاحب خدمت نہیں ہو، اسلئے کہ صاحب خدمت کو اپنے صاحب خدمت ہونے کا علم ضروری یعنی بلا استدلال ہوا کرتا ہے اور تمہیں اپنے صاحب خدمت ہونے کا اب تک جو علم حاصل ہوا ہے، وہ علم ضروری نہیں، بلکہ علم استدلالی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ تم صاحب خدمت نہیں۔ (صفحہ ۶۰)

حضرت لقمان علیہ السلام کی نبوت وحکمت کے بارے میں استفسار
اور اس حوالے سے گفتگو

فرمایا، اصل چیز شریعت ہے، لوگوں نے جب سے شریعت پر دوسری چیزوں کو ترجیح دینا شروع کیا ہے، اُسی وقت سے دین میں کمزوری پیدا ہونا شروع ہوگئی ہے اور پختگی باقی نہیں رہی۔ اسکے بعد ناقل ملفوظ نے عرض کیا کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو جو

نبوت پیش کی گئی تھی تو وہ ان کی کوشش اور اختیار کے بغیر پیش کی گئی تھی تو ایسی صورت میں حضرت لقمان علیہ السلام نے عدم تحمل کے اندیشہ سے اُس کے قبول کرنے سے عذر کیوں کیا اور یہ خیال کیوں نہ کیا کہ جب بلااختیار یہ خدمت میرے سپرد ہورہی ہے تو اس میں غیب سے میری مدد بھی ہوگی اور مجھے اس کا تحمل بھی عطا فرمائیگا، لہٰذا مجھے چاہئے کہ میں اسے قبول کرلوں اور عذر نہ کروں تو ارشاد فرمایا کہ چونکہ حضرت لقمان علیہ السلام کو نبوت کے قبول وعدم قبول کا اختیار دیدیا گیا تھا تو اس اختیار کے بعد اگر حضرت لقمان علیہ السلام، نبوت کو قبول فرما لیتے تو اس صورت میں نبوت کا حصول ان کے ارادہ واختیار سے ہوتا، نہ کہ بلااختیار۔ دوسرے جب ان کو نبوت پیش ہوئی تو ایک تو اُنہوں نے اپنے اندر اس کا تحمل نہ دیکھا پھر ان کو قبول وعدم قبول کا اختیار بھی دیدیا گیا تھا، اسلئے وہ نبوت کا تحمل عطا نہ ہونے سے وجداناً یہی سمجھے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک میرے لئے یہی زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں اس خدمت سے عذر کردوں اور نبوت کے بجائے حکمت کو اپنے لئے اختیار کروں، چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور حق تعالیٰ کی مزید خوشنودی کی خاطر نبوت جیسی نعمت سے بھی عذر کردیا۔

اگر یہ شبہ ہو کہ جب غیب سے حضرت لقمان علیہ السلام کیلئے اس بات کی ترجیح تھی کہ وہ نبوت کو قبول نہ کریں اور انہوں نے نے نبوت کے عطا ہونے کے لئے درخواست بھی نہ کی تھی تو پھر ان پر نبوت پیش ہی کیوں ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس کے ذریعہ سے ان کے کے عجز وتواضع کا امتحان مقصود ہو۔ چنانچہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور جس طرح ان نوجوان طالب علم کو یہ حالات پیش آئے تھے اور اسوقت انہوں نے اپنی عقل پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنے مربی کی تعلیم کا اتباع کیا تھا اور خطرہ سے محفوظ رہے۔ اور اگر یہ اُس وقت خودرائی سے کام لیتے اور اپنی عقل وفہم پر اعتماد کرکے، اپنے مربی کی تعلیم کا اتباع نہ کرتے تو وہ اپنے دین ودنیا دونوں کا نقصان کرتے۔

اسی طرح ہر مبتدی کو جب کوئی ایسی حالت جدید پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ محض اپنی رائے سے اُس الہام کا اتباع نہ کرے، بلکہ اپنے مربی کو اس کی اطلاع دے، وہ جو کچھ اس کے لئے تجویز کرے، اُس پر عمل کرے۔ اور چونکہ مبتدی ان

حالات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا، اسلئے بسا اوقات وہ اُس حالت کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے، حالانکہ اُس حالت کے ظاہری تقاضا پر عمل کرنا، اُس کیلئے مضر ہوتا ہے، مگر چونکہ وہ اس حالت کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے، اسلئے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ اس حالت کے ظاہری تقاضا پر عمل نہ کر بیٹھے، جس کی وجہ سے وہ کسی ظاہری یا باطنی مصیبت میں مبتلا ہوجائے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اُس حالت کو اپنے لئے مضر سمجھتا ہے، حالانکہ وہ اُس کے لئے مفید ہوتی ہے، مگر چونکہ وہ اسے اپنے لئے مضر سمجھتا ہے، اسلئے کبھی وہ کوئی ایسا فعل کر بیٹھتا ہے جس سے ایک طرح سے اُس وارد غیبی کی کی مخالفت ہوجاتی ہے، اس لئے اسے ہر حالت میں اپنے مربی سے مشورہ لینا ضروری ہے۔

نیز کبھی مبتدی میں احوال عالیہ کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، ایسے مبتدی کو ایسے بلند احوال کی تمنا بھی نہ کرنا چاہئے، ورنہ اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شیرخوار بچہ، کسی نوجوان کو پلاؤ بریانی دیکھ کر، خود بھی بریانی اور پلاؤ کھانا چاہے، دودھ چھوڑ کر پلاؤ بریانی کو اپنی ترقی تصور کرے تو جیسے اُس شیرخوار بچہ کے لئے اسی میں خیر ہے کہ وہ فی الحال اپنی موجودہ غذا پر قناعت کرے اور کسی ایسی غذا کی خواہش نہ کرے، جس کا تحمل صرف بڑے آدمی کے معدہ ہی کو ہوسکتا ہے، اسی طرح مبتدی کو چاہئے کہ وہ منتہی کی حرص کرکے، اپنے لئے کسی ایسی حالت کا طالب نہ ہو جس کا فی الحال وہ تحمل نہ کرسکے اور اس میں راز یہ ہے کہ ہر وہ بات جو وقت سے پہلے واقع ہوجائے، خطرناک ہوتی ہے اور یہ قاعدہ صرف روحانی تربیت ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جسمانی تربیت میں بھی اس کو تسلیم کرلیا گیا ہے، چنانچہ اطباء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر مریض کو ضعف کے بعد بیک وقت قوت آجائے تو وہ قوت خطرناک ہے۔ چنانچہ میں اپنا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک بار میں بیمار ہوا، جب صحت ہوگئی تو کمزوری بہت تھی اور اتفاق سے اس وقت ایک جلسہ میں شریک ہونا پڑا اور بیان کی درخواست کی گئی، میں نے ضعف کا عذر کیا تو ایک طبیب نے ماء اللحم کی ایک خوراک دیدی، اُس کے پینے سے مجھے فوری قوت محسوس ہونے لگی اور بیان شروع کردیا، مگر بیان کے دوران ہی مجھے تپ بخار ہوگیا اور ایک عرصہ تک سخت تکلیف رہی۔ ہر بات اپنے وقت اور موقعہ ہی

پر خیر ہوتی ہے اور وقت سے پہلے خطرناک اور یہی راز تھا پہلے مشائخ کے اس طرز کا کہ وہ طالبین کی تربیت میں ترتیب وتدریج کی رعایت کرتے تھے۔ (صفحہ۶۱۔۶۲)

حضور ﷺ کی زیارت کی تمنا
اور اس کے لئے بے چین ہونا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میری عرصہ سے یہ تمنا ہے کہ خواب میں مجھے جناب رسول مقبول ﷺ کی زیارت نصیب ہوجائے، اس سلسلہ میں مختلف وظیفے بھی پڑھ چکا ہوں، مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ جس کی وجہ سے میری طبیعت آجکل بہت پریشان ہے اور کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی، جس سے میری پریشانی رفع ہو، حضرت والا نے ارشاد فرمایا، حق تعالیٰ کی جو نعمتیں اختیار سے باہر ہوں، ان کی تمنا تو کرنی چاہئے اور دعا بھی کرنی چاہئے، لیکن اگر اُس نعمت کے حصول میں تاخیر ہو تو تنگدل اور پریشان نہ ہونا چاہئے اور صبر سے کام میں لگا رہنا چاہے اور اس معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہئے، اُن کا جو حکم ہوا، اس پر راضی رہنا چاہئے اور جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہونا، یہ نعمت بھی ایسی ہے کہ اس کا حصول محض حق تعالیٰ کے فضل پر ہے بندہ کے اختیار سے باہر ہے، اگر ساری عمر میں ایک بار بھی نصیب ہوجائے تو بھی اُس کا فضل ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت والا جب تقریر ختم فرما چکے تو اُن سے دریافت فرمایا کہ آپ سمجھ گئے یا نہیں، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت، آپ کے جواب سے میری پوری تسلی ہوگئی ہے، حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ آپ اس خیال میں نہ رہئے کہ تسلی ہوگئی ہے، ابھی تسلی نہیں ہوئی، بلکہ تسلی اُس وقت سمجھے، جتنے دن آپ اس حالت میں رہے ہیں، اتنے ہی دن گذر جائیں اور یہ حالت دوبارہ غالب نہ ہو، تب سمجھنا چاہئے کہ آپکی حالت قابل اطمینان ہے پھر فرمایا کہ ایک حالت تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی زیارت کی تمنا ہو اور ایک درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اس قابل ہی نہ سمجھے کہ اُس کو جناب رسول مقبول ﷺ کی زیات نصیب ہو، بلکہ زیارت تو بڑی چیز ہے، عشاق

پر تو جب فنا کا غلبہ ہوا ہے تو وہ محبوب کی مجلس میں اپنے ذکر اور اپنے نام تک آنے کو خلاف ادب معلوم ہونے لگا ہے۔ (صفحہ۹۰۔۹۱)

فرمایا، اسی طرح جن بزرگوں کو فنا کا یہ درجہ حاصل ہے، اُن کی وہ شاہ ہوتی ہے جیسے ہمارے حضرت حاجی صاحب نے فرمایا۔ جب کوئی شخص حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کرتا کہ حضرت، کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے، جس سے خواب میں جناب رسول مقبول ﷺ کی زیارت نصیب ہوجائے تو حضرت حاجی صاحب ارشاد فرماتے کہ بھائی، تمہارا بڑا حوصلہ ہے، جوتم ایسی بات کہتے ہو، باقی ہم تو اپنے لئے اسی کو بڑی نعمت سمجھتے ہیں کہ گنبد خضراء ہی کی زیارت نصیب ہوجائے، ہم اس قابل کہاں ہیں کہ ہمیں زیارت نصیب ہو تو ہمارے حضرت حاجی صاحب کا یہی مذاق تھا کہ اپنے آپ کو زیارت نصیب ہو سکنے کے قابل ہی نہ سمجھا جائے، یہ درجہ سب سے بڑا ہے، کیونکہ یہ فنا کا درجہ ہے اور عشق میں سب سے بڑی چیز فنا ہے۔ تو فنا کا یہ درجہ ہے کہ بندہ یہ سمجھنے لگے کہ ہم حضور ﷺ کی زیارت کے قابل ہی کب ہیں، بلکہ عشاق تو اپنے محبوب کے ہوتے ہوئے اپنے وجود اور اپنی ہستی کو بھی خلاف ادب سمجھتے ہیں اور محبوب کو مخاطب کرکے اس کی تمنا کرتے ہیں کہ۔

باوجود تزمن آواز نیاید کہ منم۔ چنانچہ مثنوی میں مولانا رومی نے ایک عاشق کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بار بڑی آرزؤں کے بعد جب اُس کو اپنے محبوب سے وصال نصیب ہوا تو اُس نے اپنے محبوب کے سامنے اپنے عاشقانہ سوزوگداز کا اظہار شروع کیا کہ میں تیرے عشق میں یوں جلتا رہا اور تیرے فراق میں یوں پگھلتا رہا اور مجھے تم سے اتنی محبت ہے تو اُس کے محبوب نے جواب میں کہا، یہ سب کچھ سہی، مگر ابھی اتنی کسر باقی ہے کہ تم بول رہے ہو، جو دلیل ہے، اس بات کی کہ ابھی تمہارا وجود فنا نہیں ہوا، بلکہ موجود ہے اور ابھی تمہاری ہستی مٹی نہیں، بلکہ وہ باقی ہے، ارے، تجھے تو چاہے تھا کہ اپنی ہستی کو بالکل مٹا دیتا کہ اس کا نام ونشان نہ رہتا، اُس وقت میں سمجھتا کہ تو اپنی دعوئ محبت میں سچا ہے۔ لہذا اگر ہم بھی اپنی محبت کو کامل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ اپنی خواہشات کو اپنے محبوب کی مرضیات میں فنا کردیں، جو اُن کا حکم ہو، اُس پر راضی رہیں۔ اگر خواب میں زیارت ہوجائے تو ہزار بار شکر ادا کریں اور اگر ساری عمر

بھی زیارت نصیب نہ ہو تو شکایت نہ کریں، بس اپنا یہ مذاق رکھیں۔

فراق وصل چہ باشد رضائے دوست طلب   کہ حیف باشد از وغیرہ او تمنائے

(صفحہ۹۱ سے ۹۲ جلد نہم)

شیطان پر ہزار عابد
سے ایک فقیہ کا بھاری ہونا

فرمایا: شیطان کا مکر تو اس درجہ کا نہیں، جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں، "ان کید الشیطان کان ضعیفا." اہل اللہ اور خاصان حق سے تو شیطان خود ہی ڈرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ شیطان پر ہزار عابد سے ایک فقیہ زیادہ گراں اور بھاری ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے مکر وفریب سے خود بھی واقف ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی آگاہ کرتا رہتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک روز شیطان نے دھوکا دینا چاہا،آپ کو ایک روشنی نظر آئی،آپ نے لاحول پڑھی،وہ روشنی گم ہوگئی اور شیطان یہ کہکر بھاگا کہ جا، عبدالقادر، تجھے تیرے علم نے بچا لیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جا، مردود، یہ تیرا دوسرا دھوکا ہے کہ مجھے علم نے بچالیا، علم بیچارا کیا چیز ہے، جو بچالے۔ مجھے تو اللہ نے بچالیا۔ (صفحہ۲۸)

(اس واقعہ میں بعض کتابوں میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ شیطان نے کہا کہ میں نے اس طرح کی روشنی کے ذریعہ سینکڑوں عابدوں اور ذاکروں کو گمراہ کیا ہے (اس لئے کہ تفقہ اور صحیح دینی ادراک نہ ہونے کی وجہ سے روشنی ہی کو کمال سمجھ لیا گیا۔مرتب)

الہام کے ذریعہ پیش ہونے والے
ہدیہ کو قبول نہ کرنا اور قیمتی معارف کا بیان ہونا

آج کی مجلس خاص میں حضرت والا نے ایک نووارد صاحب سے جانماز کا ہدیہ قبول فرمانے سے انکار فرما دیا تھا، اُن صاحب پر ہدیہ قبول نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر رنج اور حزن کا غلبہ ہوا کہ گیارہ بجے دن سے نماز ظہر تک ان پر گریہ طاری رہا، حتیٰ

کہ عین نماز ظہر کی جماعت میں بھی وہ روتے رہے۔ حضرت والا نے نماز ظہر کے بعد ان صاحب کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ آپ اس طرز کو چھوڑیئے اور سکون وہوش میں آ کر دل کی بات کہیے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو تو میرے دل کے حالات بتائے بغیر ہی معلوم ہیں۔ فرمایا، توبہ کیجیے، مجھے علم غیب تھوڑا ہی ہے،بتائے بغیر مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ عرض کیا کہ آپ قطب ہیں، غوث ہیں، مجدد ہیں، محقق ہیں، حکیم الامت ہیں، آپ کو معلوم نہ ہوگا تو اور کس کو معلوم ہوگا۔ فرمایا کہ دوسروں کے دل کی تو حالت معلوم نہیں اور نہ میں اس درجہ کا ہوں، ہاں اپنی حالت معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ خدا کا ایک بندہ ہوں اور گنہگار ہوں، روسیاہ ہوں، بدکار ہوں، مگر ان باتوں سے کیا لینا، ان کو چھوڑیئے، اپنی حالت بیان کیجیے، انشاء اللہ تعالیٰ اطمینان سے سن کر، اُس کا جواب دوں گا اور زبان سے کہے بغیر باستثناء بعض حالات کے حق تعالیٰ بھی بندے کے ایمان کو درجہ تام مین قبول نہیں فرماتے تو جب زبان سے کہے بغیر خدا تعالیٰ سے بھی اپنا کام نہیں بنا سکتے تو میں تو ایک بندہ اور وہ بھی گنہگار ہوں، مجھ سے کیسے کام چلے گا۔

عرض کیا کہ میں کہنا نہیں چاہتا۔ فرمایا دیکھو، اتنا بڑا سفر کر کے آئے ہو، روپیہ اور وقت صرف کیا ہے تو جس غرض سے اتنی بڑی تکلیف اٹھائی ہے، اس کے اظہار میں آخر کیا چیز رکاوٹ ہے۔ اب تو محض زبان ہلانا باقی ہے، جو بہت آسان کام ہے، اس پر وہ صاحب خاموش رہے۔ حضرت والا نے ایک کٹورے میں پانی منگا کر، اُس پر دم فرما کر ان صاحب کو پلایا، پانی پیتے ہی اس کے حواس درست ہوگئے اور عرض کیا کہ مجھے خواب میں یہ الہام ہوا کہ ایک جانماز خرید کر لیجاؤ اور وہ یہاں پر قبول نہ ہوئی، فرمایا، نہ خواب کوئی امتیازی چیز ہے اور نہ الہام، صرف وحی کا اتباع ضروری ہے، پھر یہ کہ آپ کا الہام آپ پر حجت ہے، مجھ پر حجت نہیں۔ نہ میں اپنے الہام پر آپ کو مجبور کر سکتا ہوں اور نہ تم اپنے الہام پر مجھے مجبور کر سکتے ہو۔ اور آپ کو جو الہام ہوا تھا کہ جانماز خرید کر لیجاؤ، تم نے اس پر عمل کر لیا، تم اتنے ہی کے ذمہ دار تھے، باقی اُس الہام یا خواب میں یہ تو نہیں کہا گیا تھا کہ قبول بھی ہو جائے گی۔ عرض کیا کہ نہیں۔

فرمایا، چلو بس چھٹی ہوئی، تم اپنا کام کر چکے۔ اس پر مصر ہونے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے یہ کہ جیسا اللہ کے ساتھ آپ کا معاملہ ہے، میرا بھی تو اللہ کے ساتھ

معاملہ ہے تو آپ کی مجھ سے یہ کیسی محبت ہے کہ اپنا معاملہ تو اُس حد تک بنانا چاہتے ہو، جہاں تک آپ جواب دہ بھی نہیں اور میرے معاملہ کو بالکل ہی نظر انداز کررہے ہو تم تو اتنے ہی کے ذمہ دار ہو کہ الہام ہوا، خرید کر لانے کا اور پیش کرنے کا، حکم کی بجا آوری ہوگئی۔ باقی قبولیت عدم قبولیت کا نہ آپ کو الہام ہوا، نہ حکم، پھر اُس کے درپے ہونا، یہ سرے تجاوز کرنا ہے، اسے کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے، اس گفتگو سے وہ صاحب متاثر ہوئے اور عرض کیا کہ اب میں حضرت والا کے کسی امر کے خلاف نہ کروں گا، جو ارشاد ہوگا، ویسے ہی کروں گا اور حکم بجالاؤں گا۔ فرمایا کہ اب راہ پر آئے، یہ آپ نے کام کی بات کہی، اس سے میرا دل خوش ہوا ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ یہ جو ابھی کچھ تم نے کہا ہے، کیا یہ سوچ سمجھ کر اور دل سے کہا ہے؟ عرض کیا کہ جی، سوچ سمجھ کر ہوش حواس سے عرض کررہا ہوں فرمایا کہ جب ہوش درست ہیں تو اب بغور سُن لو، میں خیر خواہی سے مشورہ دیتا ہوں کہ راہ سلوک میں حال، قال، خواب، الہام، کیفیات اور لذات کوئی چیز نہیں، اصل چیز اسلامی احکام ہیں، اُن کا اتباع کرنا چاہئے اور اس کی بہت آسان تدبیر یہ ہے کہ کسی کو اپنا بڑا بنا کر، اس کا اتباع کرو، یہ مشورہ خیر خواہی کی بناء پر عرض کررہا ہوں اور تم جو اپنی آزاد مرضی سے کام کرتے ہو، یہ سب اس کی خرابی ہے اور اس سے آئندہ زیادہ خرابی کا اندیشہ ہے، کسی کی اتباع کے بغیر اور کسی کو بڑا بنائے بغیر، اس راہ میں بڑے خطرے پوشیدہ ہیں، آپ کو خبر نہیں، اس راہ میں اس قدر راہزن ہیں، جس کی کوئی انتہا نہیں، رہبر کامل کے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا نادانی ہے، یہ بہت بڑا دشوار گذار راستہ ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

یار باید راہ راتنہا مرد   بے قلاؤ زاندرین صحرا مرد

اور فرماتے ہیں۔

قال رابگذار مرد حال شو   پیش مردے کاملے پامال شو

اسی طرح اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اپنی رائے کو فنا کردیا جائے، بندگی بیچارگی ہے، محبوب، جس حال میں بھی رکھیں، اس حال میں رہنا چاہئے، اپنی رائے کو دخل دینا، شان عبدیت کے بالکل خلاف ہے، ہمیں کیا خبر کہ ہمارے لئے کس چیز میں شر پوشیدہ ہے اور کس میں خیر، وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اُسی میں خیر ہے۔ پھر فرمایا کہ میں جا نماز قبول بھی کر لیتا، مگر ایسے غلبہ کے وقت فقہاء کا فتوے ہے کہ مغلوب الحال کا اپنے مال میں تصرف جائز نہیں اور آپ کی

مغلوبیت آپ کی حالت سے معلوم ہوگئی ہے تو ایسی حالت میں لینا کب جائز ہے۔ خود جواز ہی میں شبہ ہے۔ اگر یہ صاحب کہیں اور جاتے تو جا نماز تو بیچاری کیا چیز ہے، یہاں تک فکر ہوتی کہ حالت جوش اور غلبہ میں جو کچھ بھی جیب میں ہے، وہ سب نکال کر نذر کردیں۔ خدا کا خوف ہونا چاہئے، ہر چیز میں شریعت کا اتباع ہونا چاہئے۔ (صفحہ ۲۵۹ سے ۲۶۱ حصہ دہم)

کشف کے بارے میں
طالب کا صحیح موقف کیا ہو؟

فرمایا: کشف کے سمجھنے میں تو بعض بڑے بڑے لوگوں سے غلطی ہوگئی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مدت تک روح کے نور کو حق تعالیٰ کی تجلی سمجھ کر، اس نور کی پرستش کرتا رہا۔ اگرچہ اس میں ان کو گناہ نہ ہوا ہو، جس کی وجہ میں نے اپنی کتاب ''التشرف'' حصہ اول ذکر الموت کے تحت اچھی طرح ظاہر کردی ہے، جس کو مزید سہولت کی خاطر کتاب احکام التجلی کی فصل سوم میں بھی نقل کر دیا گیا۔ اس عبارت سے ''واعلم ان الحدیث تستنبط منہ مسئلۃ الی قولہ کاف فی جواز احتمال کونہ عذرز واللہ اعلم'' مگر آخر ہے تو غلطی ہی، اور اس غلطی کی دو وجوہ میں، ایک یہ کہ روح کے تجرد و مادیت کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے، مگر اکثر محققین کا قول یہی ہے کہ وہ مجرد ہے، اس لیے اس کے نور کو سالک انتہائی لطیف ہونے کی وجہ سے نور حق سمجھنے لگتا ہے اور بعض متکلمین نے روح کے تجرد کا جو انکار کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تجرد کو باری تعالیٰ کی خاص الخاص صفات کہا ہے، حالانکہ خود یہی چیز دلیل ہے۔ (صفحہ ۲۹۴)

مزید فرمایا، حضرت یحیٰی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے اسی اشتباہ کے متعلق اس کی ایک پہچان بھی لکھی ہے کہ اگر اس وقت سالک کو اپنی ہستی فانی معلوم ہوتی ہے، تب تو وہ تجلی حق تعالیٰ کی ہے، اگر اپنی رفعت پر نظر پڑتی ہے تو وہ ظہور روح ہے، جو سب کو اپنے سامنے ساجد دیکھ کر علوو دعویٰ کا غلبہ ہوتا ہے، مگر میں اس سے بھی آگے اجتہاد سے ایک بات کہتا ہوں، کیونکہ اس فن تصوف میں اجتہاد کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا، وہ بات یہ ہے کہ یہ پہچان بھی قابل اعتبار نہیں، اس لیے کہ شیطان، سالک کے نفس میں فناء کا تصرف بھی کر سکتا ہے تو ممکن ہے کہ اس فناء کا سبب شیطانی تصرف ہو، اس لیے یہ پہچان بھی قابل اعتبار نہیں، بس ایسے سارے معاملات میں آخری بات وہی ہے، جو ہمارے حضرت حاجی صاحب کی تعلیم ہے کہ ان چیزوں کی طرف توجہ ہی نہ دی جائے، کیونکہ یہ چیزیں مقاصد میں سے نہیں ہیں، پھر

غیر مقصود کی طرف متوجہ ہو کر خواہ مخواہ خطرہ میں کیوں پڑا جائے، پھر خطرہ سے بچنے کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی فرد کو پہلے چھریاں ماری جائیں، اس کے بعد پھر زخموں پر مرہم لگایا جائے، سو، چھریاں مارنے کی ضرورت ہی کیا ہے، اس لیے بھی مناسب ہے کہ ایسی چیزوں کی طرف توجہ نہ کی جائے، اگر بعض حقائق منکشف بھی ہوں تو ان علوم کو حق تعالیٰ کا فضل سمجھے، اس تحقیق سے حضرت حاجی صاحب کی شان مجددیت اور اجتہاد بھی معلوم ہوگئی کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایسی چیزوں کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے۔ (صفحہ ۲۹۴-۲۹۵ حصہ دہم)

غلام احمد قادیانی کو ریاضتوں
سے قوت متخیلہ میں فساد کا پیدا ہونا

فرمایا، میری رائے یہ ہے کہ غلام احمد قادیانی کو شروع میں فساد متخیلہ ہوا، پھر اُس حالت کے خیالات آنے لگے اور ان خیالات میں ترقی ہوتی رہی، باقی یہ بات کہ یہ فساد متخیلہ کس وجہ سے ہوا؟ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے کچھ محنت ریاضت کی، جس سے اُس کے دماغ پر اثر ہوا۔ ایک سمجھدار شخص اس سے ملتے تھے، اس کا بیان ہے کہ میری اُس سے گفتگو ہوئی تھی، بیان کے وقت بالخصوص مسیح ہونے کے دعوے کے وقت اُس میں ایک جوش پیدا ہو جاتا تھا، مسیلمہ کذاب کی بھی یہی کیفیت ہو جاتی تھی، اس پر فرمایا کہ اس حالت میں شیخ کامل کی ضرورت ہوتی ہے، وہ فرد کو سنبھال لیتا ہے ورنہ سالک، خراب اور برباد ہو جاتا ہے۔ قادیانی کو ایسا شیخ نہیں ملا۔ (صفحہ ۱۰۷ حصہ ہفتم)

(مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں مولانا تھانویؒ نے جو نکتہ بیان کیا ہے، یہ نکتہ راقم سطور نے کسی دوسری کتاب میں بھی پڑھا تھا کہ ذکر وشغل کے مجاہدوں کی وجہ سے ان کی حالت متغیر ہونے لگی، کچھ باتیں القا بھی ہونے لگی۔ کچھ حالت سکر بھی پیدا ہونے لگی، چونکہ شیخ کامل کی صحبت میسر نہیں تھی، اس لئے مجاہدوں اور قوت متخیلہ سے تحت الشعور میں موجود اپنے کمالات کی خواہشوں نے کام کرنا شروع کیا۔ شیطانی تصرفات نے انہیں مزید بگاڑ دیا۔ اور وہ مسلسل دعویٰ کی راہ پر گامزن ہونے لگے۔

اس لئے مجاہدوں کی راہ ایسی ہے، جس میں کامل رہبر کے بغیر چلنا، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ چونکہ الہام بظاہر ایک غیر معمولی چیز نظر آتا ہے اور راہ سلوک کے مقامات طے کرنے سے پہلے ہونے والا الہام والقا اور مشاہدات تو طالب کے لئے سخت آزمائش کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ مرتب)

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com